

# خُلُوصُورَت



بشری رحمن



افوه

اس کی زندگی کی یہ بد صورت ترین اور بھیانک ترین رات بن گئی تھی۔

صبح اٹھتے ہی نظر بھی تو اس کے چہرے پر پڑی تھی۔ وہ اس کے قریب بے سدھ سو رہا تھا۔ کیسے سو رہا تھا، اس نے غور نہیں کیا۔۔۔ اس کی نظر تو چہرے میں الجھ گئی تھی۔

سونیا نے رخصتی سے ذرا پہلے اس کے کان میں آ کر کہا تھا۔

رملی جیسی حسین لڑکی کے لیے دولہا کہاں سے آئے گا؟

اے ایسا شخص تو ہو جو اس کے قریب بیٹھا اچھا لگے۔

اسے اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے یہی توقع تھی کہ کسی ایسے شخص سے اس کا بیاہ

چلو جی۔ رنگ تو برداشت ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی مرد تو سانولے سلونے ہی اچھے لگتے ہیں۔ معاذ کارنگ سانولا نہیں سیاہی مائل تھا اور ملٹی کے قریب بیٹھا ہوا ایک دم کالا لگتا تھا۔ صرف رنگ کی بات نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر چمپک کے داغ بھی تھے۔

رملی کو ایک نئی آگئی۔ جیسے سیاہ مٹی کے اوپر بارش کے قطرے گرے ہوں۔ کیسی جاہل اور گنوار ماں کا بیٹا تھا۔ ایسے زمانے میں جب کہ طبی امداد کے مرکز چھوٹے چھوٹے سے قصبے میں بھی کھل گئے ہیں۔ اس کی ماں نے بچپن میں اسے چیچک کا ٹیکہ نہیں لگوا یا تھا اور اسے دیکھو۔ چیچک جیسے موذی مرض کے وار سے بچ گیا۔

وہ نفاست سے پٹی ہوئی لڑکی

اپنی چار بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور سب سے لاڈلی بھی تھی۔

تین بہنوں کی بہت پہلی شادی ہو گئی تھی۔ درمیان میں دو بھائی تھے وہ بھی بیاہے گئے تھے۔ وہ بی۔ اے کر کے گھر بیٹھی تھی۔ سب بہنوں میں حسین تھی۔ اپنا بہت خیال رکھتی تھی۔ چہرہ ہمیشہ مسکین سے دھوئی۔ رات کو کریم کی جگہ دودھ کی بالائی چہرے اور گردن پر لگاتی تھی۔ ہاتھوں پر کئی قسم کے کوشن استعمال کرتی۔ نتیجہً اس کے ہاتھ چہرے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئے تھے۔

ذرا کی ذرا بازار سے ہو کر آتی تو چہرے پر فوراً ٹھنڈے پانی کے پھینٹے مارتی تاکہ بازار کا گندا گردا چہرے کے مساموں سے نکل جائے اور آنکھیں بھی صاف ہو جائیں لمبی پلکیوں پر کیسز اکیل لگایا کرتی۔ ہونٹ ٹماڑ سے صاف کرتی۔ نہاتے وقت پانی میں خوشبو ملا لیتی۔۔۔۔۔ بہت پیار تھا اسے اپنے وجود اور چہرے سے۔۔۔۔۔ اور اپنا اس طرح خیال

رہتی جس طرح گلاب کے پودے کا خیال رکھتے ہیں۔۔۔ اس تو تازہ گلاب کے لیے وہ کسی پرکشش آفاقی شہزادے کا انتظار کر رہی تھی جس کے شہستان میں وہ اپنے تن کا فانوس روشن کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اگلے زمانے کی شہزادیوں کے قصے سن رکھے تھے کہ کس طرح جری اور جیالے شہزادے ان کے حسن کی دھوم سن کر ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے پھر شہزادی کی کڑی شرطیں

پوری کر کے اس کے حق دار بن بیٹھے تھے۔  
لیکن رملی نے تو کوئی کڑی شرط نہ رکھی تھی۔  
اسے تو بس اپنے خوابوں کا شہزادہ درکار تھا جسے دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور کلیجے کو تسکین  
پہنچے۔

پر ابا جان نے یہ کیا کیا \_\_\_\_\_؟  
اندھیرا کنواں لا کے اس کے گلے میں لٹکا دیا۔

ابا جی دہی سے واپس آئے تو معاذ کی تعریفیں کرتے ہوئے نہ تھکتے تھے۔ نیکی، شرافت اور  
لیاقت کا ہر تصور معاذ کے ساتھ باندھ رہے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے وہ اس کا یوں ذکر کرتے، جیسے  
بھیڑیوں کی نگری میں انہوں نے پہلا انسان دیکھا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ ابا جی نے دہی سے لے کر  
لاہور تک کا سفر معاذ کے ساتھ کیا تھا۔ معاذ سرکاری طور پر دو سال کے لیے یورپ گیا ہوا تھا اور اب  
اپنی ذہانت کے سرٹیفکیٹ لے کر واپس آ رہا تھا اور ابا جی دہی سے اپنا کاروباری ٹرپ لگا کے واپس  
آ رہے تھے۔ رملی کے بڑے بھائی کا دہی میں ایک بہت بڑا جنرل اسٹور تھا۔ دوسرے بھائی کا  
اسٹور شارجہ میں تھا اور ابا جی دونوں بیٹوں کی سرپرستی کرنے کے لیے مسلسل سفر میں رہتے تھے۔ ابا  
جی اس عمر میں سفر کرتے نہیں تھکتے تھے۔ خوب گھومنے پھرنے کے رسیا تھے۔ بھانت بھانت  
کے لوگوں سے ملتے۔ اور ہر زمین کی خوشبو سونگھتے۔ ابا جی بڑے مردم شناس تھے۔ ان  
کی آنکھوں میں ایک پیانہ فٹ تھا۔ دیکھتے ہی انسان کو پہچان لیتے۔ ایک دم سے پسند  
کرتے یا نا پسند کرتے۔ خاندان والوں کو ان کی یہ عادت پسند نہیں تھی۔ اسی لیے امی جان مصلحت  
کی ایک ایسی چادر بن گئی تھیں جو وقت بے وقت ابا جی پر تن جاتی۔  
معاذ اور ابا جی کراچی ایک ساتھ ہی اترے۔ اور لاہور کے لیے ایک ہی فلائٹ  
پکڑی۔

اس ذرا سی رفاقت میں ابا جی نے گویا معاذ کے سارے محاسن دیکھ لیے۔ لاہور آنے کے  
بعد بھی اسے اس کے دفتر جا کر کئی بار مل چکے تھے آخر ان کے گہرے انس کا اثر کچھ نہ کچھ تو ادھر بھی  
ہوتا تھا۔ ایک ماہ بعد معاذ کی والدہ ملنے کے لیے آ گئیں بس ایسی تھیں جیسی گاؤں کی سیدھی سادی  
عورتیں ہوتی ہیں۔ نہ شہر والوں کا سا حلیہ، نہ شہر والوں کی سی مکارا دائیں اور پھر دو چار ملاقاتوں کے  
بعد وہ حرف مدعا زبان پر لے آئیں یعنی انہوں نے معاذ کے لیے رملی کو مانگ لیا۔ رملی کے لیے  
یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جو بھی دیکھتا تھا، مطلب کر لیتا تھا۔ بڑی آپا کے دیور نے دیکھا تو رشتہ

مانگ لیا۔ منجھلی آپا کی جھٹانی کو پسند آ گئی وہ اپنے بھائی کے لیے مانگنے چل دیں۔ چھوٹی آپا کی خالہ ساس کا دل اس پر تبخہ گیا اور اپنے بیٹے کے کوائف گنوانے لگیں۔ رشتے داروں کے علاوہ محلے کے لوگ بھی اسے پسند کرتے تھے۔ ایک تو اس کی صورت میں ملاحظہ تھی، اس پر عادتیں بہت اچھی، بہت دھیمی اور میٹھی طبیعت تھی۔ ہر وقت مسکراتی رہتی۔ ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتی۔ اور پھر ان کا خاندان بھی تو بڑا وضع دار تھا۔ اباجی بڑے دین دار اور متقی بزرگ تھے۔ ان کے خاندان کی کوئی بات کبھی باہر نہ نکلتی تھی۔ بڑی تینوں لڑکیاں جن گھروں میں گئی تھیں، وہ ان کے گن گاتے تھے۔ بھابھیاں دونوں غیر ہی تھیں مگر خاندان میں یوں رچ بس گئی تھیں، جیسے گھی میں شکر۔ بڑے دونوں بھائی گودوسرے ملکوں میں کاروبار کرتے تھے مگر اباجی کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھتے تھے اور امی۔ تو چائی کے اندر گھومنے والی مدھانی تھیں۔ جتنا گھماؤ، بکھن اتنا زیادہ نکلے۔ ان کا گھر انہ لڑائی جھگڑے اور باہمی تنازعوں کے الفاظ سے آشنا نہیں تھا۔ اس لیے سب کے چہروں پر طمانیت کا ایک نور برستا تھا۔

جو بھی ان کے گھر میں آتا۔ پورے گھر انے کا مداح ہو جاتا۔  
رملی کو معاذ کا رشتہ مانگنے پر تعجب نہیں ہوا تھا۔

اس کو معلوم تھا اس پر چودھویں کا روپ آ کر ٹھہر گیا ہے اور وہ ستاروں سے گندھی ہوئی لڑی ہے جسے ہر کوئی اپنے گلے میں ڈال لینا چاہتا ہے۔

لیکن وہ یہ ضرور سوچتی کہ وہ کون خوش قسمت ہوگا، جس کو وہ اپنا تن من سوپ سکے گی کیونکہ اسکے پاس روپ کا اتنا بڑا خزانہ تھا کہ وہ دنیا کی امیر ترین عورت تھی اور عمر کے اس دہانے پر کھڑی تھی جہاں بے شمار ہاتھ آگے بڑھتے ہیں پھر ایک تو مند اور خوبصورت ہاتھ لپک کر پکڑ لیتا ہے اور وہی زندگی کا منہ بھی بن جاتا ہے۔

اباجی نے تو سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

معاذ کی امی کو صاف کہہ دیا:

معاذ جیسے لڑکے کے لیے انکار کر کے میں کفرانِ نعت نہیں کر سکتا۔ رملی آپ کی بیٹی ہے۔

جس دن دل چاہے لے جائیے۔

انہوں نے منگنی کی انگوٹھی پہنانا چاہی تو اباجی بولے:

انگوٹھیاں پہنانا دنیا داری کی رسم ہے۔ ہماری زبان پر اعتبار کیجئے اور جب مناسب لگے۔

شادی کی تاریخ رکھ لیجئے۔

معاذ کی ایک ہی بڑی بہن تھی جو بیاہ کر امریکہ چلی گئی تھی۔ اب ماں کو بیٹی کی شادی کا بڑا ارمان تھا۔ اس لیے اس نے اپنی بیٹی کو خط لکھ کر اس کے آنے کی بابت دریافت کر لیا اور پھر تین مہینے کے بعد کی تاریخ شادی کے لیے مانگ لی۔

دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

پہلے تو رملی کا دل مچلا کہ وہ اپنے ہونے والے دولہا کو دیکھے۔ نہیں۔ بلکہ اس کا دل چاہتا کہ وہ اپنا آپ اس کو دکھائے۔ اس کے احساس کے پر جلائے دیکھے تو وہ ہل کیسے ہوتا ہے۔

مگر پھر اس نے سوچا۔ کوئی بات نہیں۔ یہ قیامت کا نظارہ اسی رات سہی۔

ہاں! البتہ اپنے دولہا کی ایک جھلک دیکھنے کو دل بڑا مچلتا۔ اباجی اور سارے گھر والے اسے مل چکے تھے اور اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ یہ نہیں اس میں کیا بات تھی؟  
لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ کسی نے رملی سے اس کا عندیہ نہیں مانگا اور نہ ہی اسے لڑکا دکھانے کی ضرورت محسوس کی۔

ہاں ایک رات اس نے امی اور اباجی کو باتیں کرتے سن لیا تھا۔ یہ نہیں امی نے کیا کہا تھا جس کے جواب میں اباجی بولے:

مرد کا حسن اس کا کردار اور کیریئر ہوتا ہے۔ ایک شریف النفس اور اچھے مرتبے والا ایک ہزار حسین اور بے کار نوجوانوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اور تم جانتی ہو اس عمر میں معاذ جس پوسٹ پر ہے اس تک پہنچنے کے لیے ساری عمر ناک رگڑنی پڑتی ہے۔ اس میں اور آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ دیکھنا تو ایک دن کتنا بڑا اور مفید آدمی بن جائے گا۔

ہاں۔ امی کی آواز بہت آہستہ تھی:

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ حسن مرد کا ہو یا عورت کا۔ چند دن کی خوشبو کی طرح ہوتا ہے۔

عورت میں بھی اگر شرم و حیا اور اطاعت و وفانہ ہو تو کیسی بھی حسین عورت کیوں نہ ہو، مرد کا دل اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔

تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ اباجی مسکرائے:

اپنی بچیوں کو بھی سکھاؤ۔



ایسا ہونا تھا۔

یہ ظلم والدین نے تقدیر کے پردے میں کیا تھا \_\_\_\_\_  
وہ کسے دوش دیتی \_\_\_\_\_؟

تیز تیز بہتا پانی بدن پر گراتیوں لگا جیسے یہ بھی ہتھوڑے برسا رہا ہے۔ آنکھوں سے نیر بہنے لگے۔

جیسے مدتوں سے ایک قیمتی شے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ آج اچانک کہیں گر کر رکھو گئی۔  
 ے وقوف ا

روتی رہی۔۔۔۔۔ اور نہاتی رہی۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر دروازے

پہ ہلکی سی تھا پ پڑی۔

اسے یوں لگا معاذ اٹھ گیا ہے۔ آخری بار اس نے بدن پر صابن لگایا۔ کئی بار وہ پہلے بھی صابن لگا چکا تھی۔ پتہ نہیں کیا دھونا چاہتی تھی۔ اچھی طرح نل کے نیچے بیٹھ کر پانی بہایا۔ اور پھر سارے نلکے بند کر دیے۔ ایک دم غسل خانے میں سناٹا چھا گیا۔ معاذ کو پتہ چل گیا کہ وہ باہر آ رہی ہے۔ جسم خشک کیا تو یاد آیا۔ اس نے جلدی میں نئے کپڑے تو غسل خانے میں رکھے نہیں تھے۔ اسی

لیے وہی رات والا ڈرینگ گاؤن پہن لیا۔ گیلے بالوں کو تو لیے سے خشک کرتی باہر نکل آئی۔ سامنے ہی معاذ چائے کاٹرے میز پر رکھے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی معاذ نے اخبار پھینک دیا اور کھڑا ہو گیا۔

رملی نے نظریں چرا کر اپنا آپ بچا کر نکل جانا چاہا مگر وہ اس کے بالکل قریب آ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے رملی کی کمر تھام لی۔ اس کے ہاتھ بے حد گرم تھے اور رملی ٹھنڈی برف ہو رہی تھی۔ شاید زیادہ دیر تک پانی میں بیٹھی رہی تھی۔

اتنی دیر لگادی تم نے۔ میں تو گھبرا گیا تھا۔ اس نے رملی کے گیلے بال چوم کر کہا۔

آپ کا خیال تھا میں پانی میں ڈوب گئی ہوں۔۔۔۔۔؟

(کاش ڈوب جاتی)

نہیں۔۔۔۔۔ وہ مدہوشی سے ہنسا:

میں نے سوچا تم خوابوں میں ڈوب گئی ہو۔ نہاتے نہاتے سو گئی ہو۔۔۔۔۔ رات میں نے تمہیں بہت جگایا تھا نا؟ اسی خوف سے دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

رملی نے کچھ نہیں کہا۔

کہنا چاہتی تھی۔ اس پانی میں اپنے تمام خواب بہا دینا چاہتی تھی۔ اس لیے تیز و تند دھاروں کے آگے بیٹھی رہی۔۔۔۔۔

وہ خاموشی سے آئینے کے آگے کھڑی ہو گئی۔

تولیہ اٹھایا بال خشک کرنے کے لیے تو معاذ نے اس کے ہاتھ سے تولیہ لے لیا اور دھیرے دھیرے اس کے بال خشک کرنے لگا۔ وہ اتنے پیار سے رملی کے بال سہلا رہا تھا کہ رملی کے دل میں گدی گدی سی ہورہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ معاذ کے ہاتھ سے تولیہ پھین کر دھکا دے دے۔ مگر سن کھڑی رہی۔ نگاہ اٹھا کے شیشے کی جانب نہیں دیکھا۔۔۔۔۔ مبادا معاذ کے چہرے پر نظر پڑ جائے اور وہ اس کے ماتھے پر ناگواری کی لہر دیکھ لے۔

معاذ نے جب اس کے بال خشک کر دیے تو کنگھا اٹھا کر بولا:

سلجھا دوں بال۔۔۔۔۔؟

نہیں۔۔۔۔۔ نیچی نظروں سے ہی رملی نے کنگھا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بولی:

آپ میرے بال توڑ دیں گے۔۔۔۔۔!

نہیں توڑوں گا۔ معاذ نے آہستہ سے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور نرم سادباؤ ڈال کر بولا:

اتنے خوبصورت بال ہیں تمہارے۔۔۔۔۔ انہیں بھلا کون کا فرو توڑ سکتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں تم سے چھین لوں۔ آخر تمہاری کسی چیز پر تمہارا بھی قبضہ کیوں ہو؟

معاذ نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں گویا اس کی معطر خوشبو میں کھوجانا چاہتا ہو۔۔۔۔۔ یہی الفاظ۔۔۔۔۔ بالکل یہی الفاظ۔۔۔۔۔ رملی نے ہمیشہ سننے کی تمنا کی تھی۔

دیوانے کو دالہا نہ پن کی سٹیج پر لا کر اس کا سودا کی پن چاہتا تھا۔

کئی سالوں سے ان سیاہ بالوں کو آنو لے اور سید کا کئی سے دھورہ ہی تھی۔۔۔۔۔ اس سیاہ

ریشمی جال میں اپنے شہزادے کے چہرے کو پھنسانا چاہتا تھا۔

اب وہ خود ان بالوں پر اپنا چہرہ رگڑ رہا تھا۔ کیسا پاگل لگ رہا تھا۔۔۔۔۔ کتنا برا لگ رہا

تھا۔۔۔۔۔

تمہیں زور سے نہیں پکڑتا تم ٹوٹ جاؤ گی۔۔۔۔۔ کیسی نازک ہو تم۔۔۔۔۔ جیسے کاج

کی بنی ہو۔۔۔۔۔ بھی اتنی نازک لڑکیاں کہاں یہ بنتی ہیں۔۔۔۔۔؟

اپنے ملک میں رہ کے پتہ بھی نہیں چلا۔۔۔۔۔ اس نے رملی کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

ایسی خوبصورت انگلیاں۔۔۔۔۔ ایسا روپ۔۔۔۔۔ پھر اتنا حجاب سب ہی کہتے

تھے۔ لڑکی بہت شرمیلی ہے۔ مگر مجھے یقین نہ آتا تھا۔ اس زمانے میں۔۔۔۔۔؟

اس نے رملی کا چہرہ اٹھانا چاہا تو اس نے ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگالی۔ وہ زور سے ہنس

پڑا۔۔۔۔۔

کبھی زبردستی نہیں کروں گا۔ ڈر لگتا ہے۔۔۔۔۔ ٹوٹ جاؤ گی تم۔۔۔۔۔ ہوں۔

(اور رات تم نے کیا کیا تھا، بد صورت بھیڑیے)

رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دل چاہا دھکا دے کر اسے دور گرا دے اور یہاں سے دور

نکل جائے۔۔۔۔۔ معاذ کے کالے کالے ہاتھ اس کے گرد لوہے کی زنجیر کی طرح

کانپ رہے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح اسے تنک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی وحشت سے رملی کو ڈر آ

رہا تھا۔۔۔۔۔

کاش۔۔۔۔۔



کاش۔۔۔۔۔ اے کاش۔ اس نے سوچا۔۔۔۔۔  
 یہ میرا پسندیدہ شہزادہ ہوتا تب۔۔۔۔۔ تب میں اس کے ہاتھوں میں موم کی طرح گھل  
 اٹھتی۔۔۔۔۔ ریت کی طرح بکھر جاتی۔۔۔۔۔  
 تب اس نے دل ہی دل میں۔۔۔۔۔ مر جانے کی تمنا کی۔۔۔۔۔  
 تب وہ بے بسی کی سب سے خوبصورت تصویر بن گئی۔۔۔۔۔

ایک مہینہ گزر گیا۔۔۔۔۔  
 معاذ کی امی بہت اچھی تھیں۔ دلہن کو دیکھ کر جیتی تھیں۔ رملی اپنے کڑھتے دل کو مناتی، ان  
 کے پاس جا کر بیٹھ جاتی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے لگتی اور ان سے گھنٹوں معاذ کی بچپن  
 کی باتیں سنتی۔ معاذ جس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جس کے قریب آتے ہی اسے اباکیاں آنے  
 لگتیں۔ جسے نظر بھر کر دیکھنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ جس کی ہر بات کا جواب وہ یوں دیتی جیسے  
 آنکھیں بند کر کے گلے میں کوئی چیخ دبا نا چاہتی ہو۔ ایک مہینے کی گھٹن اس کے چہرے سے نمایاں  
 ہو رہی تھی۔ چہرہ اتر گیا تھا۔ جیسے چاند کسی ندی میں اتر جائے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔  
 کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سارا دن تو وہ اپنی ساس کے ساتھ گزار دیتی۔ شام کو اکثر ملنے  
 جلنے والے آ جاتے مگر رات کے وہ چند پہرے۔۔۔۔۔ جو اسے معاذ کے ساتھ تنہائی میں گزارنے  
 پڑتے، سولی پر لٹکا دیتے۔۔۔۔۔ روز رات کو اپنے بستر پر گرتے ہی مرجاتی اور صبح اسے دنیا  
 والوں کو جی کر دکھانا ہوتا۔ اس کی چپ چپ کیفیت۔۔۔۔۔ اس کی کھوئی کھوئی ہیبت اور اس کی  
 زرد زرد رنگت کو اس کی ساس پچانے کی کوشش کرتی۔ سنگھار سے عاری چہرہ دیکھ کر بڑی محبت سے  
 سنگھار کی اہمیت پر لیکچر دیتی۔

سیانی تھی۔۔۔۔۔  
 جانتی تھی۔ شادی کے بعد جلدی جلدی نئے موڑ آتے ہیں۔ دلہنوں نے کئی بھید چرائے ہو  
 تے ہیں۔ جانے یہ اس کی طبیعت کا کون سا موڑ ہے۔۔۔۔۔!  
 آ گیا سامنے یہ موڑ۔۔۔۔۔ جب ایک روز پچھلی تلنے کے دوران رملی بے اختیار اباکیاں  
 کرنے لگی۔ وہ تو ڈر گئی۔ ایک دم کہ جو نفرت اس نے دل میں چھپا رکھی ہے۔ غالباً ظاہر ہونے لگی  
 ہے۔ مگر معاذ کی امی نے مسکرا کر معاملہ سنبھال لیا۔  
 گھبراؤ نہیں۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔

اگر میں کہوں، جگادوں \_\_\_\_\_ تو کہتے ہیں:



پاس آؤں۔۔۔۔۔ ریہے۔۔۔۔۔  
مجھے توڑو۔۔۔۔۔ پھوڑو۔۔۔۔۔ عورت اپنے محبوب کے ہاتھوں ٹوٹنا چھوٹنا چاہتی ہے۔ بکھرنا۔ بگڑنا چاہتی ہے۔ منتشر ہونا چاہتی ہے۔ مٹ مٹ کے بننا چاہتی ہے خرد کی ہر دیوار جنون کی ضرب سے توڑ دو۔ اور جذبے کا ہر وار مجھ پر آز ماؤ۔۔۔۔۔ میں سخت زمین ہوں۔۔۔۔۔ مجھ سے نرمی نہیں برتو۔۔۔۔۔ آگ جلاؤ مجھ پر۔۔۔۔۔ اور پھر ابل چلاؤ مجھ پر۔۔۔۔۔ تاکہ میں تمہیں نئی فصل دے سکوں۔۔۔۔۔

پھر پوچھتا:

تختی۔

لیکن کاش یہ ہونٹ خوبصورت بھی ہوتے۔

معاذ چلا جاتا تو مٹی اپنے کمرے کی چھت کو تکا کرتی۔ دل کی طرح کمرہ بھی خالی خالی لگتا۔ وہ کتنا اپنے دل کو مٹاتی \_\_\_\_\_ جھکاتی \_\_\_\_\_ مگر وہ تو معاذ سے دور۔۔۔۔۔ اور دور بھاگ جانا چاہتی۔۔۔۔۔

کبھی کبھی رملی کا جی چاہتا کہ وہ مر جائے۔

ایک روز اس نے نرس کو قریب بلا کر پوچھا:

سِسٹر! اس بیماری میں لوگ مر بھی جاتے ہیں؟

کس بیماری میں \_\_\_\_\_؟ نرس نے پوچھا۔

یہی جو مجھے ہے؟

اس پرنس قہقہہ لگا کر ہنسی اور بولی:

ارے یہ کوئی بیماری ہے۔ PREGNANCY کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ یہ تو انسانی

METBOLISM میں ایک تبدیلی ہے اور تبدیلی کے کچھ ردِ عمل ہوتے ہیں جو طبیعت کی خرابی ہیں۔

کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ علامتیں عارضی ہوتی ہیں۔ دنیا کی لاکھوں کروڑوں عورتوں میں

روزانہ ان تجربوں سے گزرتی ہیں۔

پھر میں بستر پر کیوں پڑ گئی ہوں۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔ عام طور پر شروع کے تین مہینے طبیعت خراب رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے اور کسی کو پورے نو مہینے ایسی تکلیف رہے تو بچے کی پیدائش کے بعد فوراً ٹھیک ہو جاتی ہے۔ مگر اب تو حیرت انگیز دوائیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔

تو اس کا مطلب ہے میرے مرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ غیر ارادی طور پر رملی کے منہ سے نکل گیا۔

اس پرنس دوبارہ ہنسنے لگی۔

آپ کو وہم کیوں ہو گیا ہے۔ بی بی آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔

پھر وہ اس کے قریب بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کرنے لگی۔ رملی نے ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تو وہ بولی:

جب پہلی بار بچہ پیدا ہونے والا ہو تو بعض عورتیں وہم میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک قدرتی بات ہے۔ ان پر قنوطیت چھا جاتی ہے اور رات کو بھیا تک اور بے معنی خواب آنے لگتے ہیں مگر یہ قنوطیت بھی ایک قدرتی سائل ہے۔ آپ تو بڑھی لکھی ہیں۔ آپ کو صورت حال کا اچھی طرح علم ہو نا چاہیے۔ آج کل آپ اچھی اچھی کتابیں پڑھا کریں۔ پیاری پیاری باتیں سوچا کریں۔ آپ کی مٹھی سوچ کا اثر بچے کی ذہنی نشوونما پر پڑ سکتا ہے اور نہیں تو آپ اپنے بچے کی صورت کو تصور میں لانے کی کوشش کریں۔

اونہیہ

رملیٰ نے کروٹ بدل لی۔

ادنیہ \_\_\_\_\_ پتہ نہیں کس کی شکل کا بچہ ہو گا۔ اگر ہو بہو اپنے باپ پر ہوا تو۔۔۔۔۔ افوہ  
پھر وہ کیسے برداشت کر سکے گی اس بچے کو \_\_\_\_\_ کتنی کراہت محسوس ہو گی اسے۔ اپنے

\_\_\_\_\_ پھر وہ کیسے برداشت کر سکے گی اس بچے کو \_\_\_\_\_ کتنی کراہت محسوس ہوگی اسے۔ اپنے

پھر کتنی دیر تک لیٹی وہ زندگی اور موت کے بارے میں سوچتی رہی۔۔۔۔۔ اس طرح بھری بہار میں کئی چادر اوڑھ کر اس کو مر جانا بہت دلکش اور بہت رومانٹک لگ رہا تھا۔۔۔۔۔ لوگ کس قدر افسوس کریں گے۔۔۔۔۔ کہیں گے اس بے چاری نے دنیا میں کچھ نہ دیکھا۔۔۔۔۔ افسوس صد افسوس۔۔۔۔۔

کہ یہ اس کے جینے کے دن تھے۔ اسے زندگی سے پیار تھا۔ اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ مگر افسوس۔ اگر وہ مر گئی تو اس کی قیمتی زندگی ضائع ہو جائے گی۔ کس کے باران جائے گی یہ زندگی \_\_\_\_\_؟

ایک دن بعد اسے ہسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی۔ اس شام بے جی پہلے آ گئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی اس کی پیشانی چومی اور کہنے لگیں:

وہی! کل تمہیں چھٹی ملنے والی ہے۔ لاؤ تمہارا فالٹو سامان سمیٹ دوں بلکہ غیر ضروری چیزیں آج ہی گھر لے جاؤں۔

ہے جی رملی کر ہمیشہ دوہٹی (دوہن) ہی کہتی تھیں۔ اس کا نام نہیں لیتی تھیں اور جب وہ اسے دوہٹی کہتیں تو رملی کے دل پر آ رہے چلنے لگتے۔ اس نے کبھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو دوہن محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ابھی تک سبز غلافوں میں چھپی بندگی ہے۔ کوئی شے ہے جو اسے گلاب نہیں بننے دے رہی۔ کوئی کالا پردہ ہے جو اس کی چاند چاند زندگی کے آگے آ گیا ہے۔

دولہن ارمانوں سے لدی ہوئی ایک پاکی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ مہر کا ایسا جام مسکرا  
ئے تو چھلکتا ہے۔ گنگنا ئے تو چھلکتا ہے۔۔۔۔۔ ٹھنکے تو چھلکتا ہے۔۔۔۔۔ ڈگدگائے تو چھلکتا ہے  
غرض اٹھتے بیٹھتے چھلکتا ہے۔۔۔۔۔ مگر وہ تو پیپی میں بند ہوئی پڑی تھی۔ کم نصیبی یہ تھی۔  
قدرت اس پر اپنا عمل پھونک رہی تھی۔۔۔۔۔

بے جی ہر روز گھر سے اس کے لیے مزے دار کھانے اور تازہ پھل بھیجا کرتی تھیں۔ اس کے کمرے میں کھانے پینے کی اتنی چیزیں اور اتنے برتن اکٹھے ہو گئے تھے کہ کمرہ اچھا خاصا ڈائننگ روم بن گیا تھا۔ وہ اٹھ کر یہ سب چیزیں سمیٹنے لگیں تو رملی نے آہستہ سے ان کا بازو پکڑ لیا اور بولی: بے جی! میں کچھ دنوں کے لیے اپنی امی کے ہاں چلی جاؤں \_\_\_\_\_؟

بے جی نے اپنی زمانہ شناس نظریں اٹھا کر رملی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر مسکرا دی۔  
وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ کچھ دن رملی معاذ سے دور ہی رہے۔

ہاں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔پیار سے انہوں نے رملی کا نازک ہاتھ تھام لیا اور کہنے

-----ۛ

معاف نہ آگے بڑھ کر کپڑوں والا اُلٹیجی اور برتنوں والی ٹوکری اٹھالی۔ بے جی نے کالی فلاسک ہاتھ میں پکڑ لی۔ آگے بڑھ کر رملی کی پیشانی کو بوسہ دیا اور جاتے جاتے بھی فالتو چیزیں اٹھاتی گئیں۔

نہیں کروں گی بے جی \_\_\_\_\_ اس اجازت سے کھل اٹھی۔  
تھوڑے دن اور تکلیف کے ہیں اور آج کل گرمی بھی زیادہ ہے۔ انشاء اللہ دو مہینے بعد ایسی  
کوئی تکلیف نہیں رہے گی \_\_\_\_\_  
ٹھیک ہے بے جی۔ رملی انکساری سے بولی، امی کو آج فون کر دیتے گا۔ آ کر مجھے لے  
جائیں \_\_\_\_\_

زمینوں کی آمدنی سے گزارا ہو جاتا اور کبھی کسی کڑے وقت میں کوئی قطعہ زمین بیچ دیا کرتیں۔ یہ کوشی جو انہوں نے چھاؤنی میں خریدی تھی، بڑی کشادہ اور آرام دہ تھی۔ گو پرانے طرز کی تھی اس کو رفتہ رفتہ جدید ڈیزائن میں ڈھال لیا تھا۔ یہیں دونوں بچوں کو رکھ کر پڑھایا۔ منزہ نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کر کے پہلے ہسپتال میں ملازمت کر لی تھی۔ پھر اپنے ایک ہم پیشہ سے شادی کر کے یو۔ ایس۔ اے چلی گئی تھی۔ معاذ کو انہوں نے سی۔ اے کرایا تھا۔ دو سال کے لیے یورپ گیا تھا اور اب سید گروپ آف کمینیز کا فنانشل ایڈوائزر ہو گیا تھا۔ اپنی نیک نامی، ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے تعلیم ختم کرتے ہی ملک میں اسے ملازمت مل گئی تھی۔ بے جی خوش رہتی تھیں۔ کبھی کسی کو برا نہیں کہتی تھیں۔ ہمیشہ کہتی تھیں کہ ان کی خوش اخلاقی سے دشمن بھی موم ہو جاتے ہیں اور ہمت کرنے سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ ان کی ساری زندگی ہمت و جرات کی بے مثال کہانی تھی۔ معاذ ان کا ادب ہی نہیں کرتا تھا ان سے عشق بھی کرتا تھا۔ سارا گھر ان کی مرضی پر چھوڑا ہوا تھا مگر کسی کو بھی جبر یا گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ رملی نے بہت کوشش کی کہ وہ ماں سے بھی نفرت کرے لیکن بے جی اتنی میٹھی اتنی ٹھنڈی اور اتنی پر مغز تھیں کہ وہ ان سے نفرت کرنے کا کوئی جواز پیدا نہ کر سکی۔ نہ تو وہ کبھی فالٹو بات کرتیں، نہ اپنی زندگی کا ایک پل بھی ضائع کرتیں۔ پانچ وقت کی

جیسے رملی کی خوشی \_\_\_\_\_  
 رملی نے اسی لمحے سوچا \_\_\_\_\_ کاش تمہاری صورت بھی اتنی اچھی ہوتی جتنا اچھا تمہارا  
 دل ہے۔

آج امی تمہیں دیکھنے آئیں گی؟  
پتہ نہیں۔ رملی نے بہت آہستہ سے کہا۔  
میں جا کے فون کر دوں گی۔ بے جی نے سارے برتن اکٹھے کر لیے تھے اور جانے کو تیار ہو گئیں تھیں۔

نہیں۔۔۔۔۔ بے جی میں کل صبح دفتر سے جلدی آ جاؤں گا اور خود ہی رملی کو چھوڑ  
آؤں گا۔ بہر حال اطلاع تو انہیں دینی پڑے گی نا؟

بے جی۔۔۔ آپ آرام بھی کیا کریں۔

تم ہی نے سنبھالنا ہے یہ گھر۔۔۔۔۔ یہ بکھیرے۔۔۔۔۔ عورت بے چاری کی تو ساری  
زندگی یہی سوچتے گزر جاتی ہے کہ آج کیا کچے گا۔ وہی ایک سے کام۔۔۔۔۔ وہی صدیوں پرانے  
بکھیرے۔۔۔۔۔ تھوڑے دن عیش کر لو، ہنس کھیل لو۔۔۔۔۔ ابھی میں کر سکتی ہوں پھر  
سنبھالتی رہنا اپنا گھر گریہتی۔۔۔۔۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا بے جی۔ رملی شرمندہ سی ہو گئی۔

ارے میں جانتی ہوں تمہارا کیا مطلب تھا؟ میں بھی ایسی تھی۔ تمہاری طرح  
 ---- شروع شروع میں شادی اور بچوں سے ہمیشہ متفرق رہتی تھی۔ معاذ کے اباجی کو بچوں کا بہت  
 شوق تھا۔ دو بچے اوپر تلے ہو گئے تو میں چلانے لگی۔ اللہ کا نیک بندہ چپ کر گیا۔ پھر نہیں کہا مجھے  
 اور بچے چاہئیں۔۔۔۔۔ ہائے کیا معلوم تھا اتنا ذرا سا ساتھ ہے۔۔۔۔۔

ہاں ایک بات ضرور کہوں گی۔ بڑی آن سے زندگی بتائی ہے میں نے \_\_\_\_\_ کسی عزیز رشتے دار کے آگے ہاتھ نہیں پھلایا۔ اللہ نے مجھے اس خودداری اور صبر کا اجر بھی دیا ہے۔ سلامت رہیں میرے بچے۔ میرے اشارے کو حکم مانتے ہیں۔

پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں:

رملی کے ان کے آگے بحث اور جرح نہیں کرتی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ ایک زمانے سے فکرا نے والی یہ عورت بڑی محترم ہے۔ مگر بے جی کے لیے احترام \_\_\_\_\_ معاذ کے لیے محبت کا کوئی نرم گوشہ تو پیدا نہیں کر سکا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تو اسے دیکھ کر کھل اٹھیں:

وہ اندر چلی گئی۔ مگر بے جی کی دعائیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ گھڑی بھر کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے رک کر اس نے اپنا سر پاؤں دیکھا اور دل میں سوچا:

بے جی اسے دعائیں دے رہی تھیں یا اپنے بیٹے کو۔

کتنا خوبصورت انداز تھا بیٹے کو دعا دینے کا۔

آخر اس بیٹے کے سوا ان کے پاس کیا تھا؟

ایک مکروہ صورت \_\_\_\_\_ بد مزیب اور بھدا بیٹا \_\_\_\_\_ ان کی کل کائنات تھا۔  
جس کے لیے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے چاند جیسی دہن لائی تھیں۔ مائیں خود غرض ہوتی ہیں۔  
انہیں اپنے بیٹے کی صورت تو نظر نہیں آئی۔ اگر وہ معمولی شکل و صورت کی لڑکی سے معاذ کی شادی  
کردیتیں تو بھی کام چل جاتا۔ معاذ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک ایورج لڑکی بھی خوب صورت لگ سکتی



امی جان کے گھر آ کے رملی کو بڑا سکون ملا۔ ماں کا گھر ہی ایسا ہوتا ہے۔ عورت جس عمر میں بھی \_\_\_\_\_ جن حالات میں بھی ماں کے گھر آتی ہے۔ بے فکری کے احساس سے چور ہو جاتی ہے۔ مگر رملی تو محض معاذ سے دور رہنے کے لیے آئی تھی اور اب اس کے میکے رہنے پر کسی کو اعتراض بھی نہ تھا۔ اس کی کوکھ بوجھل تھی۔ شادی کا موتی کوکھ کی سیپ میں اتر جائے تو دنیا والے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں بات بن جاتی ہے۔

یوں بھی رملی دو مہینے ہسپتال میں رہ کر آئی تھی۔ سب جانتے تھے۔ پریشانی کاٹ چکی ہے اس لیے اسے اب آرام کی ضرورت ہے۔ ایسے میں امی جان بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ کچھ دن ادھر رہ لے لیکن اب تو اسے یہاں آئے بھی ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

یوں معاذ تقریباً ہر روز شام کو اسے دیکھنے آتا تھا۔ تین چار مرتبہ بے جی آئی تھیں۔ اسے خوش و خرم دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

اگر کسی روز معاذ نہ آ سکتا تو فون کر کے اس کی خیریت دریافت کر لیتا۔ اس روز وہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ فلم دیکھنے چلی جاتی۔ ویسے سارا دن لیٹی کتابیں اور رسالے پڑھا کرتی۔ کتابیں پڑھنا اس کی پرانی ہابی تھی۔ لیکن اب بس اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ کوئی رومانٹک دل لوٹ لینے والی کہانی پڑھ کر وہ خواب نہیں دیکھتی تھی۔ بلکہ تکیہ منہ پر رکھ کر رونے لگتی۔

شام معاذ کے آنے سے پہلے جان بوجھ کر آ کے ٹی وی لاونچ میں بیٹھ جاتی تاکہ معاذ کو تنہائی میں ملنے کا موقع نہ مل سکے۔

معاذ وہیں بیٹھا رہتا۔ کبھی کبھی ساری بہنیں آ جاتیں۔ بہنوئی بھی آ جاتے۔ بہنیں معاذ سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتیں۔ چھوٹے بچے ارد گرد شور مچاتے رہتے۔ معاذ ہنس ہنس کر سب سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کے پاس دنیا جہاں کی اتنی معلومات تھیں اور وہ جدید ٹیکنالوجی کے بارے میں اس

تھی۔ یہ ظلم انہوں نے رملی کے ساتھ کیوں کیا \_\_\_\_\_؟

لیکن رملی بی! تم بھول رہی ہو۔

یہ ظلم تمہارے ساتھ بے جی نے نہیں کیا، تقدیر نے کیا ہے۔

تو کیا کروں \_\_\_\_\_

اس نے سنگھار کرتے کرتے سوچا \_\_\_\_\_ کس طرح اپنے دل کو مناؤں کس طرح اپنے

جذبات سے ہاتھ پائی کروں۔

وہ قریب آتا ہے تو نفرت کی ایک گھٹا سارے اعصاب پر چھا جاتی ہے۔۔۔۔

بے جی اپنے وجود کی خوشبو چھوڑ کر معاذ کے ساتھ باہر نکل گئیں تو رملی نے ہسپتال کی کھڑکی

میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

دنیا کا وہی چلن رہتا ہے \_\_\_\_\_

زندگیاں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں \_\_\_\_\_

پتہ نہیں اس کی زندگی کا کیا انجام ہوگا \_\_\_\_\_

(طبیعت ٹھیک ہے۔ دل ٹھیک نہیں ہے۔)

اس نے دل میں سوچا۔۔۔۔۔ نہیں اس کے دل میں آواز آئی۔ بے جی کبھی کپڑوں کی الماریوں کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔ بے جی اپنے کپڑے صندوق میں رکھتی تھیں۔ شاید یہ کام معاذ کا تھا۔ معاذ ہی نے کمرے میں بڑے خوبصورت پھول سجائے تھے۔ گلاب کی کچھ پتیاں اس کے تنکے پر بکھری تھیں۔ اس نے بیڈ کو راٹھایا تو وہ یوں میڑھی میڑھی ہوئیں جیسے انہوں نے انگڑائی لے کر سانس لی ہو۔ پتیوں کی ترتیب پر غور کر کے رملی نے انہیں دیکھنا چاہا تو اس کی سمجھ میں صاف آ گیا۔ گلاب کی پتیوں سے تنکے پر رملی لکھا تھا۔۔۔۔۔  
کس کس طرح وہ اسے بھار ہا تھا۔

اس نے ٹھنڈی سانس چھوڑ کر سامنے دیکھا تو پلنگ کے عین سامنے دیوار پر ایک خوبصورت گول منول بچے کی تصویر لٹک رہی تھی۔ یہ تصویر کمرے میں اضافہ تھی۔ اور تصویر بھی بالکل پلنگ کے سامنے لگائی تھی۔ تاکہ اٹھتے بیٹھتے اس پر نظر پڑتی رہے۔ اسے بھی معلوم ہوگا کہ ان دنوں میں عورت جس کو زیادہ دیکھتی ہے۔ بچے کی شبیہ اسی پر چلی جاتی ہے۔ جس کے بارے میں زیادہ سوچتی ہے۔ بچہ اس کا عکس بن جاتا ہے۔ رملی کو جھرجھری آ گئی۔  
وہ سارا دن تو معاذ کے بارے میں سوچتی تھی۔ مگر یہ سوچ منفی انداز کی تھی۔ جس میں نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔

رملی کو معاذ پر ترس آیا جس نے ایک حسین ترین بچے کی تصویر لا کر سامنے لٹکا دی تھی۔ چاہتا ہوگا اس کا بچہ خوبصورت ہو۔ اس کی طرح مکروہ صورت نہ ہو۔۔۔۔۔ اسی خوف سے تو رملی نے کبھی معاذ کا چہرہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک اچھٹی سی نگاہ ڈالتی اور چرالیتی۔  
کبھی کبھی وہ سوچتی اگر اس کے لڑکی پیدا ہوگی اور اس کی ساری صورت معاذ پر چلی گئی تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔؟ نہیں نہیں۔۔۔۔۔ وہ لرز جاتی۔ اگر لڑکی صورت معاذ پر چلی گئی تو وہ راتوں رات اس کا گلا گھونٹ دے گی۔

مگر کیا ایسا ممکن ہو سکے گا۔۔۔۔۔؟

رملی کی نظریں بے تابانہ سارے کمرے کا جائزہ رہی تھیں۔

پورے کمرے کا ماحول بڑا پر اسرار اور رومانٹک ہو رہا تھا۔ ہر شے صاف ستھری تھی۔ پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو جذبات کو چھیڑ رہی تھی۔

ارد گرد کتنا حسن تھا۔۔۔۔۔؟

پھر رات آ گئی تھی۔ وہی رات جس سے رملی کو خوف آتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا۔ رات ایک لمبے دانتوں والی سیاہ جادوگرنی ہے جو اپنے ہاتھوں کی جگہ برچھیاں اور بھالے لٹکائے آتی ہے اور اس کے احساس کی ایک ایک قبا چاک کر ڈالتی ہے۔ اسے نوچتی کھسٹتی ہے۔ زخمی کر دیتی ہے۔ کپڑے بدل کر وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

آج شام معاذ اس کو لے آیا تھا۔ بے جی نے اس کے لیے مزید کھانے پکائے تھے۔ کچھ دوست بھی آ گئے تھے۔ دس بجے تک کھانے کی میز پر گپ شپ ہو رہی تھی۔ اب معاذ کچھ مہمانوں کو چھوڑنے گیا تھا اور وہ تھکاوٹ کا عذر کر کے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس کا سوٹ کیس ابھی تک سامنے کونے میں پڑا تھا۔ اور اس کے اوپر اس کا وہینے ٹی بکس VANITY BOX رکھا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے گلابی رنگ کا موتیوں کی جھالروں والا سوٹ پہنا تھا۔ اور قرینے سے میک اپ بھی کیا تھا۔ وہ جانتی تھی بے جی اس کی سونی صورت پسند نہیں کرتی تھیں۔ اور اب سونے کا لباس تبدیل کر کے اپنے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

اس کا بیڈروم بے حد صاف تھا۔ ہر شے چمچھا رہی تھی۔ حتیٰ کہ ڈریسنگ ٹیبل کی ایک ایک شیشی چمک رہی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جس روز وہ ہسپتال گئی تھی۔ یہاں کی ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ یوں بھی ڈریسنگ ٹیبل کو قرینے سے سجانے کی اسے عادت نہیں تھی۔ اب تو شیشہ ٹکینے کی طرح چمک رہا تھا۔ الماری کھول کر دیکھی تو سب کپڑے سلیقے سے لگے تھے۔ اسے کپڑوں کی الماریوں میں تہہ لگا کے قرینے سے رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اسی بات پر وہ امی سے کئی بار ڈانٹ کھا چکی تھی۔ کپڑوں کے گو لے بنا کر اندر گھساتی رہتی اور ایک دن جب کوئی خاص کپڑا ڈھونڈنے کے لیے اندر ہاتھ ڈالتی تو سارے گو لے نیچے گرنے شروع ہو جاتے۔۔۔۔۔ مگر اب اس الماری کے ہر خانے میں کپڑے بڑی خوبصورتی سے لگے تھے۔

کیا یہ سب بے جی نے کیا ہے؟



مگر تم اندھیرے میں بھی کب باتیں کرتی ہو؟ تم تو گم سم ہو جاتی ہو۔

رملی چپ ہو گئی۔

سو گئی ہو۔۔۔۔۔؟

نہیں تو۔۔۔۔۔

پھر کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟

سن رہی ہوں۔ مجھے سننا اچھا لگتا ہے۔

سننے والے بھی ہنکارہ بھرتے ہیں۔

آپ سنائیں نا؟۔۔۔۔۔

معاذ نے اس کی طرف منہ موڑ لیا۔

رملی کا دم سینے میں گھٹنے لگا۔

اس کا بازو مضبوط تھا۔ فولاد کی طرح۔۔۔۔۔ ہاتھ گرم تھا آگ کی طرح۔۔۔۔۔ سانس

خوشبودار تھی سوندھی منی کی طرح۔۔۔۔۔ اس کے اندر سے ایک تڑپا دینے والی آنچ آ رہی تھی

مگر رملی کا ہاتھ اس کے چہرے سے چھو گیا۔۔۔۔۔ وہی گڑھے۔۔۔۔۔ وہی

اونچا نیچا چہرہ۔۔۔۔۔ ننھی ننھی کالی کالی کٹوریاں۔۔۔۔۔

رملی کا تن مردہ ہو گیا۔۔۔۔۔

اسے یوں لگا۔ ڈر کیولا رفتہ رفتہ اس کے قریب آ رہا ہے۔۔۔۔۔ اپنے لمبے دانت اس

نے اس کی گردن میں گاڑ دیئے ہیں۔۔۔۔۔ اور اس کا لہو پی رہا ہے۔۔۔۔۔

وہ اب مری کہ۔۔۔۔۔ تب مری۔۔۔۔۔

صبح ابھی تو یوں لگا پیاس کے صحرا میں وہ تنہا کھڑی ہے۔

پانی، پانی، پانی۔۔۔۔۔

جذبات کے تپے الاؤ محبت کا پانی مانگ رہے ہیں۔ چاروں طرف سوکھی ریت کے بگو لے

ہیں۔ اور دور کھر درا آسمان۔۔۔۔۔ ایسے میں ایک مکروہ صورت آدمی پانی کا پیالہ لے کر کبھی ادھر

سے نکل آتا ہے۔ کبھی ادھر سے۔۔۔۔۔

اتنی شدید پیاس کے باوجود کہ خواہشوں کے کنول ہونٹوں کی طرح مرجھائے جا رہے ہیں

اس بد بودار آدمی سے پانی لے کر پینے کو دل نہیں چاہتا۔۔۔۔۔

اور اسی بد بودار آدمی نے اس کی رضا و رغبت دیکھے بغیر اس کے تن کو اپنے رشتے میں باندھ

لیا تھا۔ انسانی رشتوں کی جڑ اس کے اندر پروان چڑھ رہی تھی۔۔۔۔۔ اسے اپنے پھولے

ہوئے جسم سے گھن آنے لگی۔ جس مرد کو عورت پیار نہ کر سکے اس کے بچے کا بوجھ کیونکر برداشت کر

سکتی ہے اور پھر اس کے بچے کو کیسے پال سکتی ہے؟۔۔۔۔۔

جس کی صورت دیکھنے کو دل نہ چاہے۔۔۔۔۔ اس کی تنہائیوں کی امانت اٹھائے پھرنا اور صبح

کے وقت اپنی پیاسی روح کو تڑپتا اور کھستادیکھنا۔۔۔۔۔ اور دنیا کو ہنس ہنس کر دکھانا۔

اس سے بڑی بددیانتی اور کیا ہوگی؟

ہسپتال سے آنے کے بعد آج پھر اس کی طبیعت کسلمندی ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ تنہا دھو کر

صاف ستھرے کپڑے پہن کر باہر آ گئی معاذ تو صبح آٹھ بجے ہی دفتر چلا گیا تھا۔

بے جی نے اسے دیکھ کر اپنی عینک اتار دی اور بولیں۔

ووہٹی ناشتے میں کیا لوگی۔۔۔۔۔؟

جی نہیں چاہ رہا ہے جی۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ دھب سے کرسی پر بیٹھ گئی اور تازہ اخبار ہاتھ میں

پکڑ لیا۔ بے جی فرش پر بیٹھی میلی نواڑ کے گولے بنا رہی تھیں۔ اس کو وہیں چھوڑا۔ اٹھ کر ٹل پر ہاتھ

میرے دانت اب تک محفوظ ہیں۔ اور مضبوط ہیں۔  
 یہ کس طرح ہوا ہے جی۔ رملی نے سیب میں دانت گاڑ کے پوچھا۔  
 باسی روٹی کھانے سے  
 جی۔

ہاں ہاں۔ میں صبح کا ناشتہ ہمیشہ باسی روٹی سے کرتی ہوں۔ باسی روٹی کو بہت چبانا پڑتا ہے۔ چبانے سے دانتوں اور مسوڑھوں کی ورزش ہوتی رہتی ہے۔ میں صبح کو تھوڑا سا مکھن اور باسی روٹی کھاتی ہوں اس کے بعد دودھ یا چھاپھ پی لیتی ہوں۔ سارا دن کچھ کھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ ہاں بڑھا پا ہے اگر درمیان میں کمزوری محسوس ہو تو کوئی پھل وغیرہ پلسکت لے لیتی ہوں۔ کھانا صرف شام کو کھاتی ہوں۔ رات کا کھانا دیر سے نہیں کھانا چاہیے۔ کھانا سونے سے پہلے ہضم ہو جانا چاہیے۔ بس یہ ہے میری صحت کا راز۔

بے جی۔ باسی روٹی کے علاوہ اور کونسی چیزیں دانتوں کو مضبوط کرتی ہیں۔  
 بے جی نے رملی کے دانتوں کی تعریف کی تو اسے واقعی اپنے دانتوں کی بقا کا خیال آ گیا۔ سخت چیزیں کھانی چاہئیں۔ مثلاً گنا۔ گندیریاں، چنے، مکئی کا بھٹ۔ رملی ہنسنے لگی۔  
 یہ چیزیں تو ہر کوئی کھاتا ہے بے جی۔  
 ہر کوئی نہیں کھاتا وہی!۔  
 بے جی پھر اٹھ کر نواٹھ کے پاس جا بیٹھیں۔

آج کل بچے ڈبل روٹی سے ناشتہ کرتے ہیں۔ پرائیڈ اور دہی پسند نہیں کرتے۔  
 رات کی روٹی کھانا تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ حکماء کہتے ہیں۔ باسی روٹی معدے کو معتدل کر دیتی ہے۔ اور گندیریاں، چنے کون پسند کرتے ہیں۔ بچے تو چیونگم چاکلیٹ، ٹافیاں گولیاں پسند کرتے ہیں۔

اس پر رملی پھر ہنسنے لگی۔

چاکلیٹ اور چیونگم اس کی بھی کمزوری تھی۔

پورا سیب کھا چکنے کے بعد اس نے دودھ کا گلاس اٹھالیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

بے جی نے احتیاطاً دودھ میں ایک نیچ روح افزا کا ڈال دیا تھا۔ جس سے دودھ کا ذائقہ بہت اچھا ہو گیا تھا۔

دھوئے پھر رملی کے قریب ہی کرسی پر آ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں۔  
 زردی رنگت ہو رہی ہے تیری۔ ویسے تو ان دنوں میں رنگ زرد ہو ہی جاتا ہے مگر تو کچھ کھاتی بھی تو نہیں؟  
 کھاتی تو ہوں بے جی۔

کیا کھاتی ہے؟ رات میں نے دیکھ لیا تھا۔ پودینے کی چٹنی سے ذرا سے روٹی کھاتی تھی۔  
 بے جی مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔  
 ہاں میں جانتی ہوں۔ پیٹہ نہیں یہ موٹی طبیعت کب سنہیلے گی۔ طاقت کی گولیاں کھا رہی ہونا؟

جی ہاں۔

اب خیر سے پانچواں لگا ہے۔ طبیعت ٹھیک ہو جانی چاہیے۔

رملی چپ رہی۔

ایسا کرو ٹھنڈا دودھ پی لو۔

پی لوں گی بے جی۔

میں لادیتی ہوں۔

آپ بیٹھیں۔ رملی کھڑی ہو گئی۔ میں خود ہی فرج میں سے لے آؤں گی۔

ارے نہیں تم بیٹھو۔ اخبار دیکھو۔ بے جی جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔

اف کتنی چاق و چوبند ہیں۔ رملی نے سوچا۔ جب کہ کابلی کے مارے اس کا اٹھنا محال ہے۔

یہ اگلے وقتوں کے لوگ بھی کتنے برکتوں والے ہوتے ہیں۔

بے جی ٹھنڈے ٹھارے دودھ کا گلاس لے آئیں ساتھ ایک سیب بھی اٹھا لائیں۔

خالی معدے دودھ نہ پیو۔ اس طرح پیٹ میں نفخ پیدا ہوتی ہے۔

تو پہلے سیب کھا لو۔

رملی نے دونوں چیزیں پکڑ لیں۔

چھری نہیں لائی میں۔ دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ یہ موٹی نئی نسل ہر کام میں چھری کا ثنا استعمال کرنے لگی ہے۔ اسی لیے تو سب کے دانت کمزور ہو گئے ہیں۔ تم سیب دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو، تمہارے دانت بہت خوبصورت ہیں۔ ان کی حفاظت کیا کرو۔ دیکھو۔ مجھے دیکھو۔







خضریٰ آپا بہت حسین تھیں۔ ان دونوں کے شوہر بس مناسب ہی تھے۔ خوش اخلاق اور سلیقہ مندی کی وجہ سے وہ دونوں اپنے اپنے گھر میں خوش تھیں۔ دونوں کے شوہر کاروباری تھے۔ کسریٰ باجی کا قد بھی چھوٹا تھا۔ اور رنگ بھی سانولا تھا۔ سب کہتے تھے یہ اپنی ایک پھوپھی پہ چلی گئی ہے۔ مگر صورت سے کچھو باجی نے جو مار کھائی تھی اسے مزاج میں پورا کر دکھایا تھا۔ ایسی خوش مزاج شیریں گفتار اور نگہزنہر مند تھیں کہ راہ جاتوں کا دل موہ لیتیں۔ سب کہتے تھے اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے کچھو باجی اپنے گھر میں راج کریں گی۔ انہیں لوگوں کو دیوانہ بنانا آتا ہے۔ اور واقعی انہیں ایسا خوب رو با ناکا چھبیلادولہا ملتا تھا سب دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

رملی کو خاص طور پر شان بھائی بہت پسند آئے تھے۔ واہ واہ \_\_\_\_\_ کیا قد و قامت تھی جیسے کھجور کا سیدھا سالم اور سدا بہار ورخت \_\_\_\_\_

کھلاڑیوں جیسی چوڑی چھاتی \_\_\_\_\_ صاف رنگت اور خوبصورت بال \_\_\_\_\_ بالکل کسی انگریزی فلم کے ہیرو لگتے۔ اور پھر ایسے شگفتہ مزاج کہ ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیتے۔ رملی اور شان بھائی کی بڑی جلدی دوستی ہو گئی تھی۔ اسے تنگ بھی بہت کرتے اور پیار بھی بہت کرتے۔ پیار تو رملی کو کچھو باجی بھی بہت کرتی تھیں۔ شامی سے پہلے بھی دونوں ایک جان دو قاسب تھیں۔ کیونکہ دونوں کا فرق بہت کم تھا اور بڑی دونوں بہنوں کی شادی کے بعد انہوں نے اسی گھر رہنے کا بہت موقع ملا تھا۔ ان کی شادی ہو گئی تو بھی ذرا اسی بات لے کر رملی کچھو باجی کے ہاں دوڑ پڑتی \_\_\_\_\_ مگر اب کچھو باجی اپنی مصیبتوں میں پڑ گئی تھیں اور وہ ان کا مذاق اڑاتے اڑاتے خود پھنس گئی تھی۔

کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کچھو باجی کے ہاں جائے اور دل کا بوجھ ہلکا کر کے آئے مگر ان کی ٹرانسفر کی خبر سنیں تو آزر وہ ہو گئی۔ بڑی دونوں بہنیں اسی شہر میں رہتی تھیں اور ظاہر ہے کچھو باجی خود کتنی سوگوار ہوں گی \_\_\_\_\_؟

رملی اندر آ کر اپنے کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی یہ دیکھنے کے لیے کہ رات کو کون سے کپڑے پہن کر جائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ سوچ رہی تھی اے کاش معاذ اس کے ساتھ نہ جائے وہاں سارا خاندان اکٹھا ہوگا۔ جب لوگ اسے معاذ کے ساتھ دیکھتے تو اسے بہت شرم آتی جی چاہتا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

اس کے بعض رشتہ دار جن کو وہ گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ بڑی طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے اور

اس روز صبح ہی صبح امی کا فون آ گیا۔ انہوں نے بتایا کہ کسریٰ باجی کے میاں کا راولپنڈی ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ پرسوں وہ لوگ جارہے ہیں اور کل امی جان نے سارے خاندان کو بلایا ہے کھانے پر تم بے جی اور معاذ بھی آ جانا \_\_\_\_\_ رملی نے یہ سنتے ہی بے جی کو بتا دیا۔ معاذ اس وقت دفتر گیا ہوا تھا۔ بے جی خوش دلی سے بولیں۔

ضرور چلوں گی۔

پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا۔ کہنے لگیں۔

دوہٹی: تم تو جانتی ہو۔ میں رات کا کھانا تو شام کے چھ بجے ہی کھا لیتی ہوں۔ دیر سے کھانا کھاؤں تو مجھ سے عشاء کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور دعوتوں میں لوگ عام طور پر دیر سے کھانا کھاتے ہیں۔

ہاں میں جانتی ہوں رملی نے مسکرا کر کہا۔

بس مجھے وہاں کھانا کھانے پر مجبور نہ کرنا۔ ویسے میرا دل بہت چاہ رہا ہے جانے کو \_\_\_\_\_ اس بہانے تمہاری امی اور بہنوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ کسریٰ تو ویسے بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔

ہاں کسریٰ باجی ہر ایک کو اچھی لگتی تھیں۔

کسریٰ باجی رملی سے تین سال بڑی تھیں اور دو سال پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔

پہلے سال ایک بیٹی ہوئی تھی اور ان دنوں پھر امید سے تھیں۔ بیزار تھیں اور حد درجہ تنگ \_\_\_\_\_ ان کے شوہر اتنے ہی رنگین مزاج اور زندہ دل تھے۔ آج یہاں تو کل وہاں انہیں گھومنے پھرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ بینک میں ملازم تھے۔ نام شاندار جمال اور دیکھنے میں بڑی شاندار پرسنٹی رکھتے تھے۔ کسریٰ باجی اپنی ساری بہنوں میں کم رو تھیں۔ بڑی دونوں بہنیں طوبی آپا اور

شہری شہری \_\_\_\_\_ اداس اداس \_\_\_\_\_ گم صم \_\_\_\_\_ بیزاری \_\_\_\_\_ اکھڑی ہوئی \_\_\_\_\_  
مگر سنواری ہوئی \_\_\_\_\_ وہ عجیب طرح خوبصورت لگ رہی تھی۔  
معاذ اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ آگے بڑھ آ یا اور اس کا بازو تھام لیا۔۔۔۔۔

(کاش ہو جاؤ)

اس قدر روپ ہے تم پر آج کل کہ نظر بھر کر نہیں دیکھتا۔ کہیں نظر نہ لگ جائے  
----- (کہیں نظر بنو کی بھی نظر لگی ہے)

جانتی ہو تم پر میرے بچے کا روپ آ رہا ہے۔۔۔۔۔

رملی کا جی چاہا کہ کھلکھلا کر ہنس دے۔۔۔۔۔ بھلا ایک بد صورت آدمی کے بچے کا روپ اتنا نکھر اہوا کیسے ہو سکتا ہے۔

معاذ اسے شرماتا دیکھ کر ذرا شوخ ہونا چاہتا تھا۔ اس پر رملی نے جلدی سے کہا۔

سات بج گئے ہیں ذرا جلدی کریں ”پلیز“

اوہ سات بج گئے۔ یہ کہہ کر معاذ نے رملی کو چھوڑا اور غسل خانے کی طرف رخ کیا۔

اور رملی اپنے دل میں کہہ میں لینے والی نفرت اور چہرے سے ظاہر ہونے والی اذیت کو

جیسے تمچپکیاں دے، اے لڑسلائے گی، ورنہ کچھ اتھو امی بے ہاں جاے یراپنے دل اور دماغ کو راضی کرنے لگی۔

رملی اپنے منہ پر تکیہ رکھے یوں لپٹی تھی۔ جیسے آنکھوں کے گرد ہر روشنی بجھا کر وہ اندھیروں میں منہ چھپا لینا چاہتی ہو۔

شادی شدہ زندگی کی سب راتیں اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں لیکن جب ان میں اپنی رضا اور خوشی شامل نہ ہو تو یہ راتیں قبر کی راتیں بن جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آہ

---

”رات کیا آتی ہے مجھ پر کہ عذاب آتا ہے،“

وہ لیٹی ہوئی یہی سوچ رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی بے اختیار سا آنسو لڑھک کر کان کی کٹوری

میں آجاتا تھا کان ذرا سا ٹیڑھا کر کے جسے وہ نکال دیتی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے

ہوئے تھے اپنے پیٹ کا ابھار اور سختی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اور کبھی کبھی ہاتھ کے دباؤ کے نیچے ذرا سی جنبش ہوتی تھی تو وہ چونک جاتی۔۔۔۔۔ ڈر جاتی۔۔۔۔۔

## جہنیش

جنینس

اس کے خون کی شریانوں میں نہ رم جھم کا سماں پیدا کرتی نہ اس کے احساس پر پھولوں اور کلیوں کی مارش ہونے لگتی۔ اس وقت وہ تصور میں اسے بچے کو مجسم کرنا چاہتی۔۔۔۔۔

ایسا نہیں کہ اس نے نومولود دکھے نہیں تھے۔ اپنی تین بہنوں اور دو بھائیوں کے بچے دیکھے

تھے۔ ان کو اٹھایا تھا۔ ان کو کھلایا تھا۔ اس نے بچوں سے بیزاری کا انا ر کبھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ

خوشبودار حملے۔۔۔۔۔ لکھیلے بجے اسے اچھے لگتے تھے۔ مگر پتہ نہیں یوں اس کا اپنا بچہ اس

کے تصور کے بازوؤں میں نہیں آتا تھا۔ بچے کی شبہیہ دیکھنے کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنے دل

میں غوطہ لگاتی تو معاذ کا چہرہ سامنے آ جاتا۔ اے اللہ \_\_\_\_\_ اسے اب کئی آنے لگتی۔

عجیب دور سے گزر رہی تھی۔

اور پھر جس رات معاذ وصل اور دیوانگی کو یکجا کر دیتا۔ صبح اس کی طبیعت بہت خراب ہو جاتی

رملی دکھ سے مسکرائی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ وہ تو پچھلی رات سے جاگ رہی ہے۔  
اچھا آپ بتائیں ای آپ کیسی ہیں۔ اباجی کیسے ہیں؟  
سب ٹھیک ہیں۔ امی بولیں۔

میں آج شام کو پنڈی جا رہی ہوں۔  
خیریت تو ہے؟

ہاں \_\_\_\_\_ خیریت تو ہے۔ شان کا فون آیا تھا۔ کسہٹی کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اس نے  
وہاں جا کر گھر کو سیٹ کرنے میں مشقت کی ہوگی۔ اس لیے قبل از وقت تکلیف شروع ہو گئی ہے۔  
شان نے اسے ہسپتال میں تو داخل کر دیا ہے۔ مگر وہاں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔  
سوچا ہے میں چند دنوں کے لیے چلی جاؤں۔  
ہاں امی: آپ ضرور چلی جائیں۔  
رملی نے جلدی سے کہا۔ کچھ باجی کی پکی بھی چھوٹی ہے۔ اگر وہ ہسپتال میں ہیں۔ تو اسے  
کون دیکھے گا۔

تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟  
میں تو بالکل ٹھیک ہوں امی۔  
تم بھی ذرا احتیاط کیا کرو۔

جی اچھا امی۔  
اچھا خدا حافظ \_\_\_\_\_ وہاں سے تمہیں فون کروں گی۔

امی \_\_\_\_\_ رملی ایک دم بولی۔  
میرا بھی پنڈی جانے کو جی چاہتا ہے۔  
امی نے کوئی جواب نہیں دیا تو بولی۔  
کچھ باجی کے لیے دل ادا اس ہو رہا ہے۔

ٹھیک ہے پہلے مجھے جانے دو۔ میں وہاں کے حالات دیکھ آؤں۔۔۔۔۔۔ پھر تم معاذ  
اور بے جی سے مشورہ کرنا۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ایک ہفتے کے لیے آ جانا۔ نئی نئی  
شادی میں یوں ہر وقت گھر سے دور ہنا ٹھیک نہیں ہوتا۔  
امی جان \_\_\_\_\_ انہی کی اجازت سے تو آؤں گی۔ اگر یہ لوگ اجازت نہیں دیں گے تو

وہ سوچتی کہ کب تک \_\_\_\_\_ آ کر کب تک \_\_\_\_\_ وہ دن کے لٹنے پر من کی آہ و بکا سنتی رہے گی۔  
یہ لٹنا نہیں ہے۔ اس کا دماغ کہتا۔

یہ شادی شدہ زندگی کا حسن ہے اور عین شرع کے مطابق ہے۔  
تب اسے کوئی جائے قرار نہ ملتی بس یونہی تکیہ منہ پر رکھ کر چہرے کو اندھیری غار میں چھپا  
لیتی۔ آنکھیں موند لیتی۔۔۔۔۔۔ اور اندر باہر کی آوازوں سے چھپ جاتی۔  
اتنے میں بے جی اسے پکارتی ہوئی اندر آ گئیں۔

اے وہ بھٹی۔۔۔۔۔۔ اے وہ بھٹی۔۔۔۔۔۔  
اس نے پھر بھی تکیہ منہ سے نہیں ہٹایا تو زور سے بولیں۔  
کیسی ہو وہ بھٹی \_\_\_\_\_ طبیعت زیادہ خراب تو نہیں؟  
جی نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ خیالوں سے نکلی اور تکیہ دور پھینک کر اٹھ بیٹھی۔  
پھر اس طرح کیوں لیٹی ہو؟  
بس۔۔۔۔۔۔ سستی سی ہو رہی ہے۔ وہ اپنے لمبے بال لپیٹنے لگی۔  
تمہاری امی کا فون آیا ہے۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔۔۔

اچھا۔  
وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ سیلپر پہنے اور اپنی قمیض درست کرتی ہوئی باہر بھاگی۔  
کیا بات ہے تمہاری آواز کچھ بھاری ہو رہی ہے۔  
امی نے چھوٹے ہی سوال کیا۔

سورہی تھی امی اور کچھ نہیں۔  
ابھی تک سورہی تھیں \_\_\_\_\_ امی کے لہجے میں سرزنش تھی۔  
جی \_\_\_\_\_ رملی نے شرمندگی سے ہنس کر کہا۔  
صبح صبح اٹھا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو۔ کیا نماز پڑھنے کی عادت چھوٹ گئی ہے؟  
اچھا امی۔۔۔۔۔۔ رملی نے بس اتنا کہا۔

کیا کہتی ہوگی تمہاری ساس۔  
امی وہ کچھ نہیں کہتیں۔ بہت اچھی ہیں۔  
بہت اچھی ہیں تبھی تو تم نوبے تک سورہی تھیں۔





آپ۔۔۔۔۔ آپ کیسے۔۔۔۔۔ الفاظ رملی کے گلے میں انک گئے۔  
مجھے بھی ایک دفتری کام سے جانا ہے۔ اپنی موٹر پر جاؤں گا۔ تمہیں بحفاظت پہنچا دوں گا  
بلکہ دو دن تمہارے پاس رہ لوں گا۔ اگر تم گوارا کرو تو۔۔۔۔۔ یا اجازت دو تو

رملی نے ڈرتے ڈرتے اس کا چہرہ دیکھا۔۔۔۔۔ وہاں وہی امادس کی کالی رات تہہ در تہہ  
بچھی ہوئی تھی۔ کڑوا سا گھونٹ نگل کر بولی۔

”جس طرح آپ کی مرضی“

رملی۔۔۔۔۔ تم ضد کیوں نہیں کرتی ہو؟

کیا ضد کروں۔۔۔۔۔؟

مثلاً اپنی کوئی بات منوانے کے لیے۔۔۔۔۔ لڑو۔۔۔۔۔ جھگڑو۔۔۔۔۔ چیخو۔۔۔۔۔ چلاؤ  
۔۔۔۔۔ مجھے کوسو۔۔۔۔۔ اس طرح باتیں منوا کے عورتیں مردوں کو اپنی محبت کا یقین دلاتی  
ہیں۔ جو عورت اپنے شوہر سے نہیں لڑتی۔۔۔۔۔ وہ اپنے استحقاق کو نہیں پہچانتی۔ یا پھر

مجھے نہیں آتا۔۔۔۔۔ وہ دلگیری آواز میں بولی۔۔۔

یا لڑنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔؟

آپ اتنے اچھے ہیں۔ ہر بات کو مان لیتے ہیں تو میں کیوں لڑوں۔۔۔۔۔ اس نے پہلی بار  
بات بنائی۔

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے۔ تم ہنستا نہیں چاہتی ہو۔۔۔۔۔ بولنا نہیں چاہتی ہو اور  
۔۔۔۔۔ اور پیار کرنا نہیں چاہتی ہو۔۔۔۔۔

ایک بڑی سی برچھی رملی کے کلیجے کے پار اتر گئی۔

کتنا چھپایا من کا بھید۔۔۔۔۔ دل تو ندیا جتنا گہرا ہے۔۔۔۔۔ پر چہرہ آئینہ بن جاتا ہے۔  
چہرے کو کن بادلوں میں چھپاؤں۔۔۔۔۔ کہ برسات کا دھواں باہر نہ نکلے۔۔۔۔۔ اتنی

دراڑیں کیسے چھپاؤں کیسے بتاؤں کہ جینے کو بھی جی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔

رملی نے گردن جھکالی۔ آنکھوں میں کڑوے کڑوے آنسو آیا ہی چاہتے تھے۔ گلے میں گو

پیٹ کو چھوا۔  
اللہ کرے تم جلدی مصروف ہو جاؤ۔ تمہارے پاؤں میں ایسی کئی زنجیریں پڑ جائیں۔ اور تم  
کبھی بھی کہیں نہ جاسکو۔

رملی نے اپنا آپ چھڑایا اور آ کر پلنگ پر بیٹھ گئی اور غور سے اپنے پاؤں دیکھنے لگی۔ پتہ نہیں  
مونے ہو گئے تھے یا سو جن آ گئی تھی۔ عجیب حلیہ ہو رہا تھا۔ جیسے سارے جسم میں ہولے ہولے  
پھونک بھر رہی ہو۔۔۔۔۔ ایسے میں لوگ عورت کو خوبصورت کیوں کہتے ہیں۔ کیسے احمق  
لوگ ہیں۔

تو کب جانا چاہتی ہو۔۔۔۔۔؟

معاذ بھی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس میں سے ایک عجیب سی گرم بھاپ نکل رہی تھی۔  
جسے خوشبو بھی نہیں کہا جاسکتا۔ گو پچھلے دنوں رملی کو ہر قسم کی خوشبوئیں بری لگتی تھیں۔ مگر اب ایک دم  
طبیعت سنبھل گئی تھی اس کی نظر بے اختیار ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں بے شمار خوشبو سے  
بھری شیشیاں پڑی تھیں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں وہ کون سی خوشبو استعمال کرتا تھا۔ اس کے پاس  
ہمیشہ ایک مدھری خوشبو رہتی تھی۔

(ہائے اچھی خوشبوئیں استعمال کرنے سے کہیں صورت کا گھناؤنا پن بدلا ہے۔۔۔۔۔؟)

جب آپ بھیج دیں۔۔۔۔۔؟

یعنی میں بھیج دوں۔۔۔۔۔؟

اس نے رملی کے کندھے پر اپنا مضبوط بازو رکھا اور بولا۔

قیامت ہے جو ہووے مدعی کا ہم سفر غالب

وہ کافر کہ خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

مجھے اتنے مشکل شعروں کا مطلب نہیں آتا۔۔۔۔۔

رملی نے چڑ کر کہا۔

تمہیں تو کسی شے کا مطلب نہیں آتا۔ معاذ کی آواز میں گلے ہی گلے تھے۔

رملی خاموش ہو گئی۔

اس کا چپک کر بیٹھنا بھی برا لگ رہا تھا۔

پھر معاذ خود ہی بولا۔ اگر تم اس ہفتے رک جاؤ تو اگلے ویک اینڈ پر میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا











کیوں \_\_\_\_\_؟ کسریٰ باجی نے پوچھا۔

گرہن لگ جاتا ہے۔

اس پر پہلے تو کسریٰ باجی زور سے ہنسیں۔ پھر انہوں نے شان بھائی کو گھورا کہ ایسی بات کیوں کہی انہوں نے \_\_\_\_\_؟

پھر بچی سنبھال کر کھڑی ہو گئیں اور بولیں۔

اچھا بھی اب تم سالی بہنوئی ایک دوسرے پروار کرو۔ میں بچیوں کو سلا کر آتی ہوں۔

کسریٰ باجی کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی تھی بچی آپریشن سے ہوئی تھی اور چونکہ پریچھو تھی اس لیے تنگ بہت کرتی تھی کوئی اچھی آیا بھی نہ مل سکی تھی۔ اس لیے کسریٰ باجی کی مت ماری رہتی۔ ابھی بڑی بیٹی زینب صرف پونے دو سال کی ہوئی تھی اور لاڈلی کے آنے سے زینب اور زیادہ ضدی اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔ رملی کو کسریٰ باجی کی حالت پر اور زیادہ ترس آتا۔ وہ تو شان بھائی اتنے خوش مزاج اور وسیع القلب واقع ہوئے تھے ورنہ سارا دن جو گھر میں چوں چوں ہوتی رہتی تھی اسے کون برداشت کر سکتا تھا؟ \_\_\_\_\_

صبح ناشتے کی میز پر عمو رملی اور شان بھائی ہوتے تھے۔ کسریٰ باجی آتیں بھی تو ملازم کو جلدی جلدی ہدایات دے کر بھاگ جاتیں۔ اسی وقت لاڈلی کو دودھ پلانا ہوتا یا نینکین بدلنا ہوتا۔ ایک رات رملی سے بولیں۔

رمو: تو صبح صبح اٹھ جاتی ہے۔ اپنے دولہا بھائی کو ناشتہ کروادیا کرنا \_\_\_\_\_

کیا میں اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں نوالے ڈالوں \_\_\_\_\_؟

نہیں یگی: ان کی عادت ہے۔ کھانے کی میز پر اکیلے نہیں بیٹھتے۔ میں رات کو خانسامے کو سب کچھ سمجھا دیتی ہوں۔ مگر تو ذرا ان کے ساتھ بیٹھ جایا کر۔

روز ہی تو ساتھ بیٹھ جاتی ہوں۔

مگر تو مجھے پکارتی رہتی ہے۔

تو آپ بھی آ جایا کریں نا؟

لاڈلی مجھے ساری رات جگاتی ہے۔ صبح چھ بجے زینب کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔ اٹھ کر کچن میں جاتی ہوں۔ بوتل بنا کے لاتی ہوں۔ اسے پلا کر دوبارہ سلا دیتی ہوں۔ اس وقت لاڈلی سوری ہو تو میں بھی جلدی سے سو جاتی ہوں۔ بس یہی دو تین گھنٹے ملتے ہیں مجھے سونے کے لیے \_\_\_\_\_ پھر سارا دن کہاں سونے کی فرصت ملتی ہے۔

اٹھاتے۔۔۔۔۔

کاش کسری باجی یہ سب نہ کہتیں۔۔۔۔۔ بھلا اس کو بندوق کی گولی مار لیتیں۔۔۔۔۔ یوں لگا جیسے وہ آسمانوں سے لڑھکتی زمین پر آ رہی ہو۔۔۔۔۔ اور زمین بھی اتنی سخت کہ جو اس کی ٹوٹی ہوئی پسلیوں کا لہو چاٹ رہی ہے۔

تو یہاں ہر شخص کو احساس ہے کہ میرا شوہر بد صورت ہے۔

اف۔۔۔۔۔ میرے مقدر میں مایوسیاں کیوں لکھی ہیں۔ کاش میرا شوہر خوبصورت ہوتا۔ بلا سے سخت گیر ہوتا۔ ظالم ہوتا۔ شدا ہوتا۔ میں اس کی ہر ختی سہہ لیتی۔۔۔۔۔ مگر ایسا نہ ہوتا کہ پاس بیٹھتے ہوئے گھن آئے۔۔۔۔۔ بات کرنے سے ابکائیاں آنے لگیں۔

اب سب جانتے ہیں۔۔۔۔۔ سب کو معلوم ہے۔۔۔۔۔ کہ میں مجبور ہوں۔۔۔۔۔ اور یہ دکھ کھیل رہی ہوں۔۔۔۔۔

اور کتنی بے غیرت ہوں میں۔۔۔۔۔؟

رملی کے چہرے نے اتنے رنگ بدلے کہ کسری باجی گھبرا گئیں۔ پھر اس کے قریب کھسک آئیں اور محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

رملی یقین کر د۔ معاذ جیسے شوہر بہت اچھے ہوتے ہیں۔

کیا اچھائی ہوتی ہے ان میں۔۔۔۔۔ میں بھی تو سنوں۔۔۔۔۔ رملی ایک دم پھٹ پڑی اور پھر زار و قطار رونے لگی۔

کسری باجی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

تم دیکھتی نہیں وہ تمہارا کتنا خیال کرتا ہے۔ کتنی محبت کرتا ہے تم سے۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ وہ اور کبھی کیا سکتا ہے؟ انہی تو آپ نے کہا تھا بد صورت شوہر احساس کمتری کے مارے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ محبت نہ کریں ناز نہ اٹھائیں تو اپنے عیب پر پردہ کیسے ڈالیں۔۔۔۔۔؟

یہ بات ہمیشہ اس طرح نہیں ہوتی رملی۔۔۔۔۔ احساس کمتری کے مارے ہوئے شوہر دوسری انتہا پر بھی جاسکتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے عیب چھپانے کے لیے آزار بھی دے سکتے ہیں۔ بیوی پر زندگی کی ہر خوشی حرام کر سکتے ہیں۔

رملی نے دیکھا۔ کسری باجی کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ رنگ تو پہلے ہی سانا لاتھا۔ اب اور مرجھا گیا تھا۔ پیٹ لٹک آیا تھا۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ کیسی بھدی اور تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ تو بے۔۔۔۔۔ دو بچوں میں ہی عورت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ کیسی ملیح اور کڑکڑاتی جوانی تھی ان کی۔۔۔۔۔ چہرے پر اتنا نمک تھا کہ آنکھ ہٹانے کو دل نہ چاہتا۔ دل ہی دل میں رملی کو ان کے اس طرح لٹ جانے کا بہت افسوس ہوا۔ غصے سے بولی۔

رات کو شان بھائی کو جگایا کرو۔ آخراں کا بھی کچھ فرض ہے۔

کسری باجی معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

ابھی تجھے پتہ نہیں کہ شوہر کیا ہوتا ہے۔ شوہر بس ایک ہی فرض ادا کرنے عورت کے قریب آتا ہے اس کے علاوہ گھر کے اندر وہ کسی تعاون کا قائل نہیں ہوتا۔

نہیں کچھو باجی۔۔۔۔۔ آپ نے انہیں سر پر چڑھا رکھا ہے۔ رات کو تھنھوڑ کر جگادیا کریں۔ اور بچی ان کی گود میں بچ دیا کریں۔

کیسے جگایا کروں۔۔۔۔۔؟ جب سے بچیاں ہوئی ہیں۔ وہ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔۔۔۔۔؟

رملی نے حیرت سے کہا۔ سارا دن تو وہ آپ کے کمرے میں ہوتے ہیں۔

ہاں! مگر رات کو ادھر ساتھ والے کمرے میں جاسوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں لڑکیاں روتی ہیں تو میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ مجھے صبح تازہ دم ہو کر دفتر جانا ہوتا ہے۔ یہ کیسی رفاقت ہے باجی۔۔۔۔۔؟

وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ مرد کو سارا دن ایک دنیا سے لڑنا ہوتا ہے۔ ہم عورتیں تو گھر میں بیٹھی رہتی ہیں ان کی نیند کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پھر دفتر جا کر ایک ایک سے لڑتے رہیں گے اور

جانے کتنی خرابیاں کر کے آئیں گے۔ شروع شروع میں نے انہیں زبردستی اپنے کمرے میں سلایا تھا شام کو انگارہ بن کے واپس آتے تھے۔ اب تو ان کی وہی پرانی خوش مزاجی پھر لوٹ آئی ہے۔

ویسے باجی۔۔۔۔۔ رملی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ آپ ان کے ناز بھی بہت اٹھاتی ہیں۔ میں تو کبھی اتنے نخرے نہ اٹھاؤں۔

تمہارا شوہر اور طرح کا ہے۔ کچھو باجی نے آہستہ سے کہا۔

وہ بے چارہ اپنی صورت کی وجہ سے تم سے دبتا بھی ہے۔ ایسے شوہر کم ہوتے ہیں۔ جن شوہروں کو کسی قسم کا احساس کمتری ہو وہ بیویوں کے ناز اٹھا لیتے ہیں۔ دوسری قسم کے شوہر نہیں

اور میں اس کا اندازہ کرنا بھی نہیں چاہتی۔

رملی آنسوؤں میں ڈوبی ڈوبی بولی۔

شادی کرتے وقت آپ میں سے کسی کو بھی رحم نہ آیا۔ آپ نے تو معاذ کو دیکھا تھا آپ کو تو معلوم تھا کہ وہ مکروہ صورت ہے۔ آپ تو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ آپ ہی مجھے بتا دیتیں۔ پھر تم کیا کر لیتیں رمو۔

میں انکار کر دیتی۔۔۔۔۔ میں زہر کھا لیتی۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اس طرح روز روز مجھ سے زہر نہیں کھایا جاتا۔۔۔۔۔ روز روز مجھ سے مرانہیں جاتا۔۔۔۔۔ لگی ہے تو۔

کسری باجی آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر پتھپھانے لگیں۔

بہادر بنور رمو۔ زندگی میں سب کچھ ایک ہی بار نہیں مل جاتا۔ میں تو خیر مرد کی شکل و صورت کو ثانوی درجہ دیتی ہوں۔ پھر معاذ کوئی ایسا برا بھی نہیں۔ بس چچک کے نشان ہیں اس کے چہرے پر۔۔۔۔۔ مرد کا لے کلوٹے ہی بھلے لگتے ہیں۔ تم دیکھو اس کے اندر کتنا خوبصورت انسان ہے۔ وہ جب بات کرتا ہے تو یوں لگتا ہے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اس کی ماں کتنی نیک خو ہے۔ کتنا پیارا کرتی ہے تم سے۔ ایک میری ساس بھی ہے تو بہ۔۔۔۔۔ خدا مرتے وقت بھی اس کی صورت نہ دکھائے۔ میں تو جب سے پنڈی آئی ہوں بے حد مسرور ہوں۔ یہاں بچوں کے ساتھ رات جاگا کرتی ہوں مگر شکر ہے اس کے مظالم برداشت نہیں کرنے پڑتے۔ زندگی سمجھوتے کا نام ہے۔۔۔۔۔ از دو باجی زندگی میں صرف صورت اہم نہیں ہوتی۔ جوں جوں زندگی گزرے گی تمہیں پتہ چلے گا۔

رملی نے کوئی جواب نہیں دیا کسری باجی کے کندھے لگی بس روتی رہی۔

یہ تو کسری باجی بھی سمجھ رہی تھیں کہ شادی کے بعد رملی چپ چاپ رہنے لگی ہے۔ وہ پہلے جیسی شوخی اور گفتگوئی اس میں نہ رہی تھی۔ مکروہ سوچتی تھی رفتہ رفتہ نیچے ہو جائیں گے تو خود ٹھیک ہو جائے گی۔ بچوں کی پیدائش کے بعد عورت کو دنیا میں کوئی چیز ان سے زیادہ اہم نہیں لگتی۔ انہیں معلوم تھا مرد کا کردار اور عادت و اطوار ہی بالآخر عورت کو سخر کر لیتے ہیں شکل و صورت بیوی کی ہو یا شوہر کی سربا ثابت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر اچھی شکل کے پیچھے اچھا مرد ہو۔

تھوڑی دیر تک کسری باجی نے رملی کا سراپے سینے سے لگائے رکھا۔ اسے سہلاتی رہیں۔

پیار کرتی رہیں۔

جب رملی کا سارا غصہ۔۔۔۔۔ سارا غم۔۔۔۔۔ سارا غبار نکل گیا۔۔۔۔۔ تو اس کی سسکیاں بھی ختم گئیں۔

دوپٹے کے کونے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

کچھو باجی! میں نے آج تک کسی سے کچھ نہیں کہا۔ مگر آپ کو کیا معلوم ان چند ہینوں میں مجھ پر کیا گزری گئی ہے۔ ہر رات مرتی ہوں۔ ہر صبح جی اٹھتی ہوں۔ میں سوختہ تن ہو چکی ہوں کسی دن ٹوٹ جاؤں گی۔ پھر جاؤں گی۔ مٹ جاؤں گی۔ نہیں میری گڑیا! کچھو باجی نے اسے پیار کر لیا۔

میں جانتی ہوں تو ہم سب بہنوں سے زیادہ بہادر ہے۔ تو اپنے ابا جی اور امی جی کی لالچ رکھے گی اور ہمیشہ اچھی بیوی بن کے رہے گی۔

رملی کی آنکھوں میں کچھ تازہ دم آنسو آ گئے۔

معاذ کو کبھی یہ پتہ نہیں لگتا چاہیے کہ تو اسے پسند نہیں کرتی تو مرد کی فطرت کو بالکل نہیں جانتی۔

تو کیا کر لے گا میرا۔۔۔۔۔ طلاق ہی دے دے گا نا؟

اف۔۔۔۔۔ کسری باجی کو بہت تکلیف پہنچی۔

اتنی جلدی اتنے بڑے نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے۔ ہر مسئلے کا حل صرف طلاق ہی نہیں ہوتی۔

تمہارا بچہ ہونے والا ہے۔ اب اس کے بارے میں سوچو۔

جنہم میں جائے یہ بچہ بھی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

زندگی میں ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے رمو۔ فرض کرو دو چار سال تمہارے ہاں بچہ نہ ہوتا یا

ڈاکٹر کہہ دیتی کہ خدا نخواستہ تم تخلیق کی اہلیت سے محروم ہو۔ تو پھر۔۔۔۔۔ اپنے تمام تر ظاہری حسن کے باوجود نہیں کوئی پسند نہ کرتا۔ یہ بد صورت شوہر بھی تمہیں ٹھکرا دیتا اور کہتا مجھے تو وہ عورت

خوبصورت لگتی ہے جس کی گود میں بچہ ہو۔ خواہ اندھی ہو۔ لولی ہو یا لنگڑی ہو۔

کاش ایسا ہی ہوتا اور یہ شخص مجھے ٹھکرا دیتا۔

رملی نے شدید غصے میں نتھنے پھلا کر کہا۔

بے وقوف تو اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ تجھے پتہ نہیں کہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ خیر۔۔۔۔۔

کچھ وقت لگے گا۔ تو آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی زندگی کو۔

رملی پھر رونے لگی۔

ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت کی صورت ثنائی درجے پر آ جاتی ہے۔ اصل چیز فطرت کا حسن ہوتا ہے۔ تم بھی اس کے اندر کا حسن تلاش کرنے کی کوشش کرو۔  
میں تو جینا بھی نہیں چاہتی اور آپ کہتی ہیں اندر کا حسن تلاش کروں۔

اب مجھے ہی دیکھو

ایک دم کچھ باجی بول پڑیں۔ میرا شو ہر مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ عام مردوں سے زیادہ دلکش ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں اس کے ساتھ چلنے کے لائق بھی نہیں ہوں اس کے ساتھ زیب نہیں دیتی۔ تو میں کیا کروں گی؟

خیر۔۔۔ آپ اپنے آپ کو معاذ کے ساتھ نہ ملائیں۔ آپ اس سے ہزار درجے بہتر ہیں۔

یہ تو محض تمہارا خیال ہے۔ جو میری عزیز بہن ہو۔ تم نے کبھی شان سے اس کا خیال پوچھا ہے۔۔۔۔۔ یہ سارا بس سوچ کا فرق ہوتا ہے رمو۔ جس کو جیسا سمجھ لو۔ وہ دیکھا ہو جاتا ہے۔ تمہارا بچہ ہو جائے گا؟ تو تعلقات کی ایک نئی بنا پڑے گی۔ تیری سوچ میں بھی فرق آ جائے گا۔

مجھے اس بچے سے کوئی دلچسپی نہیں کچھ باجی۔ اور میں قیامت تک معاذ کو پسند نہیں کر سکتی۔ ماں باپ کی اس زیادتی کو روپیٹ کر نبھاؤں گی۔ اگر نبھا سکی تو۔۔۔ اور پھر ایک بد صورت بچہ لے کر مجھے کیا کرنا ہے۔

اوبے وقوف

کسری باجی ہنسنے لگیں۔

بچہ کیوں بد صورت ہوگا۔ کیا تم اس میں شامل نہیں ہو گی اور کیا خبر بچہ صرف تم پر ہوا اور معاذ کے نقوش بھی کچھ ایسے برے نہیں۔

ظاہر ہے۔۔۔ رملی جلدی سے بولی۔

آپ لوگ باتوں باتوں میں طنز کے خنجر مار کے میرا دل زخمی کرتے رہتے ہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی بات سے مجھے احساس دلاتے رہتے ہیں کہ میرا شو ہر بد صورت ہے۔۔۔۔۔ مجھے کیا سمجھ رکھا ہے آپ لوگوں نے۔۔۔ میں پتھر کا ٹکڑا ہوں۔۔۔ بے حس تو دا ہوں یا زمانے بھر کی

اجت لڑکی ہوں۔

کسری باجی کو احساس ہوا کہ اس نے آج غلط بات کہہ دی تھی۔ جب سے رملی اس کے گھر آئی تھی وہ اس کی اداسی اور خاموشی محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ جان بوجھ کر رملی کو کریدتی نہیں تھی وہی ہوا۔۔۔ ذرا سی ہوا دی تو وہ بھڑک اٹھی۔

اس وقت باہر شان کی موٹر رکنے کی آواز آئی تو کسری باجی بولیں۔

اب تم جلدی سے اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور ہاتھ منہ دھو کر ٹھیک ہو جاؤ۔ شان ضرور پوچھیں گے کہ کیا ہوا ہے۔۔۔ اور ان کے آگے کوئی بودی بات نہ کرنا۔ میں اپنے بہن بھائیوں کے مسائل اور ان کی کمزوریاں اپنے شوہر کے آگے کھول کر نہیں رکھا کرتی۔  
رملی دوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح ناشتے سے پہلے رملی بطور خاص تیار ہو کر میز پر آ گئی تھی۔ رات کو کسری باجی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ کہ شان بھائی کس قسم کا ناشتہ پسند کرتے ہیں۔ کسری باجی پر اسے بے حد ترس آیا تھا۔ پجاری ساری رات ننھی سی پٹاکی کے ساتھ جاگتی تھیں۔۔۔۔۔ اور پھر تھکی تھکی نیم بیدار آنکھوں کے ساتھ ناشتے کی میز پر آ بیٹھتی تھیں۔

رملی ابھی میز پر شان بھائی کا ناشتہ لگا رہی تھی کہ وہ خوشبو چھوڑتے ہوئے آ گئے اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اس وقت دھاریدار براؤن سوٹ پہن رکھا تھا جس میں ایک دھاری ہلکی جلی تھی۔ دھاریدار سوٹ میں ان کا قد زیادہ لمبا لگ رہا تھا۔ زرد چیک قمیض پر۔۔۔۔۔ گہرے براؤن رنگ کی چھوٹی ڈبیوں والی ٹائی لگا رکھی تھی۔۔۔۔۔ ایک دم تروتازہ اور جوان لگ رہے تھے۔

بڑی خوش دلی سے اس کی صورت دیکھ کر بولے۔

گڈ مارننگ خوبصورت خاتون۔

گڈ مارننگ۔ رملی نے بھی انہی کے انداز میں مسکرا کر کہا۔

اتنی حسین لڑکی صبح ناشتہ کرائے گی تو سارا دن کیوں نہ اچھا گزرے گا۔۔۔۔۔؟

تو پھر خوش ہو جائے اس خوبصورت لڑکی پر یہ خوبصورت ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

دیکھا۔۔۔۔۔ میں نہ کہتا تھا۔ میری بیوی بہت عقل مند ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔ وہ کیسے۔۔۔۔۔؟

اے معلوم ہے کہ صبح شوہر کو کیسا مکھڑا دکھانا چاہیے۔

رملی ہنسنے لگی۔

چائے بناؤں۔۔۔۔۔

ضرور بناؤ۔۔۔۔۔ شان بھائی نے اپنے لال ڈوروں والی آنکھیں اس کی آنکھوں

میں ڈال کر کہا۔  
خان محمد اب گرم دودھ دے جاؤ۔ اس نے خانساں کو آواز دے کر کہا اور قبوہ پیالی میں اٹھیلنے لگی۔

خان محمد گرم گرم بھاپ چھوڑتا دودھ میز پر رکھ گیا۔

چینی کتنی شان بھائی۔۔۔۔۔ رملی نے قبوے میں دودھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

ہائے کیا کہوں۔۔۔۔۔ ایسا گھسا پٹا محاورہ ہے۔ مگر اس سے زیادہ موزوں جواب مجھے نہیں

سوچ رہا۔۔۔۔۔ بس انگلی ڈبو کر دے دو۔

رملی زور زور سے ہنسنے لگی۔

انگلی ڈبولوں۔ تاکہ اس پر چھالانکل آئے اور کام سے بھی جاؤں۔

نہیں نہیں اتنی خوبصورت انگلی پر چھالانکل بلکہ دل نکلنا چاہیے۔۔۔۔۔ ہے نا؟

پھر بولے۔

واہ وا! کیا مزے دار چائے ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی شوخ طبیعت کے مطابق اس سے چیخڑ چھاڑ کرتے رہے۔

پھر گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اچھا بہنی۔۔۔۔۔ میرا وقت ہو گیا۔ خدا حافظ۔

خدا حافظ شان بھائی۔۔۔۔۔ رملی نے کھڑے ہو کر کہا۔

شان بھائی رملی کی شادی سے پہلے بھی اس کو HONEY کہا کرتے تھے۔ پہلے تو لاڈ

میں آ کر اسے اپنی بغل میں لپیٹ لیتے تھے۔ چٹیا کھینچ لیتے تھے۔ اور وہ سارا دن شان بھائی شان

بھائی کرتی ان کے پیچھے دوڑتی رہتی تھی۔

شان بھائی چلے گئے تو اس نے کسری باجی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ دونوں

بچیاں اس کے دونوں پہلوؤں میں گھسی ہوئی سو رہی تھیں اور وہ نیند میں بے ہوش پڑی تھیں۔

کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا۔

رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔ کوئی کام نہیں تھا کرنے کو اور یہاں آئے اسے ایک ہفتہ ہو گیا

تھا۔ ایک ہفتے میں اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ اپنی بہن کو اپنا درود دل کہہ کر اسے بڑا سکون

ملا تھا۔ اب وہ خود فراموشی کی کیفیت میں تھی۔ اور خود فراموشی کے عالم میں ہی چند روز اور



کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے بھی دیکھا کرو۔ میں تمہارا بہنوئی ہوں۔ کسی اور کو اتنے اشتیاق سے دیکھو گی تو مجھے برا لگے گا۔

رملی ہنس پڑی۔  
 اسے خوش فہمی کہتے ہیں شان بھائی بلکہ غلط فہمی  
 اچھا \_\_\_\_\_ جا کر دیکھو شہر میں میرے جیسا ہیڈ سم اور سمارٹ کوئی مرد ہے؟  
 آپ تو لڑکیوں کی طرح اترانے لگے شان بھائی \_\_\_\_\_  
 اے جی تمہیں کیا معلوم کتنی لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں۔  
 اچھا یہ بات ہے۔ بتاؤں کچھ باجی کو \_\_\_\_\_  
 کچھ سب جانتی ہے۔  
 اتنے میں کسریٰ باجی چائے لے کر آ گئیں۔  
 کیا جانتی ہوں میں \_\_\_\_\_؟ انہوں نے آتے ہی پوچھا۔  
 مجھے \_\_\_\_\_ میری رگ رگ کو \_\_\_\_\_ ہے نا \_\_\_\_\_ شان بھائی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔  
 جانتی تو نہیں جاننے کی کوشش ضرور کر رہی ہوں۔  
 نہیں باجی \_\_\_\_\_ پہلے یہ کچھ اور کہہ رہے تھے؟  
 کیا کہہ رہے تھے شان \_\_\_\_\_؟ کچھ بابی نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔  
 میں کہہ رہ تھا کہ میں شہر کا سب سے خوبصورت آدمی ہوں اور بہت سی لڑکیاں مجھ پر مرتی  
 ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے کسریٰ باجی کو آنکھ ماری۔ کسریٰ باجی ہنس پڑیں۔ چائے بنا کر انہیں دی  
 اور بولیں۔  
 آج کل کے مرد تو لڑکیوں کو مات کر رہے ہیں۔ دیکھا تم نے رملی \_\_\_\_\_ اس نیت سے  
 بناؤ سنگھار کر کے جاتے ہیں کہ باہر جاتے ہی لڑکیوں کا پھانسا ہے اور مجھے ساتھ لے کر نہیں جاتے  
 تاکہ پتہ نہ چل جائے۔ خیر سے شادی شدہ ہیں۔  
 ادنبہ \_\_\_\_\_ تم کوئی میرے ساتھ جاتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ البتہ \_\_\_\_\_ وہ پھر آنکھ دبا کر  
 بولے \_\_\_\_\_ رملی میرے ساتھ جائے تو مزہ بھی آئے۔ لوگ کہیں گے ماشاء اللہ کیا جوڑی ہے۔  
 اس پر کسریٰ باجی سادگی سے مسکرائیں۔ مگر رملی کو یہ بات بہت بری لگی اسے یوں لگا جیسے  
 یہ بات کہہ کر شان بھائی نے دانستہ کچھو باجی کو تکلیف پہنچائی ہو۔ مگر کسریٰ باجی خوش دلی سے مسکرا  
 رہی تھیں۔ جیسے انہیں یہ بات سن کر بہت مزہ آیا ہو۔  
 شان بھائی آپ نے گندی بات کی ہے \_\_\_\_\_ رملی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

کیوں تم میری سالی نہیں ہو \_\_\_\_\_؟  
 ہوں تو \_\_\_\_\_  
 سالی آدمی گھر والی نہیں ہوتی؟  
 ہوتی ہے۔  
 تو اس کے ساتھ کلب جانے سے کیا ہوتا ہے؟  
 اس پر تینوں ہنسنے لگے۔  
 ہاں شان تم کسی دن رملی کو کلب لے ہی جاؤ۔  
 نہ \_\_\_\_\_ میں جنہیں جاؤں گی۔ رملی جلدی سے بولی۔  
 میرے ساتھ جا کر دیکھو۔ کس طرح لوگ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔  
 اگر کسریٰ باجی ساتھ جائیں تو میں چلنے کو تیار ہوں۔  
 لو اور سنو \_\_\_\_\_ شان بھائی کسریٰ باجی کی طرف دیکھ کر بولے۔  
 پھر خاک مزہ آئے گا \_\_\_\_\_ کتاب میں ہڈی والی بات \_\_\_\_\_  
 کسریٰ باجی ہنستے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔ شان بھائی کھڑے ہو گئے۔  
 کہاں چلے \_\_\_\_\_؟ کسریٰ باجی نے پوچھا۔ اور چائے پیو \_\_\_\_\_  
 ذرا کپڑے بدل آؤں۔ تمہاری بہن مجھے نظر لگا دے گی۔  
 ادنبہ بڑے آئے یوسف ثانی \_\_\_\_\_  
 شان بھائی نے قبچہہ لگا یا اور اندر چلے گئے۔ واپس آئے تو انہوں نے کتھی رنگ کا کرتا  
 شلوار پہن رکھا تھا۔ گلے کے کھلے ٹٹن دونوں ہاتھوں سے بند کرتے ہوئے باہر آ گئے۔  
 شلوار کرتے میں وہ اور بھی بھلے لگے۔ مگر رملی نے جان بوجھ کر ان کی طرف نہیں دیکھا بلکہ پیالی پر  
 جھک کر چائے پینے لگی۔  
 ان کے بیٹھتے ہی کسریٰ باجی بولیں۔  
 رملی بیچاری کو اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے اسے کہیں گھما ہی لاتے۔  
 حضور کا چہلہ جو نہیں ختم ہو پاتا \_\_\_\_\_ وہ تمہارا انداز میں بولے۔  
 میری تو خیر مجبوری ہے۔ اس بیچاری کو لے جاؤ نا۔؟  
 نہیں کچھو باجی \_\_\_\_\_ رملی جلدی سے بولی۔

مجھے گھومنے گھمانے کا بالکل شوق نہیں ہے۔ مجھے تو بس گھر میں مزہ آتا ہے۔

اسے تو میرا خیال ہے۔ ایک بار صرف چڑیا گھر کی سیر کرا دی جائے۔

کیوں؟ رملی نے پوچھا۔

سنا ہے اب تمہیں خوفناک درندے اچھے لگنے لگے ہیں۔

رملی کے دل پر ہتھوڑا لگا اور کچھو باجی کا رنگ اڑ گیا۔

انہوں نے تہدید کی انداز میں شان کی طرف دیکھا۔ اور جلدی سے کہنے لگیں۔ ہماری رملی بہت اچھی لڑکی ہے۔

میں نے کب کہا بری ہے۔ شان بھائی نے اسی طرح جواب دیا۔

مگر اس چوٹ کے بعد رملی بولنے کے قابل نہ رہی۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر جب شان بھائی بن ٹھن کر آئے تو رملی نے نظر اٹھائے بغیر

ناشتہ ان کے آگے سرکا دیا۔

وہ تھوڑی دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔

رمو! تو نے میرے کل کے مذاق کا برا تو نہیں مانا۔

نہیں تو۔

آج کچھ خفا خفا لگ رہی ہے۔

شان بھائی وہ مذاق تو نہیں تھا اور سچی بات کا برا کیا ماننا؟

اونو۔ شان بھائی زبردستی بنے۔

کچھ بھی سچ نہیں تھا۔ میں تو یونہی تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

چھیڑ چھاڑ اور دل آزاری کا آپ کو حق پہنچتا ہے۔

اوہو۔ شان بھائی جڑ بڑھنے لگے۔ بھی تم روٹی روٹی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی ہو۔

مسکراؤ۔ ورنہ میں تمہیں گدگداؤں گا۔

وہ کرسی سے اٹھنے لگے۔ تو رملی جلدی سے مسکرا دی۔

پلیز شان بھائی۔ مجھے ہاتھ نہ لگائیے گا۔

شان بھائی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

اور پھر ناشتہ شروع کر دیا۔

تمہیں پتہ نہیں شاید۔ کہ خوبصورت لڑکیاں ہمیشہ مسکراتی ہنستی ہی اچھی لگتی ہیں۔

میں کسی بھی حسین لڑکی کو سگوار نہیں دیکھ سکتا اسے میری کمزوری کہہ لو۔ کسی اداس خوبصورت لڑکی کو

دیکھ لوں تو جی چاہتا ہے دنیا بھر کی خوشیاں لا کے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔

(ہائے شان بھائی آپ کتنے عظیم ہیں)

رملی کی آنکھ تر ہونے لگی۔ اس لیے اس نے سر جھکا لیا۔

تم جب سے آئی ہو۔ گم صم اور اداس ہو۔ اس لیے میں بار بار تمہیں چھیڑتا ہوں۔ تمہیں

ہنساتا ہوں رمو۔ تم اس طرح کیوں اداس رہتی ہو۔

نہیں تو شان بھائی؟

اب تو باقاعدہ اس کا ایک آنسو باہر آ گیا تھا جسے اس نے انگلی کی نوک پر اتار لیا۔

ہمدردی کا خنجر کیسا تیز ہوتا ہے۔ حوصلے کا سائباں پھاڑ دیتا ہے۔ کتنے عرصے بعد اسے ایک

ہمدرد اور ایک مسیحا نظر آیا تھا۔ کتنی لگاؤ سے شان بھائی نے اس کے دکھتے دل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

شان بھائی اس سے اسے بہت اونچے لگے۔

آج چائے بناؤ گی یا بس۔ سوچتی رہو گی۔

شان بھائی اس کے مضبوط کی ندی میں اضطراب کا ایک کنکر پھینک کر جیسے مطمئن ہو گئے تھے۔

رملی نے جلدی جلدی چائے بنائے اور ان کے آگے رکھ دی۔

پھر نظریں اٹھا کر انہیں نہ دیکھ سکی۔

آج بھی شان بھائی حسب معمول شاندار لگ رہے تھے۔ انہوں نے گہرے رنگ کا چیک

سوٹ پہن رکھا تھا۔ اندرواسٹ بھی تھی۔ واسٹ کے آس پاس ہلکی گلابی امریکن کائن کی قمیض نظر

آ رہی تھی۔ ویسا ہی گلابی سلک کا رومال جیب سے جھانک رہا تھا۔ قمیض کی آستینوں پر دل کی شکل

کے کف لنک کوٹ سے باہر نظر آ رہے تھے اور ناشتہ کی میز کے ارد گرد بے توجہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی

شان بھائی خوشبو میں اس طرح نہا کر آتے جیسے کوئی دلہن سنگھار مرکز سے نکل کر آئی ہو۔

جب بھی اپنے کمرے سے نکلتے ان کے ساتھ خوشبوؤں کے آبشار نکلتے اور رملی سوچا

کرتی۔ پتہ نہیں ان کی خوشبو کا ماہانہ خرچ کیا ہوگا۔

انہوں نے نیپکین سے منہ صاف کیا اور کھڑے ہو گئے۔

آج شام کو کہیں گھومنے چلیں گے۔

اچھا خدا حافظ \_\_\_\_\_  
 خدا حافظ رملی نے آہستہ سے کہا۔  
 اور وہ بھی مسکراتے ہوئے ایک اپنائیت بھری نظر اس پر ڈال کے چلے گئے۔

شام کو شان بھائی خلاف معمول ذرا جلدی آ گئے۔ اور آتے ہی کسریٰ باجی کو پکارا۔ اور بلند آواز میں بولے۔

آج میں سینما کے ٹکٹ لایا ہوں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔  
 میں کیسے جاؤں گی شان۔ کسریٰ باجی تردد سے بولیں۔ لاڈلی کورات سے بخار ہے۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا۔

بھئی میرے پاس تو آج شام ہی فارغ تھی۔ نہیں جانا چاہتیں۔ تو ٹکٹ پھاڑ دو۔  
 پھاڑ کیوں دوں۔ تم رملی کو ساتھ لے جاؤ۔  
 نہیں باجی میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔  
 اکیلی کہاں ہو تم۔ ساتھ میں شان ہیں۔

نہیں باجی۔ رملی بولی۔ آپ جائیں گی تو میں بھی جاؤں گی۔ مجھے فلم دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

بے وقوف۔ کسریٰ باجی سرگوشی میں بولیں۔  
 شادی سے پہلے تو تو ہر وقت شان کے پیچھے پیچھے پھرتی تھی کہ مجھے فلم دکھالائیں۔  
 اب نہیں جی چاہتا باجی۔

کیوں نہیں چاہتا؟ باجی غرائیں۔ جب سے آئی ہے۔ گھر میں گھسی بیٹھی ہے۔ میری تو  
 مجبوری ہے۔ ابھی گھوم پھر نہیں سکتی۔ تم ہی شان کے ساتھ جا کر ذرا تفریح کر آیا کرو۔  
 اتنی سخت سردی میں تو بس گھر میں کھس کر بیٹھنے میں ہی مزہ آتا ہے۔؟

کیوں بیکار میں بحث کر رہی ہو کسریٰ۔؟ شان بھائی ان کی سرگوشیوں سے تنگ آ کر  
 بولے اگر وہ اکیلی میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو اسے کیوں مجبور کر رہی ہو۔؟ نہیں جائیں  
 گے آج۔ لاڈ چائے پلاؤ۔



بارے میں ایک کانفرنس کرنا ہوتی ہے۔  
 نہیں شان بھائی۔ رملی تڑپ کر بولی۔  
 کچھ باجی ایسی خواتین میں سے نہیں ہیں۔ وہ چھٹ پٹ تیار ہو گئیں تھیں۔ مگر واقعی لاڈلی کو  
 بڑا تیز بخار تھا۔

بس جانے دو۔۔۔ وہ بھی عجیب سست الوجود عورت ہے۔ یہ کہہ کر شان بھائی نے  
 صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی اور پکچر دیکھنے لگے۔  
 شان بھائی کا لہجہ کچھ باجی کے لیے اسے ذرا بھی اچھا نہ لگا۔ مگر وہ بڑے قرینے سے کھسک  
 کر صوفے کے دوسرے کنارے پر ہو گئی۔  
 پکچر دیکھنے کی بجائے اس کے ذہن میں ایک کشمکش سی ہونے لگی۔ بھلے شان بھائی اس کے  
 بہنوئی تھے اور وہ ان سے ہمیشہ سے بے تکلف تھی۔ مگر تھے تو نامحرم نا؟ اب جب کہ شادی  
 شدہ خاتون تھی۔ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ایک نامحرم کے ساتھ یوں چلے آنا کیا اچھی بات  
 ہے۔۔۔؟ گو وہ کچھ باجی کی اجازت سے آئی ہے۔ بلکہ ان کی ایک مجبوری کو نبھانے چلی آئی  
 ہے۔ مگر کیا خبر معاذ اس بات کو پسند نہ کرے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ معاذ کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ اور  
 نہ اس کے ساتھ پکچر دیکھنا پسند کرتی ہے۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ بے چارہ کئی بار کہہ چکا ہے  
 کہ اے انگریزی فلمیں پسند ہیں۔ مگر رملی کو اس کے ساتھ سینما ہال میں بیٹھنے سے گھن آتی تھی۔  
 اور ہمیشہ کہہ دیتی۔ آج کل ہال میں بیٹھنے سے میرا جی الٹ جاتا ہے۔ پلیز ابھی نہیں۔  
 اب اگر وہ سنے گا تو کیا کہے گا۔۔۔؟ اگرچہ بہنوئی کا رشتہ کوئی غیر نہیں ہوتا۔ لیکن فرض  
 کرو معاذ برامان جائے تب۔۔۔؟

فلم کیا خاک دیکھتی۔ بیٹھی اپنے ذہن کی الجھی گھٹیاں سلجھاتی رہی۔  
 اتنے میں انٹرول ہو گیا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ لوگ آدھا گھنٹہ لیٹ آئے تھے۔  
 روشنی ہوتے ہی جیسے لوگوں کا سیل رواں تنگ دروازوں میں سے باہر کی طرف لپکا۔۔۔  
 سیٹیاں۔۔۔۔۔ سگریٹ۔۔۔۔۔ چیخیں۔۔۔۔۔ چہکار۔۔۔۔۔ بچوں کا شور و غل  
 ۔۔۔۔۔ ایک دم زندگی جاگ اٹھی تھی۔ شان بھائی بھی باہر نکل گئے شاید وہ سگریٹ پینا چاہتے  
 تھے۔ رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے شان بھائی کے ساتھ آکر اچھا نہیں کیا۔۔۔۔۔ لیکن اب  
 اس کا اظہار اپنی کسی حرکت سے نہیں کرنا تھا۔

پانچ منٹ کے بعد شان بھائی اندر آ گئے ان کے ہاتھ میں چپس اور چلغوزوں کے لفافے  
 تھے۔ سارے لفافے انہوں نے رملی کی گود میں ڈال دیے اور بولے۔  
 چائے پیو گی؟  
 نہیں شان بھائی ابھی گھر سے پی کر چلی تھی۔  
 وہ پھر باہر چلے گئے۔

دوبارہ اندھیرا ہوا تو وہ جلتے سگریٹ کے ساتھ اندر آ گئے سارے باکس میں سگریٹ کی بو  
 پھیل گئی جو رملی کو اچھی نہیں لگی۔ جب ساری بتیاں گلن ہو گئیں اور سکرین دوبارہ متحرک ہوئی تو  
 شان بھائی نے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ فلم دوبارہ شروع ہو گئی۔  
 فلم میں کیا دیکھنے آتے ہیں لوگ۔۔۔؟

رملی نے کرب سے سوچا۔۔۔  
 نہ تو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکراتا ہوا ہیرا چھا لگ رہا تھا اور نہ اداؤں سے کھیلتی بذی  
 ٹھنی ہیر وٹن۔۔۔ شادی سے پہلے اسے فلموں کا جنون تھا۔ ہر فلم ہر صورت میں دیکھتی تھی اور ہر  
 نوجوان لڑکی کی طرح۔۔۔ اپنے آپ کو ہیر وٹن کے فریم میں جڑ لیتی تھی۔ لڑکیاں اور لڑکے شاید  
 اپنے خواب مجسم دیکھنے آتے ہیں۔ وہ اکثر سوچتی نہ جانے یہ ادھیڑ اور بوڑھے کیا دیکھنے آتے ہیں؟  
 اس کا کوئی خواب پورا نہیں ہوا تھا تو ساری دنیا ایک جھوٹ نظر آ رہی تھی۔

ایک ہی تو بازی ہوتی ہے عورت کے مقدر کی۔۔۔ وہ بھی ہار جائے تو اس کے پاس کیا رہ  
 جاتا ہے؟ کل کو اس کا بچہ ہو جائے گا اور لوگ کہیں گے بچے والی ماں کو خواب دیکھنے کی کیا ضرورت  
 تھی۔۔۔؟ اسے تو اس کائنات میں سے ایک حصہ مل چکا۔۔۔

کیا دنیا ایک فریب مسلسل ہے؟  
 کیا زندگی خوابوں سے کوئی الگ شے ہے؟  
 اگر انسان مجبور محض ہے تو اسے خواب دیکھنے کی صلاحیت کیوں بخشی گئی۔

کیا زندگی ایک پرفریب بہلاوہ ہے؟  
 لوگ لوگوں کو پھسلاتے جا رہے ہیں؟ کہانیاں بنا کر۔۔۔ فلمیں بنا کر۔۔۔ یہ فلمیں  
 یہ افسانے۔۔۔ یہ سب ان تھنہ آ زرد لوگوں کے نہ پورے ہونے والے خواب تو نہیں  
 ۔۔۔۔۔ جنہیں کبھی وہ سکرین پر پھیلا دیتے ہیں اور کبھی کاغذ پر۔۔۔ اور مجھ جیسی دیوانی



دے گیا اس کی بیوی کی طبیعت خراب تھی۔ صبح دو گھنٹے کی چھٹی لے کر گیا تھا مگر شام کو کہلا دیا کہ وہ نہیں آ سکتا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ کچھو باجی کی ایک سہیلی واہ سے پنڈی آئی ہوئی تھی۔ وہ دن گزارنے کے لئے ان کے ہاں آ گئی۔ سارا دن تو کھانا تیار کرنے میں گزار گیا تھا۔ جب شام کو خانساہاں نہیں آیا تو کچھو باجی گھر پر ہی رک گئیں اور منت سماجت کر کے رملی اور نہن کو شان کے ساتھ بھیج دیا۔ رملی کچھو باجی کا دل نہیں توڑ سکتی تھی۔ ناچار آنا پڑا۔ آج رملی نے پہلی بار محسوس کیا۔ شان بھائی اس کو اپنے ساتھ لے جا کر بہت خوش ہوتے تھے۔

کبھی بیٹھے بیٹھے کسریٰ باجی کہہ دیتیں۔ شان آج پھل بالکل نہیں ہے۔ ذرا دوڑ کے پھل تولے آؤ۔ ہاں \_\_\_\_\_ رملی کو ساتھ لیتے جانا۔

کبھی رملی کے ہاتھ پر پیسے رکھ کر کہتی۔ رملی شان کے ساتھ جا کر انڈے ڈبل روٹی تولے آؤ۔ یہاں پاس ہی بیکری ہے۔

اور نہیں تو لاڈلی کے دودھ کے ڈبے \_\_\_\_\_ دوائیاں \_\_\_\_\_ یا فیڈر وغیرہ لینا ہوتا تو کچھو باجی مسلسل چلائے جاتیں۔ شان بھائی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ جو نبی وہ کہتی \_\_\_\_\_ رملی تم ہی جا کر لاؤ \_\_\_\_\_ تو شان بھائی چاہیاں پکڑ کر کھڑے ہو جاتے \_\_\_\_\_ رملی جانتی تھی کہ وہ اپنی سب بہنوں میں حسین ہے۔ اس کو اپنی جاذبیت کا پورا پورا احساس تھا۔ اسے شان بھائی کا سراہنا اچھا بھی لگتا تھا۔ مگر جب سے اس نے ان کے گھر میں رہ کر شان بھائی کا رویہ کچھو باجی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے بہت برا لگا تھا۔ کس قدر معمولی شے سمجھتے تھے شان بھائی کچھو باجی کو \_\_\_\_\_ ذرا بھی توجہ کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ صرف ان کا رنگ ہی گندی تھا نا؟ مگر کتنی کشش تھی ان کے سانولے رنگ میں \_\_\_\_\_

شان بھائی آپ کچھو باجی کو بھی یہاں لاتے ہیں۔  
ابھی تو میں خود نیا ممبر بنا ہوں اور جب سے وہ پنڈی آئی ہے بیمار ہے۔  
ان کو بھی لائیں نا؟ \_\_\_\_\_

ارے وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی اچھی لگے گی۔

کیوں \_\_\_\_\_ ان میں کیا کمی ہے؟

تم ذرا اپنی طرف دیکھو۔ پھر بات کرو۔ ادھر دیکھو لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کتنی لا جواب جوڑی ہے؟ \_\_\_\_\_

رملی نہن کی انگلی پکڑے ہوئے شان بھائی کے ساتھ کلب میں داخل ہوئی تو ہر فرد بشر کی نگاہ اس کی سمت اٹھ گئی ایک تو اس پر آج کل ویسے ہی آسمانی روپ اتر رہا تھا اس پر زکام کی وجہ سے ننھی سی ناک سرخ ہو گئی تھی اور آنکھوں میں ایک کیف آ گئی تھی گھیر گئی تھی۔ اس نے اپنے سارے وجود کو تلے دار شال میں ڈھکا ہوا تھا۔ لمبے اور سیدھے بال کندھوں پر جھول رہے تھے۔ مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی تو ہر چہرہ سوال تھا۔

لوگوں کو یوں مہبوت دیکھ کر رملی جی ہی جی میں بہت خوش ہوئی۔ شان بھائی نے کندھے اچکائے اور سرگوشی میں بولے۔

دیکھی میری شان \_\_\_\_\_؟

اچھا آپ بھی شان دکھاتے ہیں

جی ہاں میں تو ہوں ہی شاندار \_\_\_\_\_

رملی ہنس دی۔ کاش کچھو باجی بھی ساتھ ہوتیں۔

چپ رہو۔ کئی لوگوں کو معلوم ہی نہیں تم میری کیا لگتی ہو؟ دیکھو \_\_\_\_\_ کیسے رشک سے دیکھ رہے ہیں۔

تو آپ انہیں بتا دیں نا؟ شان بھائی \_\_\_\_\_ کہ یہ میری سالی ہے۔

ارے بھئی اتنی جلدی کیا ہے؟ پہلے یہ لوگ اچھی طرح میری قسمت پر رشک تو کر لیں۔ رملی کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

آج جمعہ تھا اور شان بھائی نے اٹھتے ہی بتا دیا تھا کہ آج کلب میں طنبول پارٹی ہے اور سب لوگ جائیں گے۔

کچھو باجی بچاری بالکل تیار تھیں۔ آج تو لاڈلی کی طبیعت بھی ٹھیک تھی اور پھر پارٹی چار بجے شام تھی۔ خیال تھا لاڈلی کو پلیٹ کراٹھالیں گے اور سب چلیں گے۔ مگر عین وقت پر خانساہاں دغا



وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ \_\_\_\_\_ نے سب بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

بیٹھے ہی رملی کو معاذ کا خیال آ گیا۔ اگر کبھی رملی معاذ کے ساتھ کلب میں آئے تو لوگ کیا سوچیں گے \_\_\_\_\_؟

سوچیں گے کتنی بد ذوق عورت ہے؟ \_\_\_\_\_ احساس جمال تو اس میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔ اور ممکن ہے یہ بھی سوچیں کہ اس عورت کی بینائی کمزور ہے جو اتنے مکروہ صورت آدمی کے ساتھ اٹھتی بیٹھی ہے عام طور پر حسین و جمیل عورتیں ان بد صورت مردوں سے شادیاں کر لیتی ہیں، جن کے پاس اقتدار یا بے تحاشا دولت ہوتی ہے۔ ایسے میں اسے جیسی کنیڈی کا خیال آ گیا۔ جان۔ ایف کنیڈی کے بعد جب اس نے انوس سے شادی کر لی تھی تو رملی کو ذہنی دھچکا لگا تھا۔ اس کا خیال تھا جیسی کو جان کی طرح کے کسی خوبرو اور پرکشش آدمی سے شادی کرنی چاہیے تھی۔ لیکن پھر کسی نے بتایا کہ اونا س دنیا کا امیر ترین آدمی ہے۔ تب جیسی کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ لیکن معاذ تو امیر ترین آدمی نہیں تھا۔ بس اچھا گزارہ ہو رہا تھا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ویسے تو سب ہی کہتے تھے۔ معاذ ایک دن بہت بڑا آدمی بن جائے گا۔ اس کے اندر بڑا آدمی بن جانے والی ساری صلاحیتیں تھیں مگر اسے کیا \_\_\_\_\_؟

دس بارہ سال بعد اگر وہ بڑا آدمی بن گیا تو رملی کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ کیا اس کے لئے ہوئے ارمان اور بجھی ہوئی جوانی لوٹ آئے گی \_\_\_\_\_ وہ بھی تو اپنا تن من مار بچکی ہوگی۔ کیا خوبی ہے ایسے بڑے آدمی کی، جس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوئے دل کراہتا رہے آنکھ روتی رہے، ہونٹ آہیں بھرتے رہیں۔ اور پھر کیا دولت سے سب خوشیاں خریدی جاسکتی ہیں۔

اب بھی اسے اپنی سب بہنوں سے زیادہ جہیز ملا تھا۔ سب نے دل کھول کر تحفے دیئے تھے۔ بری میں بے جی دوسو نے کے اور ایک ہیروں کا سیٹ لائی تھیں۔ بے جی کا ایک ہی بیٹا تھا۔ انہوں نے اپنا سارا گہنا کپڑا اسی کو دے دیا تھا۔ مگر وہ تو اس زیور اور کپڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔۔۔۔۔

یہ کہنا اور کپڑا اس کے جذبات کا مول تو نہ تھا۔

اس لئے کانوں میں وہ ہیروں کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہنے رہتی۔ جو خضریٰ اباجی نے اسے شادی پر دیئے تھے اور کلاہیوں میں وہ چوڑیاں جو امی جان کی طرف سے ملی تھیں، انگلیوں میں بس دو انگوٹھیاں ایک سیدھے ہاتھ میں جو شب عروس معاذ نے پہنائی تھی۔ اور جس کے ساتھ اس

کے قیمتی جذبات وابستہ نہیں تھے۔ اور دوسری اُلٹے ہاتھ میں۔

ویسے اس کے پاس ہیرے کی دو چار انگوٹھیاں تھیں۔ مگر آج کل کی نمائش پسند عورتوں کی طرح اسے ایک ہی انگلی میں تین تین چار چار ہیرے کی انگوٹھیاں پہننا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کی خرد طبی انگلیاں اس قدر خوبصورت تھیں کہ اگر وہ انگلیوں میں کچھ نہ بھی پہنا کرتی، تو وہ خوبصورت ہی لگتیں۔

نہ اوڑھنے پہننے میں دلچسپی تھی، نہ ہارنگھار میں \_\_\_\_\_ ایسے میں وہ سوچا کرتی کون سی شے دل کو خوش رکھ سکتی ہے؟

نظر اٹھا کر دیکھا تو شان بھائی ہیرے کو آؤرڈے رہے تھے۔

شان بھائی واقعی اسمارٹ آدمی تھے۔ آج انہوں نے بادامی رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔ پرنیڈ ٹائی کی ٹائٹ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ پرنیڈ رومال جیب سے جھانک رہا تھا۔

بال قرینے سے بنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں حد درجہ چمک تھی۔ شان بھائی کسی بھی لڑکی کو لبھا سکتے تھے۔۔۔۔۔ اور پھر کتنا مہذب اور دلکش انداز تھا، ان کا باتیں کرنے کا۔۔۔۔۔! کاش! اس کا شوہر بھی کچھ اسی قسم کا ہوتا، تو پھر وہ دنیا سے منہ چھپا کر اس طرح نہ رہتی

کیا دیکھ رہی ہو \_\_\_\_\_؟

شان بھائی نے ایک دم اس کی چوری پکڑ لی۔

دیکھ رہی تھی۔ وہ سادگی سے بولی آپ کے سوٹ کا رنگ آج کی شام میں بہت اچھا لگ

رہا ہے۔

شکریہ! انہوں نے سر کو خم دے کر کہا۔

صرف سوٹ کا رنگ ہی اچھا ہے۔ خاکسار کے متعلق تم نے کچھ نہیں فرمایا؟

بس اب اترا بیٹے نہیں۔ رملی نے اپنے لڑکپن والے انداز میں اچک کر کہا

ذرا ہی تعریف کر دیں تو آپ اترا نے لگتے ہیں

بھئی میں تو ہوں ہی تعریف کے قابل \_\_\_\_\_ دیکھا نہیں کلب کی ساری عورتیں مجھے پُر

شوق نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔

کچھ کم خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں آپ!؟

مگر اس وقت اس نے اندازہ لگایا کوئی مرد گورا تھا \_\_\_\_\_ کوئی سانولہ اور کوئی کالا

فیشن کے ساتھ سب اچھا لگتا ہے۔ شان بھائی نے کہا اور میں فیشن کا مخالف نہیں ہوں۔  
خواہ عورتیں کریں یا مرد \_\_\_\_\_ میرے خیال میں عورت کو ہمیشہ خوبصورت نظر آنا چاہیے۔  
خوش لباس ہونا چاہیے۔ ہر وقت شگفتہ نظر آنا چاہیے۔ جیسے تم ہو؟

کسی نے عینک لگا رکھی تھی \_\_\_\_\_ کسی کا قد لمبا تھا \_\_\_\_\_ کسی کا قد چھوٹا تھا، کوئی درمیانہ تھا۔ کوئی بہت دبلا تھا کسی کی توند لگی ہوئی تھی۔ مگر کوئی چہرہ ایسا نہیں تھا جسے دیکھ کر طبیعت متلا نے لگے۔

شادی سے پہلے وہ بڑی خریلی ہوا کرتی تھی۔ ذرا کوئی بے ڈھنگا مرد دیکھ لیتی تو وہ فوراً ناک سکڑ کر کہتی۔

آخ تھو۔ کتنا گندہ ہے!

لیکن آج اسے سب مرد ٹھیک ٹھاک لگ رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ایک انتہائی بد صورت مرد دیکھ لیا تھا۔

یہ مرد اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے تھے، ان کی بیویوں کی طرف دیکھتی تو وہ بھی خوش باش اور مطمئن نظر آ رہی تھیں۔ کچھ ایسے مرد بھی تھے محفل میں جو ہر لحاظ سے اپنی بیویوں سے اچھے تھے۔ مگر سب لوگ مگن اور خوش نظر نہیں آ رہے تھے۔

مگر وہ کبھی خوش نظر نہیں آ سکتی۔

اس میں اور معاذ میں دن اور رات کا فرق تھا۔

جس طرح دن اور رات ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر نہیں چل سکتے۔۔۔ وہ دونوں بھی ایک ساتھ دیکھے نہیں جاسکتے۔ کتنا ارمان تھا، کہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے قدم بہ قدم ساری دنیا کی سیر کریں گی۔ جگہ جگہ جائیں گی۔ خوب گھوما پھرا کریں گے۔ کھونٹے پھرنے کا اسے بہت شوق تھا اور گھومنے پھرنے کے لئے مستی میں لہرانے کے لئے ایک \_\_\_\_\_ ایک طرحہ روبرو مرد کی ضرورت تھی، جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے تو احساس کے سارے قہقہے ایک دم روشن ہو جائیں۔

اور اب غالباً یہ تمنا ایک حسرت میں بدل گئی تھی \_\_\_\_\_ اور حسرت کو بھی چپ چاپ آنسوؤں کی قبر میں دفن کرنا تھا۔ جب وہ خود اپنے شوہر کے ساتھ چلنا برداشت نہیں کرتی تو دیکھنے والے اس تضاد کو کیسے سہہ سکتے تھے۔۔۔۔۔ ہر ہر قدم پر طنزیہ نظروں کے بھالے دل میں اتارنا \_\_\_\_\_ اور لوگوں کے زہر بھرے فقرے سننے کا یار اس میں نہیں تھا۔

آج اسے پھر ایک بار قنوطیت کا دورہ پڑا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے احساس کمتری کے اندھیرے کنوئیں میں اتر گئی۔۔۔ اس کا دل خالی کنوئیں کے ڈول کی طرح۔۔۔ ادھر ادھر اٹھنے پلٹنے لگا

ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہو گئے \_\_\_\_\_ دل الٹ جائے تو ایک دم جسم کی ساری توانائی نچوڑ لیتا ہے \_\_\_\_\_ اس کے چہرے کا نکھار شبنم کی طرح ہو گیا \_\_\_\_\_ اور وہ ایک دم زرد پیلے \_\_\_\_\_ ادا اس اور گرم صم دکھائی دینے لگی۔

جب گیم ختم کر کے شان بھائی آئے تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔۔۔

تمہیں کیا ہوا ہے رموتھکی تھکی لگ رہی ہو۔؟

اس نے بھی بات پکڑ کے بات بنالی۔

زیادہ دیر بیٹھی رہوں، تو تھک جاتی ہوں۔

دیکھو۔۔۔ شان بھائی مٹھی میں کچھ نوٹ پکڑے ہوئے تھے۔

جتنی گیمز تمہارے نام پر کھیلیں جیت گیا۔ اور اپنے نام کی پرچیاں ہارتا رہا \_\_\_\_\_ تم بڑی خوش قسمت لڑکی ہو۔

رملی دکھ سے مسکرائی۔

لوگ محبت کے پردے میں پتہ نہیں کیوں اس کے زخم کریدتے ہیں۔۔۔ اور یہ میرے دکھ کو کیا جانیں \_\_\_\_\_؟

الہی! ساری دنیا کو میں کیونکر راز داں کر لوں \_\_\_\_\_؟

آؤ! وہ بولے۔ کلب کی گرل سے کچھ کھالیں۔

نہیں شان بھائی!۔۔۔ رملی کے چہرے پر بیزار تھی۔

ارے تمہارے نام سے جیتے ہوئے پیسوں سے \_\_\_\_\_ آج تو میں تمہیں ضرور ٹریٹ دوں گا۔

میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ اور میرا خیال ہے، زیو کو بھی نیند آ رہی ہے۔ اب گھر چلیں \_\_\_\_\_

شان بھائی نے آگے بڑھ کر اس کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اسے کھینچا \_\_\_\_\_ رملی ڈر کر فوراً کھڑی ہو گئی۔ سب کے سامنے اسے شان بھائی کی بے تکلفی ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔ خوف کے مارے ان کے پیچھے چل دی \_\_\_\_\_

لان میں کرسیاں لگی تھیں اور بیرے تنگے اور کباب کی گرم گرم دھواں دیتی سیخیں اٹھائے سروں کر رہے تھے۔ لوگ قہقہوں کے ساتھ تنگے کباب بھی کھا رہے تھے۔

رہی بھی لہو کے گھونٹ پیٹی وہیں بیٹھ گئی۔

بیرے نے جب گرم سیخیں ان کے آگے لاکے رکھیں تو اسے یوں لگا جیسے کیاب نہیں بلکہ اس کے دل کو سینوں میں پرو دیا گیا ہے۔ ایسی تکلیف دہ حالت اس کے دل کی بھی تھی۔  
جل بھی رہا تھا، اور لہو بھی ٹپک رہا تھا۔ دھواں نکل بھی رہا تھا اور کسی کو نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔  
البتہ زینو کی بھوک چمک اٹھی تھی اور وہ اسے گودی میں بٹھا کر اپنے ہاتھ بے کھلانے لگی۔ کبھی کبھی بے دلی سے خود بھی کوئی لقمہ کھا لیتی۔

یہاں بھی چاروں طرف دیکھتی۔ اکثر شادی شہرہ جوڑے ایک دوسرے کے ساتھ چہلیں کر رہے تھے۔ کبھی یہی خواب اس نے بھی دیکھا تھا۔ اس کا ہر خواب اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس نے شادی سے پہلے بھی کسی کے ساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا حالانکہ اس کے کئی کزن اسے بے تحاشہ پسند کرتے تھے۔ اسے خوبصورت لڑکیوں کی طرح لڑکوں کو ناز نخرے دکھانے میں بھی مزہ نہیں آتا تھا۔ بس ذہنی طور پر تو وہ بڑی مشرقی لڑکی تھی، اور ہر تنہا شادی کے بعد پوری کرنا چاہتی تھی۔

مگر قسمت کا کتنا عجیب مذاق تھا۔

جس شوہر کے ساتھ اس کی ذہنی اور جسمانی ہم آہنگی نہیں تھی، اس کا بچہ اس کے پیٹ میں تھا۔

واپسی پر وہ کار میں بڑی گم صم بیٹھی تھی۔ زینو اس کے سینے کے ساتھ لگ کر سو رہی تھی۔ زینو کو گود میں سلا کر وہ بیٹھ نہ سکتی تھی، اس لئے اسے ذرا ٹیڑھا ہونا پڑا۔ ایک بازو اس کے گرد لپیٹ لیا اور دوسرا سیٹ کی پشت پر رکھ لیا۔ وہ ہمیشہ شان بھائی کے ساتھ آگے ہی بیٹھا کرتی تھی۔ پیچھے بیٹھنے کا شان بھائی برا مانتے تھے۔

رمو۔ شان بھائی بڑی آہستہ کار چلا رہے تھے

مجھے ایسے لگتا ہے جیسے تم اکثر کسی خیال میں کھوئی رہتی ہو

نہیں تو شان بھائی۔

خیر اب مجھ سے نہ چھپاؤ۔ میں تمہارا روائتی رشتہ دار نہیں ہوں کہ نصیحتیں کرنا شروع

کردوں۔

کیا مطلب شان بھائی؟

میں جانتا ہوں تمہیں معاذ بالکل پسند نہیں ہے۔

رملی تھرا گئی۔ اس کا سیٹ کی پشت پر رکھا ہوا بازو اپنے آپ سیٹ پر گر گیا۔  
اس نے اپنی ہتھیلی سیٹ پر ٹکا کر اپنے آپ کو سہارا دیا اور کوشش کی کہ اس بات کی تردید کرے۔ اگر کچھ اور نہ کہہ سکے تو حسب عادت نہیں تو۔۔۔ ہی کہہ دے۔  
مگر اس کا منہ سل گیا۔ آج وہ بے حد افسردہ تھی۔ اس لئے اپنی افسردگی کو چھپا بھی نہ سکی۔ سن ہو گئی۔

تمہارے ساتھ جو ظلم ہوا ہے۔ اس کا مجھے پورا احساس ہے، مگر اب اس کا اظہار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ویسے اتنا تمہیں بتا دوں کہ دن رات جو تمہارے دل پر گذرتی ہے، میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ جب بھی معاذ کو تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں۔ اس انمول بے جوڑ شادی پر جی ہی جی میں کھول اٹھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے۔ تمہیں اس خبیث کے پہلو سے نوج کر اپنے دل میں چھپاؤں۔۔۔ کیا کسی نے چاند کو بھی کبھی اندھیرے کنوئیں میں لٹکایا ہے؟

مگر میں کڑھنے کے علاوہ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا رمو۔

اس بات پر رملی باقاعدہ رونے لگی۔

اور اس کے آنسو زینو کے چہرے پر گرنے لگے۔ رملی نے اپنا چہرہ پرے کر لیا۔ کہ کہیں زینو کی نیند نہ کھل جائے۔ مگر اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اپنے آنسو چھپائے۔

آج وہ اپنے سرکش جذبوں سے ہار گئی تھی، اور چھالے کی طرح پھوٹ پڑنا چاہتی تھی۔ اگر چھالا زیادہ پھول جائے تو اس میں نشتر چھبھو دیتے ہیں کہ یہی اس کا آخری علاج ہوتا ہے۔

اگر شان بھائی نے ہمدردی کا نشتر جھبھو یا تو بہت اچھا کیا۔ زہریلا مادہ باہر تو نکلا

کتنی خوبصورت ہے تو رمو۔ جیسے پریوں کے دیس کی البیلی شہزادی! مجھے

یاد ہے کل تک تیرا معصوم اور مقدس چہرہ ہر غم اور ہر فکر سے آزاد تھا۔ اور آج تیرے چہرے پر کتنا کرب ہے۔ کتنی یاسیت اور کتنی تھکن ہے۔

کون ظالم چھین کر لے گیا۔ تیرے چہرے کا لالہ بالی پن۔۔۔۔۔ وہ بے پروائی

۔۔۔۔۔ وہ بے فکری۔۔۔۔۔ وہ معصومانہ دلکشی۔۔۔۔۔  
 اف۔۔۔۔۔ اپنا چہرہ دیکھو۔۔۔۔۔ کتنی بے چارگی ہے، تمہارے چہرے پر۔۔۔۔۔  
 رملی کے بے آواز آنسو اس کے رخساروں پر گرتے رہے۔ اس وقت پوری دنیا میں صرف  
 شان بھائی ہی اسے سچے ہمدرد نظر آ رہے تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ وہ موٹر چلا رہے تھے۔ اور اس کی گود  
 میں زینو لیٹی ہوئی تھی، ورنہ اس وقت وہ شان بھائی کے کندھے سے لگ جاتی اور چیخ چیخ کر رونے  
 لگتی۔

کاش میں تیری تقدیر بدل سکتا! اے کاش۔۔۔۔۔  
 یہ کہ کر شان بھائی نے آہستہ سے اپنا گرم گرم مضبوط ہاتھ سیٹ پر پڑے ہوئے رملی کے  
 ٹھنڈے ٹھار ہاتھ پر رکھ دیا۔۔۔۔۔ رملی چونک گئی۔۔۔۔۔ چاہنے کے باوجود اپنا ہاتھ الگ نہ کر  
 سکی۔

شان بھائی کے ہاتھ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ رملی کا سارے جسم لرز نے لگا۔

رمو۔۔۔۔۔ شان بھائی کی آواز جذبات میں بھیگ گئی۔

تو کیا جانے مجھے تیرا کتنا خیال ہے۔ کاش تجھے اندازہ ہو سکتا؟ اگر تجھے منظور ہو تو، میں اپنی  
 زندگی کی ساری خوشیاں تیرے قدموں پر رکھ دوں۔

رملی نے زور سے ہاتھ کھینچ لیا۔

کوئی بات ضرورت سے زیادہ ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ کہیں دراڑ آ گئی تھی۔۔۔۔۔ کچھ ٹوٹ گیا

تھا۔۔۔۔۔ جیسے چلتے چلتے پاؤں کے نیچے کوئی پلاسٹک کا کھلونا آ کر چور چور ہو جائے۔۔۔۔۔

رملی اپنے پرس سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔۔۔۔۔ وہ کافی روچکی تھی۔ اس

کے آنسو اس کی دلی کیفیت کا اظہار کر چکے تھے۔۔۔۔۔ اس کا بھید کھل گیا تھا۔ اس کی کمزوری ظاہر

ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ اب مزید کچھ کہنا بیکار تھا۔۔۔۔۔ اپنی حماقت کی نفی کرنا فضول تھا۔

اسے اپنے آپ پر بے حد غصہ آنے لگا۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔

میں نے سوچا تھا کہ رونے سے بھرم جاتا ہے

پانی پڑ جائے تو شمشیر کا دم جاتا ہے

تم ظرف کے سامنے رونے سے آدمی بے آبرو ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ پر اب کیا فائدہ

جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔۔۔ پتہ نہیں شان بھائی کچھو باجی سے جا کے کیا کہہ دیں؟

شکر ہے۔ سامنے ہی گھر کا گیٹ آ گیا۔۔۔۔۔ اسے کچھ بھی نہ کہنا پڑا۔۔۔۔۔ اور اس کے  
 بعد شان بھائی نے بھی کچھ نہ کہا۔

وہ سوئی ہوئی زینو کو بمشکل اٹھا کر گھر کے اندر داخل ہوئی۔ کچھو باجی اس وقت لاڈلی کودودھ  
 پلا رہی تھیں اسے دیکھتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

جب وہ زینو کو اس کے بستر پر لٹا کر لیٹی۔۔۔۔۔ تو کچھو باجی نے اس کے چہرے اور سوجی  
 ہوئی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔۔۔۔۔

کیا بات ہے رمو۔۔۔۔۔؟

کچھ نہیں کچھو باجی۔۔۔۔۔ رملی نے نظریں چرا کر کہا۔

کہیں راستے میں شان سے لڑائی تو نہیں ہو گئی۔

خدا نخواستہ۔۔۔۔۔ رملی نے مسکرانے کی کوشش کی۔

ایسی بات کیوں ہونے لگی۔ بس۔۔۔۔۔ آپ تو جانتی ہیں۔ کبھی کبھی اچانک طبیعت

خراب ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو کچھو باجی نے اسے پکارا۔

رمو دوبارہ معاذ کا ٹیلی فون آیا تھا۔

اچھا۔۔۔۔۔؟

رملی رک گئی۔

آج پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ معاذ کی جانب سے فون کا سن کر اسے عجیب طرح کا اطمینان

ہوا ہے۔ جیسے تیز ہوا کے جھکڑ کے پیچھے ایک مضبوط دیوار ہے

کیا کہتے تھے۔۔۔۔۔؟

بس تیرا پوچھ رہا تھا۔

آپ نے کیا کہا۔۔۔۔۔؟

میں نے بتا دیا کہ شان کے ساتھ کلب گئی ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔ رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

پھر کیا بولے۔۔۔۔۔

کہنے گا۔ ایک گھنٹے بعد پھر کر لوں گا۔

تو کیا ایک گھنٹے بعد۔۔۔۔۔؟

ہاں \_\_\_\_\_ میں نے معذرت کی کہ وہ ابھی نہیں آئے \_\_\_\_\_ جو نبی آئے گی میں اسی وقت فون کرادوں گی۔ تو بولا آپ لوگ زحمت نہ کریں۔ دس بجے رات میں خود فون کرلوں گا۔  
رملی نے گھڑی دیکھی اس وقت پونے نو بج رہے تھے۔  
کسری باجی بولیں۔

دس بجنے میں تو کافی وقت ہے۔ جاؤ نمبر ملا کر بات کرلو۔ خوش ہو جائے گا۔۔۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں اس کی کال کا انتظار کرنے کی \_\_\_\_\_  
نہیں \_\_\_\_\_ رملی کے اندر کی آواز ایک دم پھوٹ کر باہر آ گئی۔ میں دس بجے تک انتظار کروں گی۔ اگر فون نہ آیا تو خود کرلوں گی۔

ٹھیک ہے کسری باجی نے لاڈلی کے منہ سے بوتل نکال لی۔ وہ سو گئی تھی اسے اچھی طرح کمبل میں لپیٹا اور کھٹا میں ڈال دیا۔ پھر رملی کے ساتھ ہی باہر نکل آئیں۔

تم کھانا کھاؤ گی۔ انہوں نے رملی سے پوچھا۔  
نہیں شان بھائی نے تھکے کباب کھلا دیئے تھے۔ حالانکہ رملی نے برائے نام کھایا تھا۔  
تو اس کا مطلب ہے کہ شان بھی کھانا نہیں کھائیں گے میں ذرا ان سے پوچھ لوں۔  
شان بھائی سامنے فی وی لاؤنج میں نہیں تھے۔ اس لئے کچھو باجی ان کے کمرے میں چلی گئیں۔

رملی اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ دل سخت گھبرا رہا تھا۔ غسل خانے میں جا کے منہ دھویا تو کہیں قرار آیا۔ ساڑھی اتار کے رات کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے \_\_\_\_\_ کنگھی سے اپنے بال سلجھا کے ایک چٹیا باندھ لی پھر اون سلائیاں اٹھا کر ٹی۔ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی \_\_\_\_\_  
خبر نامہ ہو رہا تھا اور ٹی وی کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ رملی کو کسری باجی نے اون لادتی تھی کہ وہ زینو اور لاڈلی کا ایک ایک سیٹ ہی بنادے \_\_\_\_\_ سو وہ بیٹھ کر سلائیاں چلانے لگی۔  
اتنے میں کسری باجی ٹرائی گھسیٹتی ہوئی آئیں اور اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

کافی پیو گی \_\_\_\_\_؟

اس وقت \_\_\_\_\_؟

اور کب \_\_\_\_\_؟

کیا کوئی مہمان آرہے ہیں کچھو باجی؟

نہیں تو \_\_\_\_\_ شان کہہ رہے ہیں۔ کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔ ان کے لئے بنا لائی ہوں۔

کہاں ہیں شان بھائی۔

اپنے کمرے میں ہیں

تو کیا وہ آپ کے کمرے میں نہیں رہتے \_\_\_\_\_؟

پگلی \_\_\_\_\_ کسری باجی نہیں \_\_\_\_\_ پتہ نہیں کیوں نہیں \_\_\_\_\_ جب سے دوسری بچی ہوئی ہے۔ میں خود بچوں والے کمرے میں آ گئی ہوں۔ مجھے تو ساری رات جاگنا ہوتا ہے۔  
انہیں کیوں بے آرام کروں۔

مگر بچوں کے ساتھ جو بے آرامی ہوتی ہے۔ اس میں دونوں ماں اور باپ کے لئے ایک قسم کی راحت ہوتی ہے۔ شوہر کو بھی اسے Share کرنا چاہیے۔

اچھا \_\_\_\_\_ کچھو باجی حسبِ عادت بڑے پیار سے مسکرائیں اور پھر بولیں اب تمہارا بچہ ہو گا نا؟ تو تم سب سے پوچھوں گی۔

ہائے \_\_\_\_\_

رملی نے دل میں سوچا \_\_\_\_\_

وہ تو بچے کے بغیر بھی ہمیشہ یہی چاہتی رہی کہ معاذ دوسرے کمرے میں سوئے دوسرے بستر پر سوئے \_\_\_\_\_ اس سے دور رہے۔۔۔۔۔ پرے رہے۔۔۔۔۔

اسی وقت اسے کال کا خیال آ گیا \_\_\_\_\_ گھڑی دیکھی تو ابھی پونے دس ہوئے تھے۔  
کسری باجی نے کافی کی پیالی بنائی اور شان بھائی کو دینے چل دی۔ اٹھتے ہوئے بولیں۔

تمہیں آ کر بنادوں گی۔

اندازے سے زیادہ دیر لگا کر آئیں تو ہنستے ہوئے بولیں \_\_\_\_\_

خوبصورت مرد کے نخرے بڑے ہوتے ہیں۔

کیسے \_\_\_\_\_؟

شان کہہ رہے تھے پہلے پاس بیٹھ جاؤ \_\_\_\_\_ پانچ دس منٹ سر کو دباؤ۔۔۔۔۔ پھر جانے دوں گا۔

تو آپ نے دبایا سر \_\_\_\_\_؟



رملی خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔

اور کچھ بولور ملیں؟ \_\_\_\_\_

جی کیا کہوں \_\_\_\_\_؟

تمہیں تو زیادہ بولنے کی عادت نہیں رہی۔

بے جی کو میرا سلام کہہ دیں۔ رملی نے جلدی سے کہا۔

کہہ دوں گا حضور \_\_\_\_\_ اور کوئی پیغام \_\_\_\_\_؟

جی اور تو کوئی سیغام نہیں۔

اینا خیال رکھو۔ ایسے لگ رہا ہے آج تم ذہنی طور پر ٹھیک نہیں ہو۔

نہیں جی \_\_\_\_\_ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔

اجھااب حاؤ \_\_\_\_\_ آرام کرو۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔

خدا حافظ

شب بخیر

شب بخیر-----

معاذ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

معاذ! تم بڑے اچھے ہو۔ اللہ تمہیں چاند سا بیٹا دے۔

پہلے میری چاندی بیوی تو واپس کریں۔

کسریٰ باجی زور سے ہنس پڑیں۔

لو۔۔۔ اپنی چاندی بیوی سے بات کرلو۔

زمیٰ نے پھر رسیور پکڑ لیا۔

جان \_\_\_\_\_ معاذ اپنی جذبات میں بھگی آواز میں بولا۔

میں نے صرف ایک ہفتے کی چھٹی اور دی ہے۔

جی اچھا۔۔۔۔۔ رملی نے سعادت مندی سے کہا۔

اور

کچھ نہیں \_\_\_\_\_ 'رملی' بولی۔

اور \_\_\_\_\_



میں نہیں آ رہا تھا۔

رملی کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں حیرت ٹھہر گئی۔ اور زبان گنگ ہو گئی۔  
پیشتر اس کے کہ ہوش کھو بیٹھتی۔۔۔۔۔ ایک ننھی سی سرگوشی اس کے کانوں سے  
نکرائی۔

رموڈار لنگ۔۔۔۔۔ میں ہوں میں۔۔۔۔۔ شان!

شان بھائی۔۔۔۔۔؟

رملی حلق پھاڑ کر اس طرح چیخی جیسے مدت کے بعد گویا ملی ہو۔۔۔۔۔  
آہستہ بولو۔۔۔۔۔

انہوں نے اپنا معطر ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔

رملی نے دھکا دے کر انہیں پیچھے کیا۔ اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ غصیلے لہجے میں وہ تھر تھراتی ہوئی  
بولی۔

آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔۔۔۔؟

ڈار لنگ۔ وہ عجیب سی آواز میں بولے میں تمہارا ادنیٰ پرستار ہوں۔ عاشق ہوں۔۔۔۔۔

میرے آنے کی وجہ نہ پوچھو۔۔۔۔۔

شان بھائی۔۔۔۔۔؟

اب رملی کی پوری آنکھیں کھل چکی تھیں۔

کچھو باجی کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟ اپنے خوف سے وہ ہڑاتے دل پر قہر پڑ رہی۔

وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ فکر نہ کرو۔ آج اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں نے درد

کی دوائی کے ساتھ اسے ایک نیند کی گولی کھلا دی ہے۔۔۔۔۔ آج میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ

میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ اور اس وقت سے محبت کرتا ہوں جب اپنی شادی کے روز

اُسی مصحف کے وقت میں نے کسریٰ کی بجائے تمہارا چہرہ آئینے میں دیکھ لیا تھا۔۔۔۔۔ تم اس بد

صورت انسان کیلئے پیدا نہیں کی گئیں۔۔۔۔۔ تمہارا صحیح قدر دان اور تمہارا اصل جوڑ

میں۔۔۔۔۔

مگر ان کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے رملی نے ایک زنا لے دار تھپڑ مار کے شان بھائی کا منہ

بند کر دیا۔

دو راتیں رملی بالکل نہ سو سکی تھی۔ جانے کیا پریشانی تھی۔ ساری رات بستر میں پڑی کروٹیں  
بدلتی رہی۔ ڈاکٹر نے کہا بھی تھا۔ ایسے میں اگر نیند نہ آئے تو نیند کی گولی کھالیا کریں۔

مگر گولی کھانے کو اس کا دل ہی نہیں چاہا اس کا جی عجیب طرح بے چین تھا۔ ایسے لگ رہا تھا  
اسے کوئی ذہنی اذیت پہنچ چکی ہے یا پہنچ رہی ہے۔۔۔۔۔

آج رات ذرا پرسکون تھی۔ اس لئے بغیر کوشش کے نیند آ گئی اور چونکہ قدرتی نیند تھی۔ اس  
لئے وہ جلدی گہری نیند سو گئی۔ نیند میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے چہرے سے اس کے

بال ہٹا رہا ہے۔ کوئی اس کے چہرے کو چھو رہا ہے۔۔۔۔۔ کوئی اپنے گرم سانس کی ہوا اسے دے  
رہا ہے۔۔۔۔۔

کوئی۔۔۔۔۔

کوئی۔۔۔۔۔

وہ ایک دم گڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ رضائی دور پھینکی۔۔۔۔۔ تو سایہ ذرا پرے ہٹ گیا۔  
غنودگی اور غضب کے ملے جلے عالم میں ذرا سی دیر کو وہ بالکل اوسان کھو بیٹھی۔ گھور گھور کر اپنے

مقابل چہرے کو پہچاننے لگی۔۔۔۔۔ زیر و کا ہلکا نیلا بلب روشن تھا۔ چہرہ اتنا قریب تھا کہ صاف نظر  
آ رہا تھا۔ جسے پہچان کر بھی پہچاننے سے گریز کر رہی تھی۔ کبھی کبھی کسی وحشت ناک آواز کو سن

کر شب کے پچھلے پہر اچانک آنکھ کھل جاتی ہے۔ نیند کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی؟ اگر آنکھ اس  
طرح کھل جائے تو آدمی ہوش اور بے ہوشی کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ

وہ جاگ رہا ہے یا سو رہا ہے۔ خواب میں ہے یا عالم بیداری میں۔ زمین پر ہے یا  
آسمان پر۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر کے لئے حارے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اچانک آپ ایک انجانا

سوال بن کر روبرو آ کھڑا ہوتا ہے۔

پر اس وقت جو روبرو تھا۔ وہ شناخت کی گرفت میں آنے کے باوجود فہم کی گرفت

اس کے اپنے وجود کا اضطراب اور بے چینی بچے کے وجود میں دھل گئی تھی۔۔۔۔ اور اس

پورے عرصے میں پہلی بار \_\_\_\_\_ رملی کو محسوس ہوا کہ ماں اور بچے کا ناتا کیا ہے؟ کیا اسے بچے کی فطرت کہتے ہیں؟ یا ماں کا قدرتی روپ \_\_\_\_\_؟ میں جذباتی طور پر پریشان ہوں تو بچہ اپنی جگہ بے گل ہے۔۔۔۔۔ یہ بچہ ہوتا ہے \_\_\_\_\_۔ اسے دل کا ٹکڑا کہتے ہیں \_\_\_\_\_ یہ تعلق کے ریشے ہوتے ہیں \_\_\_\_\_ یہ محسوسات کے بندھن ہوتے ہیں \_\_\_\_\_

اس نے اپنے لٹے ہوئے پیٹ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ لئے۔۔۔۔۔ جیسے اپنے ان دیکھے بچے کو اپنے بازوؤں میں لے لیا ہو۔

اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔۔۔

باندھ کے رکھیں۔ اپنے سیف الملوک کو \_\_\_\_\_  
 کل ہی روانہ ہو جاؤں گی۔ \_\_\_\_\_  
 معاذ کونوں کردوں گی۔ \_\_\_\_\_  
 لعنت بھیجوا اس تفریح پر۔ \_\_\_\_\_  
 ابھی میری آنکھ نہ کھلتی تو جانے کیا ہو جاہ؟ \_\_\_\_\_؟  
 بیٹھی اپنے خیالوں سے لڑتی اور الجھتی رہی۔ رات تو جادو کی ایک چادر ہے۔ آتی ہے  
 تو اپنے ساتھ شر اور اسرار کو لے کر آتی ہے۔  
 مگر صبح کا رنگ نالا ہے۔  
 یوں جھانکتی ہے کہ رات کے اندھیروں کے علاوہ دل پر گرے ہوئے منوں بوجھ اپنے آپ  
 ہی سرک جاتے ہیں۔

رات موت ہے اور صبح زندگی ہے!  
 زندگی کی طرح مسکراتی ہے اور دوسوں کا لبو کر دیتی ہے۔  
 صبح کی پہلی آہٹ محسوس کرتے ہی رملی کے جسم میں غبی توانائی آگئی۔ \_\_\_\_\_ رضائی کو  
 اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا۔ \_\_\_\_\_ باہر لاؤنج میں کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ شاید کچھو باجی چل  
 پھر رہی تھیں لاڈلی کی ایک چیخ بھی سنائی دی تھی۔ یہ سب سن کر رملی کے تھکے ہوئے اعصاب کو  
 بڑی تسکین ملی۔ رضائی کے اندر منہ کر لیا۔ سانس کی گرمی کا نشہ چڑھا تو وہ بے سدھ ہو کر سو گئی۔  
 نیند کھلی تو دن کے دس بج رہے تھے اور کچھو باجی بری طرح دروازہ پیٹ رہی تھیں اور ساتھ  
 میں چلا چلا کر اسے بھی پکار رہی تھیں۔ رملی ہڑبڑا کر اٹھی۔ رضائی کو دور پھینکا اور گرتی پڑتی نے اٹھ  
 کر دروازے کی کنڈی کھولی اور پھر واپس آ کر دم سے بستر پر گر گئی۔

ہائے رمو \_\_\_\_\_ یہ تو نے کیا کیا؟  
 کچھو باجی اندر بڑی اچھی آئیں۔  
 رملی نے ڈر کر ان کی طرف دیکھا۔  
 اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ \_\_\_\_\_؟  
 رملی سنبھل گئی۔  
 تو کیا ہوا \_\_\_\_\_؟

صبح ہونے تک رملی بستر میں یونہی بیٹھی رہی۔ \_\_\_\_\_  
 جب تک رنج اور غصے کے مارے اعصاب تنے رہے۔ سردی کا بالکل احساس نہیں ہوا۔  
 سوچ سوچ کر شل ہو چکی۔ \_\_\_\_\_ اور رورو کر غصہ نکال چکی تو پھر سارا جسم ایک دم ٹھنڈا ہو گیا  
 جلدی سے قالین پر گری ہوئی رضائی اٹھائی اور اپنے اوپر اوڑھ لی جس قدر رضائی کو لپیٹتی \_\_\_\_\_  
 اتنا ہی لرزہ بڑھتا جاتا۔ \_\_\_\_\_ ہاتھ پیر ٹھنڈے برف ہو گئے۔ حالانکہ آج کل اس حالت  
 میں اس کے ہاتھوں کی تھیلیاں اور پاؤں کے تلوے گرم رہتے تھے۔ اس وقت یوں محسوس ہوا جیسے  
 وہ برف میں دب گئی ہو۔ برف باری کی یہ کیفیت صبح پانچ بجے تک \_\_\_\_\_ ہی۔  
 اگر کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کرتی تو الفاظ برف کے گائے سن جاتے۔ رفتہ رفتہ  
 اس کے دانت بھی کپکپانے لگے۔ تب اس نے ہمت لے کے بیٹھ جلا یا۔ بیٹھ کے آگے رکھ کے اپنے  
 ہاتھ گرم کئے۔ چھ ان گرم ہاتھوں میں ٹینڈے۔ \_\_\_\_\_ پائوں۔ \_\_\_\_\_ بار بیٹھی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ جینے  
 کے لئے حرارت کس قدر ضروری ہے۔ \_\_\_\_\_ جانے کب تاریکیوں سے چھین چھن لرنج کی اذان  
 کی آواز آنے لگی۔ \_\_\_\_\_

تو سحر قریب ہونے کے احساس سے اس کے مردہ تن میں آپ ہی آپ جان آنے لگی۔  
 بار بار سوچتی آخر شان بھائی کس نیت سے اس کے کمرے میں آئے تھے؟ اور  
 ابوں نے اسے کس قماش کی لڑکی سمجھا تھا؟

اف تو بہ \_\_\_\_\_ اس خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ آخر شان بھائی جو  
 اتنے شان دار نظر آتے ہیں۔ اس قدر ذلیل کیسے ہو گئے؟ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے چہرے  
 پر لکھا ہے۔ وہ اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی۔ مگر وہ دیانت عورت ہرگز نہیں ہے۔ \_\_\_\_\_  
 شان بھائی کیا اتنے گھٹیا ہو سکتے ہیں کہ رشتوں ناتوں کا احترام چھوڑ دیں۔  
 صبح ہو لے۔ ان کی اچھی طرح خبر لوں گی اور پھر کچھو باجی کو سب کھول سناؤں گی۔ ذرا پٹہ

اس سے پہلے دودھ آ کے تجھے جگا چکی ہوں۔ پہلے تو تو کبھی دروازہ بند کر کے نہ سوتی تھی جب کئی بار دروازہ پینے پر بھی تو نے نہیں کھولا تو میں ڈر گئی کہ کہیں تو نے خودکشی نہ کر لی ہو خودکشی۔۔۔۔۔ شاید اس کی نوبت آتی کچھ باجی! پھر وہ انگریزائی لے کر بیدار ہو گئی اور اپنے آپ کو سنبھال کے بولی کل رات میں سوتے سوتے ڈر گئی تھی۔ اس لئے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ اگر ڈر گئی تھی۔ تو میرے کمرے میں آ جاتی۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ جانا۔ بمشکل تو آپ سوئی تھیں۔ کل رات پتہ ہے میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آدھے سر میں مسلسل درد ہو رہا تھا۔ کچھ باجی بولیں۔ کل رات شان نے میرے سر میں خوب مالش کی۔۔۔۔۔ پھر گرم دودھ کے ساتھ مجھے دو گولیاں کھلا دیں۔ اس کے بعد میں ایسے سکون سے سوئی کہ بچیوں کے رونے پر بھی نہیں جاگی۔ صبح اٹھ کر شان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے دانستہ مجھے نیند کی گولی دی تھی۔ تاکہ میں ایک رات آرام کر لوں۔ اور خود رات کو اٹھ اٹھ کر بچیوں کو دیکھتے رہے ہیں۔ کچھ باجی محبت سے مسکرائیں۔ دیکھ نہیں رہی ہو۔ آج میں کتنی تازہ دم لگ رہی ہوں۔ ساری رات گھوڑے بیچ کر سوئی ہوں۔ رملی کے دل میں درد سا اٹھنے لگا۔ ابھی کچھ باجی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس خبیث نے کیوں اسے نیند کی گولی کھلائی؟ اور اس کے جی میں کیا تھا۔۔۔۔۔؟ افوہ! یہ بیویاں اس قدر بھولی کیوں ہوتی ہیں؟ رنج اور غم سے پھر رملی کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہونے لگا اور اس ڈر سے کہ صبح صبح کوئی بات غلط طریقے سے نہ نکل جائے۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ کچھ باجی آپ ناشتہ رکھوائیں۔ میں غسل خانے میں جا رہی ہوں۔ غسل خانے جا کر پھر اسے شان بھائی کی رات والی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ پھر غصے سے کھولنے لگی۔۔۔۔۔ پھر ہاتھ پاؤں میں تیغ سا ہونے لگا۔ پھر جسم لرز نے لگا۔ اسی وقت اسے محسوس ہوا۔ اس کے پیٹ کے اندر جنبش تیز ہونے لگی ہے۔ اف میرے خدا!۔۔۔۔۔؟

یہ تعلق ہوتا ہے ماں بچے کا۔۔۔۔۔ اتنی مضبوط ڈور ہے مامتا کی۔۔۔۔۔ ذرا احساسات تپش کی زد میں آتے ہیں۔۔۔۔۔ اندر ہلچل ہونے لگتی ہے۔۔۔۔۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے پلنگ پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔۔۔۔۔ جیسے اپنے بچے کو تھپک رہی ہو پھر اٹھ کر کنگھی سے بال سنوارے۔ کندھوں پر شال ڈالی۔ اور کھانے والے کمرے میں آ گئی۔ جمعدارنی لاؤنج میں جھاڑو لگا رہی تھی اور گرم گرم چائے آگے رکھے کچھ باجی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ رملی بھی آ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اور سوچنے لگی۔ بات کس طرح شروع کی جائے؟ وہ جانتی تھی یہ بات سن کر کچھ باجی کو ذہنی صدمہ پہنچے گا۔ وہ نہ صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی تھیں بلکہ ان پر حد درجہ اعتماد بھی کرتی تھیں اسی لئے تو انہیں یوں شتر بے مہار چھوڑ رکھا تھا۔ اور ممکن ہے یہ بات کھلنے کے بعد کچھ باجی شان بھائی پر کبھی اعتماد نہ کر سکیں۔ لڑائیوں کا ایک راستہ کھل جائے۔ عین ممکن ہے۔ بات اتنی بڑھے کہ ان میں ناچاقی ہو جائے کچھ باجی ہمیشہ کے لئے ان کو چھوڑ جائیں۔ اس طرح ایک بھر اگھر برباد ہو جائے گا۔ ایک طرف ان کی بہن تھی جس پر شان بھائی نے بری نظر ڈالی تھی۔ دوسری طرف شوہر تھا۔ رملی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ بتائے یا نہیں۔ کیا بات ہے۔ کچھ باجی نے رملی کی دلی کشمکش کو اس کے چہرے سے پڑھ کر پوچھا۔ اس وقت تم تذبذب میں لگ رہی ہو۔ رملی نے آئی بات منہ پر روک لی اور جلدی سے کہا۔ کچھ بھی نہیں۔ رات مجھے ٹھیک طرح سے نیند نہیں آئی۔ طبیعت اب بھی گرمی گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔۔۔؟ کچھ باجی نے تردد سے پوچھا۔

اس خیال سے رملی لرز گئی۔۔۔ پھر اس کی اپنی وقعت کیا رہ جائے گی۔۔۔ ٹوسٹ پر جیم

ہیں۔ اور پھر گھر میں انتشار ہی انتشار نظر آنے لگتا ہے۔

کے کمرے میں چلی گئی۔ اور اطمینان سے سو گئی۔  
 آدھی رات کے وقت کچھ شور اور ہنگامہ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ دل اس کا بدگمان سا ہو گیا۔ اٹھتے ہی نظر کچھو باجی کے پلنگ پر گئی۔

وہ اپنے بستر پر نہ تھی۔ ذرا کان شور کی طرف لگائے تو پتہ چلا کہ آوازیں تو باہر سے آرہی تھیں۔ بلکہ ساتھ والے کمرے سے آرہی تھیں۔ اس کا مطلب ہے یہ سب تلخ و ترش کچھو باجی اور شان بھی میں ہو رہی تھی۔ تب اسے یاد آیا۔ رات گیارہ بجے تک شان بھائی نہیں آئے تھے۔ جلدی سے اس نے رضائی میں سے ہاتھ نکال کر اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔

اللہ شان بھائی اتنی دیر تک باہر کیا کرتے رہے۔!  
 پھر اس نے ان آوازوں کو غور سے سننا شروع کر دیا۔ بھلاسنے تو میاں بیوی میں کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے۔

حالانکہ اسے معلوم تھا کہ سوئیاں لینا بری بات ہے۔  
 مگر کل رات کا واقعہ بھوت کی طرح اس کے ذہن پر منڈلا رہا تھا۔ پتہ نہیں شان بھائی کچھ الٹ سلت نہ بک دیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے زیادہ غور نہیں کرنا پڑا۔ رات کے سنائے میں آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں اور کچھو باجی نے یہ غلطی کی کہ دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھیں شاید اس خیال سے کہ بچیاں روئیں تو وہ دوڑی آئیں۔

میرا گھر آنے کو دل نہیں چاہتا۔ سن لیا تم نے۔ شان بھائی نے غرا کر کہا۔  
 کیا ہے اس گھر میں جو آؤں۔ دوڑھائی سال سے تمہاری منحوس صورت دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں۔

شان۔ شان۔ کچھو باجی دکھ سے بولیں۔  
 کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ کل تک تو تم بالکل ٹھیک تھے۔ رات تم اتنی محبت سے پیش آرہے تھے۔ میرے سر میں مالش کر کے مجھے گولی کھلائی۔ اور اب ذرا میں نے یہ پوچھ لیا کہ اتنی دیر کہاں رہے۔؟ تو تم۔۔۔۔۔

تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والی۔ کہ میں اس وقت کہاں سے آ رہا ہوں میرا جب دل چاہے گا اور جہاں دل چاہے گا۔ جاؤں گا۔ اور جب دل چاہے گا آؤں گا۔

رات کے کھانے پر کچھو باجی بہت دیر تک شان بھائی کا انتظار کرتی رہیں۔ عام طور پر شان بھائی شام کے چھ بجے کلب سے ٹینس کھیل کر واپس آ جایا کرتے تھے۔ یا زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک باہر رہتے تھے، مگر آج تو ساڑھے دس بج گئے تھے۔ اب کچھو باجی نے سب کو کھانا کھلا دیا تھا اور ان کا کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دیا تھا۔ اندر ہی اندر کچھو باجی مضطرب سی تھیں۔ مگر رملی دیکھ رہی تھی کہ بظاہر کچھو باجی مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ہر کام معمول کے مطابق کر رہی تھیں۔

رملی سلاخیاں بنتے بنتے نگاہ اٹھا کر ان کا مطمئن چہرہ مگر ماتھے پر تردد کی تین سلوٹیں دیکھ لیتی۔ خود بھی دل میں پریشان تھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی۔ آج شام شان بھائی شرمندہ شرمندہ اور چپ چاپ لوٹیں گے۔ کسی سے نظر نہیں ملائیں گے۔ موقع کے انتظار میں رہیں گے۔ جو نبی وہ تنہا ہوگی۔ گڑگڑا کر معافی مانگیں گے اور وہ بھی اس وعدے پر معاف کر دے گی کہ آئندہ وہ کسی دوسری عورت پر بری نگاہ نہیں ڈالیں گے اور نہ اس کی معصوم اور حساس بہن کے ساتھ بددیانتی کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ مگر وہ تو آ نہیں چکتے تھے۔

رملی کو ویسے بھی آج اپنے کمرے میں سونے سے ڈر لگ رہا تھا۔ جس طرح چور آ کے چلا جائے تو کئی دن تک پھر پر اس کی دہشت طاری رہتی ہے۔ اسی طرح تنہا سونے کے خیال سے جھر جھری آ جاتی۔۔۔۔۔ عورت کتنا کچا آ بگینہ ہے۔ وہ دل میں سوچتی۔۔۔۔۔ کسی صورت، کسی حالت اور کسی عمر میں اسے قرار نہیں۔۔۔۔۔

رات ہوتے ہی کچھو باجی نے اسے خود ہی کہہ دیا تھا کہ  
 اگر بچوں کی چوں چوں میں تجھے نیند نہ آئے تو بے شک میرے کمرے میں چلی آؤ۔ شان والا پلنگ تو خالی پڑا رہتا ہے۔  
 زیادہ دیر تک رملی کچھو باجی کے ساتھ شان بھائی کا انتظار نہ کر سکی۔ اس لئے اٹھ کے ان



جائے کہ وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے یوں منہ پر رضائی ڈال لی جیسے گہری نیند سوری ہے۔ کچھو باجی جب اپنے بستر پر بیٹھیں تو ان کے سسکنے کی صاف آواز آرہی تھی۔ انہوں نے آنسو بہاتے ہوئے لاڈلی کانٹینین بدلا۔ اسے دودھ پلایا اور پھر اس کی کھاٹ میں لٹا دیا۔ پھر اس کے بعد رضائی اپنے گرد یوں لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ جیسے فقیر اپنے حجرے میں بیٹھ کر آنسوؤں کی تسخیر گھماتا ہے۔ رملی نے رضائی میں سے ذرا سا سوراخ بنا کر دیکھا۔ کچھو باجی۔۔۔۔۔ تن مارے مارے سادھو کی طرح اشکوں کی دھونی رمائے بیٹھی تھیں۔ اس کا دل چاہا وہ رضائی پر بے پھینک دے اٹھ کر بیٹھ جائے۔ اپنی پیاری بہن کو اپنے سلگتے ہوئے سینے کے ساتھ لگا لے اور کہے۔۔۔۔۔

آ میری ماں جانی میں تیرا درد بانٹ لوں۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ میں تیرے سارے آنسو پی لوں۔۔۔۔۔ آ میں تجھے اس سنگدل بے مروت اور کینے انسان سے دور لے جاؤں۔۔۔۔۔

آ میری بہن آ۔۔۔۔۔

تیرا میرا درد مشترک ہے۔ سلگنے کا انداز جدا گانہ ہے۔

مگر رضائی کے اندر منہ کر کے وہ بھی لگا تار آنسو بہانے لگی۔ پتہ نہیں ایسے میں شرکت غم کچھو باجی کی غیرت کو گوارا ہو یا نہ ہو۔۔۔۔۔

صبح دونوں بہنیں ایک دوسرے سے آنکھ نہیں ملا رہی تھیں۔ کچھو باجی بچوں کے کپڑوں کا ڈھیر لگا کے دھونے بیٹھ گئیں۔ تو رملی دونوں بچیوں کو لے کر دھوپ میں جا بیٹھی۔

رات تک انہوں نے صرف سرسری سی گفتگو ایک دوسرے کے ساتھ کی۔۔۔۔۔ لیکن اپنے اپنے طور پر دونوں نے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیا تھا۔

بلکہ صبح رملی بہت خوفزدہ تھی۔

جب تک شان بھائی کی باتیں نہیں سنی تھیں اور طرح کا خوف تھا۔ اب ان کی گفتگو کا انداز جان کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ ایسے گھٹیا آدمی سے ہر گری ہوئی حرکت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بالفرض وہ کچھو باجی کو بتائے اور استغفار پر شان بھائی بالکل مکر جائیں۔ بلکہ آپے سے باہر ہو جائیں۔ بقول ان کے دونوں بہنوں کو چٹیا سے پکڑ کر نکال باہر کریں۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔

تو لوگ کیا کہیں گے؟ ازمانہ اس پر کیا الزام دھرے گا۔ یہی نا؟ کہ چند دنوں کے لئے بہن کے گھر گئی تھی۔ اپنی بہن کا ہر ابھرا گھر برباد کر کے آ گئی۔۔۔۔۔

بے جی کیا سوچیں گی۔۔۔۔۔؟

معاذ کے کیا تاثرات ہوں گے؟۔۔۔۔۔

ممکن ہے معاذ یہ بھی سوچ لے کہ میرے عرصہ دراز سے شان ت مرام ہوں گے تبھی تو اسے اب دست درازی کی جرات ہوئی۔۔۔۔۔؟

امی ابا جی کو کیا جواب دوں گی۔۔۔۔۔؟

کتنے لوگوں کو سمجھانا پڑے گا۔۔۔۔۔ بار بار رونا پڑے گا۔ قسمیں کھانا پڑیں گی سارے رشتوں میں بال آ جائے گا۔

اور پھر پتہ نہیں میری بے گناہی کا کسی کو یقین آئے گا یا نہیں۔۔۔۔۔ لوگوں کو اس بات کا یقین کیسے دلا جائیگا کہ میرا دامن بے داغ ہے۔۔۔۔۔



رملی کا دماغ پھٹتا جا رہا تھا۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر  
بارے جمعہ کا دن آیا اور وہ وہاں سے ریل کار میں سوار ہو گئیں۔  
بچوں کے ساتھ سفر کرنے کا رملی کا پہلا تجربہ تھا۔ کوئی اور دن ہوتا تو وہ کچھو باجی کو صاف  
جواب دے دیتی کہ وہ ان کی بچیوں کو ہرگز نہ سنبھالے گی۔  
مگر کچھو باجی کی اندرونی حالت کو جان کر وہ ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہی۔۔۔۔۔

بچیوں کو سنبھالتی رہی۔ بالآخر کچھو باجی نے کہہ ہی دیا۔  
رمبو تو ساتھ نہ ہوتی تو میں اکیلی مر کھپ جاتی۔ اسی لئے تو تجھے روک رہی تھی۔  
اور واپسی پہ آپ کیا کریں گی کچھو باجی؟  
واپسی یہ شان لینے آ جائیں گے۔

کچھو باجی نے یوں بے پروائی سے کہا جیسے شان بھائی ان کے اشارے کے غلام ہوں رملی  
جانتی تھی شان بھائی سفر میں کیا کریں گے۔ جو اپنی بیوی کے کمرے میں سونا پسند نہیں کرتے وہ سفر  
میں اسے کیا آرام پہنچائیں گے؟

اسٹیشن پر امی جان نے ڈرائیور بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں پہلے میسکے چلی گئیں۔ سارا  
پروگرام رملی نے فون پر معاذ کو بتا دیا تھا۔ اس لئے رات کے دس بجے معاذ وہیں پر لینے آ گیا۔  
آیا تو امی جان نے زبردستی اسے کھانے پر بٹھالیا۔ کچھ دیر گپ شپ ہوتی رہی۔ پھر معاذ اسے گھر  
لے آئے۔

بے جی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اٹھ کر اس کی بلائیں لیں۔ کھانے پینے کو پوچھا  
اور پھر بولیں۔

کمرے میں چل کر آرام کرو میں وہیں آ رہی ہوں۔

رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔

مگر وسط میں ہی کھڑی رہ گئی۔ کمرے کی ترتیب بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اب پلنگ دوسری  
دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ ڈرائیگ ٹیبل کھڑکی کے پاس آ گئی تھی۔ صوفوں کا رخ دروازے کی طرف  
ہو گیا تھا۔ گلاب کے ادھ کھلے پھول سائینڈ ٹیبل کے گلہ ان میں پڑے تھے۔

ڈرائیگ ٹیبل کی ہر چیز چمک رہی تھی۔

کمرے میں ایک زندگی تھی۔ ایک اطمینان تھا۔ جس کی چھاپ ہر شے پر لگی تھی۔

میں جھینٹوں سے محفوظ رہی ہوں۔۔۔۔۔؟

اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ شان بھائی دشمنی میں آ کر جانے اور کیا کیا کہہ دیں۔۔۔۔۔؟

بیٹھے بیٹھے رملی سر سے پاؤں تک لرز جاتی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے۔ اس کا  
دل چاہتا وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ مگر کچھ بھی تو اس کے اختیار میں نہ تھا۔ ابھی تک تو اس کا  
شان بھائی سے سامنا نہیں ہوا تھا اور نہ اس کا شان بھائی کے سامنے جانے کا ارادہ تھا لیکن سامنا  
ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟

ادھر جب کچھو باجی کی ازدواجی زندگی کی طرف دیکھتی تو دل ٹھہرنے لگتا۔ وہ اوپر  
سے کتنی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ پتہ نہیں کتنے سخت مرحلوں سے گزری ہوں گی۔ پتہ نہیں اور کتنے  
کٹھن مقام ان کی زندگی میں آئیں گے؟

ہائے اللہ کیا ہر عورت اتنی مجبور ہوتی ہے؟

اگلے دو تین دن بڑی کشمکش میں گزرے۔

شان بھائی سے سرسری سا سامنا ہوتا رہا۔ وہ یوں نکل جاتے جیسے جلدی میں ہوں۔  
اور وہ یوں ظاہر کرتی جیسے اس نے دیکھا نہیں۔۔۔۔۔

شاید یہی بندوبست ٹھیک تھا۔

پھر کچھو باجی نے بتایا کہ جمعہ کو وہ لوگ لاہور جا رہے ہیں۔ تو جیسے اس کے دل کی کلی کھل  
اٹھی۔

دودن کچھو باجی بچوں کے کپڑے اور چیزیں سمیٹتی رہیں۔ اور وہ ہنس ہنس کر ان کی مدد  
کرتی رہی۔

سب سے عجیب بات اسے یہ لگ رہی تھی کہ کچھو باجی ہمیشہ کی طرح ہنس ہنس کر شان بھائی  
کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ جیسے کبھی کانٹے ان کے راہ میں نہیں آئے تھے۔ وہ ہمیشہ سے  
پھولوں اور پتیوں پر چل رہی ہیں۔

وہ آ جاتے تو کھل اٹھتیں۔ کھانا چاہے۔۔۔۔۔ لوازمات۔۔۔۔۔ لے لے کر ان کے  
کمرے میں جاتیں۔ وہ جانے لگتے تو کچھ کچھ خداحافظ کہتیں۔

کیا کچھو باجی حوصلے کا سمندر ہیں؟

یا کچھو باجی بے غیرت ہیں؟

نرین میں پاؤں لٹکا کے بیٹھی رہی ہوں نا؟ تو اس لئے سوچ گئے ہیں \_\_\_\_\_  
 بے جی نے اپنا ہاتھ نکال کر دونوں پاؤں کے اوپر والے حصوں کو ملا \_\_\_\_\_

ہے مٹی مٹھاس ہے اس کی زبان میں \_\_\_\_\_ اک ذرا صورت ہی بری ہے نا؟ تو کیا اسی جمہور کے آگے وہ صورت برداشت نہیں کر سکتی \_\_\_\_\_؟

اسے برداشت کرنی چاہیے۔  
ایک انسان میں دنیا بھر کی خوبیاں نہیں ہو سکتیں اور پھر صورت بنانے والا تو اللہ ہے

ہر طرح سے اس نے اپنے آپ کو سمجھالیا تھا منالیا تھا۔ اس کی مہربانیوں کو بار بار یاد کیا تھا اور دل میں تہیہ کیا تھا کہ اب اس کے ساتھ اپنا رویہ بدل لے گی۔  
مگر اس کی صورت دیکھتے ہی سارے ارادے اور سارے وعدے بھک سے اڑ گئے تھے۔  
اندرونی لال آندھیاں چلنی شروع ہو گئی تھیں اور اب جو وہ اس والہانہ پن سے قریب آ کر بیٹھا تو رواں رواج کے لگا۔  
نفس میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

سارا کڑوا پانی پیوٹوں کے آس پاس اکٹھا ہونے لگا۔

واقعی تمہارے پاؤں سوچ گئے ہیں۔

اس نے اپنے گرم ہاتھوں کا دباؤ پاؤں پر ڈالا۔  
تو رملی کو یہ گرم دباؤ بہت اچھا لگا۔  
واقعی وہ بہت تھک گئی تھی اور جیسے اس کے پاؤں تھکاوٹ سے چیخ رہے تھے۔ معاذ نے محبت سے ہاتھ رکھے تو عجیب سا چین ملا۔  
سارے جسم میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

رملی کا دل چاہا۔ وہ معاذ سے کہے۔ میرے پاؤں اپنی گود میں رکھ لو۔ اور اسی طرح لئے بیٹھے رہو جب تک کہ میں خوابوں کے دیس میں نہ اتر جاؤں۔ ایسے میں اندازہ ہوا کہ ہاتھوں کا لمس تھکے ہوئے اعصاب کو نئی زندگی دیتا ہے۔

آنکھوں پہ پٹی باندھ کے آنکھ پھولی نہ کھلیو۔

اس کے دل نے کہا۔  
آنکھیں کھول کر چلو۔ آنکھیں کھول کر چلنے سے گرنے کا ڈر نہیں رہتا۔

رملی نے پوری آنکھیں کھول کر معاذ کو دیکھا۔ کوئی شے گلے میں اٹک گئی۔

تم آرام کرو رمو۔ معاذ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

بہت ہی اندھال لگ رہی ہو۔

لیٹ جاؤ۔

سو جاؤ۔

رملی حیرت سے معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ ایسا تھا کہ دلی جذبات ظاہر نہ کرتا تھا۔  
معاذ نے پانسی کی طرف رکھا ہوا کمر بٹھا دیا۔

اور بڑے پیار سے بولا۔

لیٹ جاؤ میں تمہارے اوپر کمر ڈال دوں۔

اسے حیرت سے ہنسی ہوئی رملی اسی طرح لمبی ہو گئی۔ چٹ لیٹ گئی۔

معاذ نے آہستہ سے کمر اس کے اوپر اوڑھ دیا۔

ایک بقی بچاؤی۔

رملی کی بولتی نگاہوں کو پڑھ کر بولا۔

آج مجھے دفتر کی کچھ ضروری فائلیں دیکھنا ہیں۔ وہاں بیٹھ کے لیپ جلا کے دیکھتا رہوں گا۔

تم لمبا سفر کر کے آئی ہو۔ آرام کرو۔

رملی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

آنکھیں پھاڑے اسے تک رہی تھی۔ ٹیلی فون پہ اپنی بے تابیوں کا اظہار کرنے والا۔ اسے اصرار کر کے بلانے والا۔  
جنونی سامر دا سے کہہ رہا تھا۔ تم آرام کرو۔

کتنا عجیب شوہر ہے۔ رملی نے دل میں سوچا۔

اس کے قریب آنے کے خیال سے رملی کا رواں رواں احتجاج کر رہا تھا اور اب جو اس نے احساس مندی کی نئی روش اختیار کی۔  
تو یہ رملی کو پہلے سے بھی عجیب لگی۔  
پتہ نہیں یہ آدمی دلوں کا بھید جان لیتا ہے۔ یا خاموشی کی زبان پڑھ لیتا ہے۔  
انسانیت کے درد سے مالا مال ہے۔ یا خبطی ہے۔

خیر۔

اس کے باغی خیالات کو تو پناہ مل گئی۔

معاذ ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔ اور رملی نے بہت آہستہ سے دائیں طرف کروٹ

بدل لی۔

رملی کے بیڈروم کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دروازہ دونوں کمروں کو ملتا تھا۔

یہ کمرہ معاذ نے اپنے دفتری امور کے لئے بنا رکھا تھا۔ اس میں درازوں والی ایک دفتری میز پڑی تھی۔ آرام دہ کرسیاں تھیں۔ فائلوں کے انبار تھے۔ اور معاذ کے پیشے سے منسلک ہر شے وہاں

اور جس دیس کا کوئی نام نہیں۔۔۔۔۔ دل اس دیس میں کیوں جا نکلتا ہے۔۔۔



بڑے مشقت کے کام ہیں۔ مگر انہی کاموں میں اس کی راحت ہے۔ اتنی ذمہ داریاں نہیں اٹھائے گی تو مرد خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

بے جی۔ \_\_\_\_\_ آپ ہمیشہ مرد کی حمایت میں بولتی ہیں۔  
اس عورت کو غصہ آ گیا۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

اچھا تو اپنا غصہ تھوک دے۔ میں آؤں گی کسی دن تیرے گھر۔ \_\_\_\_\_ شبیر سے  
بات کروں گی مگر دیکھو \_\_\_\_\_ لڑائی جھگڑے کے دوران علیحدگی کا لفظ بالکل استعمال نہیں کرتے۔ خواہ میاں بیوی میں کتنی شدید لڑائی ہو رہی ہو۔ یہ لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ یہ لفظ فاصلے پیدا کرتا ہے محبتوں کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ \_\_\_\_\_ ازدواجی زندگی میں محبت ایک فصل کی طرح اگتی ہے۔ بعض اوقات جب اس فصل کو حالات کی کھاد اور احساس کی گرمی نہ ملے تو اس کی نشوونما رک جاتی ہے۔ لیکن جب تم نے لوگ ہر لڑائی کے بعد طلاق کا لفظ زبان پر لانے لگتے ہو۔ تو یہ فصل گل سڑ جاتی ہے۔ \_\_\_\_\_ فصل کا دھیان رکھنا چاہیے۔ اس پر نکھار کا موسم ضرور آتا ہے۔

رملی جو بڑی بے زار سی شکل بنائے بیٹھی تھی۔ بڑے غور سے بے جی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کیا یہ اگلے وقتوں کے لوگ اتنے گہرے ہوتے ہیں؟

میں جاؤں اب بے جی۔ \_\_\_\_\_ وہ عورت کھڑی ہو گئی۔ آپ سے بات کر کے تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آ بھی جاتی ہوں۔

اچھا کرتی ہے۔ زندگی میں کوئی ایسا آدمی ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے آدمی دل کی بات کہہ سکے۔ رنج اور غصے اندر نہیں رکھنے چاہئیں۔ یہ انسان کی خوبصورت عادتوں کو کھاتا ہے۔ اور ان کی جگہ انسان کے اندر کیہ بغض اور تعصب لے لیتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں لوگوں میں اب کتنا حسد آ گیا ہے۔ کیونکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف اندر ہی اندر کھولتے رہتے ہیں۔

پر بے جی۔ \_\_\_\_\_ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن پر کوئی بھروسہ کر سکتا ہے۔

یہ بھی تو ٹھیک کہتی ہے۔ دل کی بات کوئی طرف والا ہی ہضم کر سکتا ہے۔ دل کی بات کہنے کے لئے صحیح آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے۔

بے جی۔ \_\_\_\_\_ وہ عورت بولی اللہ کا شکر ہے۔ آپ مجھے مل گئی ہیں۔ قسم خدا کی ورنہ

میں پاگل ہو جاتی۔ جس رات لڑائی ہوتی ہے۔ صبح دفتر نہیں جاسکتی۔ بس آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ اور ایک ایک بات بتا کے چین ملتا ہے۔

یہی رویہ ٹھیک ہے۔ بیٹی۔ \_\_\_\_\_ اس کام کے لئے گھر کے بزرگ ضروری ہوتے ہیں جن سے تم لوگ دوڑ بھاگنا چاہتی ہو۔ بزرگ اور کسی کام کے قابل ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ان کے دل میں اتنی وسعت اور گہرائی ہوتی ہے کہ تمہاری ہر بات اپنے سینے میں دفن کر لیتے ہیں۔ ان کے نحیف و نزار سینے راز کے کنوئیں ہوتے ہیں ان کے پاس ان کی ساری عمر کا تجربہ ہوتا ہے۔ یہ بزرگ جب تم لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے ماضی میں جو غلطیاں کی ہوتی ہیں ان کی روشنی میں تم لوگوں کو غلطیاں کرنے سے روکتے ہیں۔ زندگی کے ہر تجربے کا رد عمل ایک دم سامنے نہیں آ جاتا بڑھاپا ایک بازگشت ہے۔ جب آدمی ضعیف ہو کر ایک طرف بیٹھتا ہے۔ تو اسے گزری زندگی آئینے کی طرح نظر آنے لگتی ہے کس بات کا کیا نتیجہ نکلا۔ \_\_\_\_\_؟ یہ تجربات کی ڈگر سے گذر کے پتہ چلتا ہے۔ اگر گھر کے بزرگوں پر بھروسہ کیا جائے۔ انہیں اپنا راز دار بنایا جائے اور ان کے تجربوں سے روشنی ادھار لی جائے تو زندگی آسان ہو سکتی ہے۔

بے جی آپ مانیں یا نہ مانیں \_\_\_\_\_ وہ عورت بولی۔

میں نے آپ جیسے سیانے بزرگ بہت کم دیکھے ہیں۔ ایک میری ساس بھی ہیں۔ اپنی جوان بہوؤں سے بس حسد ہی کرتی رہتی ہیں۔ \_\_\_\_\_

ہائے وہی ساس بہو کی رقابت \_\_\_\_\_

بے جی سبزی کاڑے پکڑ کے کھڑی ہو گئیں۔ \_\_\_\_\_

ایک دوسرے کے قریب رہنے کے لئے ایک دوسرے کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

اچھا اب تو جا \_\_\_\_\_ میں پھر کسی روز تیرے ساتھ بات کروں گی۔

جاتے جاتے اس عورت نے رملی کی طرف دیکھا \_\_\_\_\_

اور بولی \_\_\_\_\_

بے جی! آپ بڑی خوش نصیب ہیں۔ آپ کو بڑی اچھی بہول مل گئی ہے۔

کیسی بہورملی \_\_\_\_\_ اس نے پھر رملی سے پوچھا۔

رملی جیسے زبردستی مسکرائی اور بولی۔

یہ کہہ کر اس نے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئی۔  
مگر بے جی نے جو اچھتی سی نگاہ رملی پر ڈالی تھی۔ تو ان کی وہ نگاہ وہیں اٹک گئی۔۔۔۔۔  
جب وہ عورت باہر نکل گئی۔ تو بے جی رملی کے قریب آئیں۔ بڑے تردد سے اس کا چہرہ  
دیکھا۔ پھر اس کے پاس چار پائی پریٹھ گئیں۔  
کیا بات ہے، دوہنی۔۔۔۔۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی تجربہ کار بوڑھی آنکھیں  
گاڑ دیں۔

اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر پوچھا \_\_\_\_\_  
 کب سے ہے یہ حالت \_\_\_\_\_؟  
 بچھلی رات سے \_\_\_\_\_  
 بچھلی رات سے \_\_\_\_\_ اور تو نے مجھے بتایا نہیں۔۔۔۔۔ ہائے ہائے یہ لڑکیاں۔۔۔۔۔  
 بے جی پریشان ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

آخر مجھے بتایا کیوں نہیں \_\_\_\_\_؟  
ہائے بے جی \_\_\_\_\_ رملی بلک بلک کر رونے لگی۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ دیکھیے گا  
میں مرجاؤں گی۔۔۔۔۔ آج میں ضرور مرجاؤں گی۔  
جھلی۔۔۔۔۔ بے جی پھر ٹپٹا کر اس کی چار پائی پر بیٹھ گئیں۔  
منہ سے خیر کا کلمہ نکال۔۔۔۔۔ اللہ اللہ کر \_\_\_\_\_ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا  
ابھی۔۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔ دیکھنا تو سہی۔۔۔۔۔

بے جی۔۔۔۔۔ بے جی۔۔۔۔۔ رملی روتے روتے بولی۔  
 پلیز میری امی کو بلا دیں \_\_\_\_\_ بلا دیں نا؟ میری امی کو \_\_\_\_\_ ورنہ میں مر جاؤ گی۔

یہ کیا ہے بے جی \_\_\_\_\_ ؟  
دودھ ہے بس \_\_\_\_\_ اسے پی لو۔ اس سے درد تیز ہو جائیں گے۔  
بے جی \_\_\_\_\_ رملی چیخنے لگی۔ آپ کیا ظلم کرتی ہیں۔ میری پہلے ہی جان نکلی جا رہی  
\_\_\_\_\_ ہے اور آپ کہتی ہیں درد تیز ہو جائیں۔۔۔۔۔۔ کیوں مارنا چاہتی ہیں مجھے \_\_\_\_\_

بٹی بٹی۔۔۔۔۔ بے جی نے پیالہ تپائی پر رکھ دیا اور اس کو سہارا دے کر اٹھایا۔  
تم ابھی تاثر بہ کار ہو۔ وہاں پہنچ نہیں ہسپتال میں کتنی دیر لگ جائے \_\_\_\_\_ وہ ٹیکہ لگا  
کے تمہیں ایک جگہ ڈال دیں گی۔ یہ گرم دودھ پی لو گی۔۔۔۔۔ تو جلدی سب ہو جائے گا۔ اٹھو  
\_\_\_\_\_ شاباش \_\_\_\_\_ ضد نہیں کرتے۔۔۔۔۔  
اٹھو۔۔۔۔۔ اٹھو۔۔۔۔۔

رملی نے جب اٹھنے کی کوشش کی تو کئی ہزار برچھیاں اس کی جسم میں کھب گئیں آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ زمین و آسمان گھومنے لگے۔ اپنا آپ اپنے ہاتھوں سے چھٹنے لگا۔۔۔ کیسی کڑی مسافت تھی کہ چل بھی نہ رہی تھی۔ پھر بھی تھکن سے چور چور تھی

جوڑ جوڑ الگ ہو رہا تھا \_\_\_\_\_ اور ہمت جواب دے رہی تھی \_\_\_\_\_ سانس پھول رہی تھی۔۔۔۔۔ پتہ نہیں بے بسی کا کونسا مقام تھا \_\_\_\_\_ اس کی آنکھوں سے جھڑی لگی تھی۔ ایسے لگتا تھا بس دم نکلنے والا ہے۔

امی کو فون کیا آپ نے \_\_\_\_\_؟

اس نے ایک گھونٹ دودھ پی کر یوں سر اٹھایا جیسے نزع کے وقت اپنی ماں کو دیکھنا چاہتی ہو۔ نہیں \_\_\_\_\_ بے جی نے آہستہ سے کہا۔

کیوں۔۔۔۔۔ کیوں \_\_\_\_\_ رملی نے ہاتھ مار کر ذرا سا دودھ گرا دیا۔

میں مر رہی ہوں اور آپ میری ماں کو نہیں بلاتیں \_\_\_\_\_

پہلے تم یہ دودھ پی لو \_\_\_\_\_ میں پھر جا کے فون کروں گی \_\_\_\_\_

رملی نے بے دلی سے گھونٹ گھونٹ کر کے دودھ پیا \_\_\_\_\_ دودھ اس طرح گلا چیر

کر جا رہا تھا جیسے ہر گھونٹ کے ساتھ خنجر کی دھار اندر جا رہی ہو۔۔۔۔۔ اندر باہر کوئی سستانے کا مقام نہ تھا \_\_\_\_\_ درد کا ایک گولا تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سکون کی زمین پر قدم نہ نکلتے تھے اور وہ درد کے گرداب میں پھنسی لمحہ بہ لمحہ فضا میں معلق ہوئی جا رہی تھی۔

اس وقت اسے اپنی زندگی بہت پیاری لگی۔ اپنی ذات دنیا کی ہر شے سے قیمتی لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاموش التجا اتر آئی \_\_\_\_\_

مجھے بچالو \_\_\_\_\_ کسی طرح مجھے بچالو \_\_\_\_\_

اس احساس کے ساتھ ہی ماں کی گود میں چھپ جانے کی تمنا جاگ اٹھی \_\_\_\_\_

ماں کی گود \_\_\_\_\_ جو زندگی کے ہر کٹھن اور کڑے لمحوں میں یاد آ جاتی ہے \_\_\_\_\_ جو عافیت کی چھایا ہے \_\_\_\_\_ اور جس گود میں منہ چھپا کر انسان دنیا کے ہر غم سے بے نیاز ہو جاتا ہے \_\_\_\_\_

پلیز امی کو فون کر دیں بے جی \_\_\_\_\_

رملی نے رکتی سانسوں کے درمیان کہا \_\_\_\_\_

اچھا۔۔۔۔۔ بے جی نے پیالہ اٹھایا اور خاموشی سے اندر چلی گئیں \_\_\_\_\_

بے جی کے اٹھتے ہی درد کی ایک لہر آئی \_\_\_\_\_ اور رملی زور سے چیختی \_\_\_\_\_

بے جی واپس آ گئیں۔۔۔۔۔ پاس بیٹھ کے انہوں نے رملی کے دونوں کندھے پکڑ لئے \_\_\_\_\_

اس ایک لمحے میں جب کرب کا دریا اسے ایک نامعلوم جہاں کی طرف بہا لے جانے والا تھا۔ اس نے اپنی سوجی سوجی اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر آسمان کی طرف دیکھا \_\_\_\_\_ اور آنسوؤں کی زبان میں التجا کی \_\_\_\_\_

خدا یا! مجھے۔۔۔۔۔ مجھے بچالے۔۔۔۔۔ میں جینا چاہتی ہوں \_\_\_\_\_ ابھی۔۔۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔۔۔ خدا یا \_\_\_\_\_ خدا یا \_\_\_\_\_ خدا یا \_\_\_\_\_

اور پھر نڈھال ہو کر اس نے سر تکیے پر رکھ دیا۔

اس کے بعد کافی دیر تک سکون رہا اور بے جی اندر جا کر بچے کا سامان اکٹھا کرنے لگیں۔۔۔۔۔

اسی وقت گھبرایا ہوا سا معاذ گھر کے اندر داخل ہوا۔۔۔۔۔

گھبراہٹ میں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور ایسے میں وہ کچھ اور بھی بے ہودہ لگ رہا تھا \_\_\_\_\_

رملی نے اپنی نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا \_\_\_\_\_ تو خوف اور وسوسوں

میں گھرے دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا۔ اس شخص کیلئے تو خدا سے زندگی مانگ رہی ہے۔۔۔۔۔

کیا ہوا ہے رمو \_\_\_\_\_ معاذ ایک دم اس کے قریب بیٹھ گیا۔

رملی نے اپنا بازو اپنی رونی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا۔۔۔۔۔ کیا بتاؤں کیا ہوا ہے؟

رملی پھر رونے لگی۔

جو بھی ہو رہا ہے تمہارے کارن ہو رہا ہے \_\_\_\_\_ کون سا درد گھناؤنا ہے یہ \_\_\_\_\_ نہیں جانتی۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے زندہ رہنے کی خواہش جاگی تھی۔۔۔۔۔ زندگی پیاری لگی تھی \_\_\_\_\_

دنیا خوبصورت لگتی تھی \_\_\_\_\_

تم آئے ہو تو \_\_\_\_\_

وہ سکسنے لگی۔۔۔۔۔

دعا بیچ راہ کے حیران کھڑی ہے \_\_\_\_\_

انسان کتنا تملون مزاج ہے \_\_\_\_\_ پل میں زندگی مانگتا ہے۔ پل میں موت \_\_\_\_\_

آسمان ششدر ہے۔ کس دعا کے لئے دروازہ کھولے \_\_\_\_\_ کس دعا \_\_\_\_\_



کے لئے دروازہ بند کر دے \_\_\_\_\_ ساری دعائیں آسمان کے نیچے کھڑی انسان کو کوئی ہیں

رملی نے ادھر ادھر سر پٹکا۔۔۔۔۔

مجھے نہیں چاہیے زندگی \_\_\_\_\_ مجھے نہیں چاہیے بچہ \_\_\_\_\_

بس۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔

اسی وقت معاذ نے اس کا ٹھنڈا برف ہاتھ پکڑ لیا۔

رموسب ٹھیک ہو جائے گا جان \_\_\_\_\_

اس نے اتنے پیار سے کہا۔ جیسے ارد گرد دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں۔ کتنا ملائم تھا

اس کا لہجہ \_\_\_\_\_ کتنی یقین دہانی تھی اس کے ہاتھ کے لمس میں \_\_\_\_\_ اس کی

پور پورا احسان مندی کا اظہار کر رہی تھی \_\_\_\_\_

اس کی سانس کی خوشبو رملی کے چہرے پر گر رہی تھی \_\_\_\_\_ اور صاف کہہ رہی تھی۔

محبتوں کو مجسم کرنے کے موسم کرب کی آندھیوں میں لپٹے ہوتے ہیں \_\_\_\_\_ اپنا وجود

تقسیم کرتے ہوئے اذیت کی انتہا سے گزرنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔ اس طرح ہم تعلق کی ایک اٹل ڈور

باندھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون سے گرہ لگاتے ہیں \_\_\_\_\_ ایک دوسرے کی روح

کے آ رہا ہو جاتے ہیں \_\_\_\_\_

جس کی بہار سے پہلے۔۔۔۔۔ نازک پل صراط آتے ہیں۔

میں یہاں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے دل کے قریب۔۔۔۔۔ اپنے پیارے کو تکلیف

میں مبتلا دیکھنا سب سے بڑی اذیت ہے \_\_\_\_\_ جب تم درد بانٹ نہیں سکتے۔۔۔۔۔ اور

جب تمہیں درد کی انتہا کا علم ہے۔ تو تم بن چھری کے زخ ہو جاتے ہو۔۔۔۔۔ تڑپ تو میں بھی رہا

ہوں۔ مگر کچھ در طرح سے \_\_\_\_\_

عذاب میں تو میں بھی مبتلا ہوں \_\_\_\_\_ روح تو میری بھی اذیت کے سوا نیزے پہ

ٹنگی ہے۔ جان تو میری ہی نکل رہی ہے \_\_\_\_\_

مگر دونوں کا انداز جدا گانہ ہے \_\_\_\_\_

میں اپنی ساری عقیدتوں کے چراغ جلا کر نرس نرس سے تمہاری زندگی کے لئے دعا مانگوں گا

زندگی۔۔۔۔۔ زندگی۔۔۔۔۔ مجھے نہیں چاہیے زندگی۔۔۔۔۔

رملی پھر زار و قطار رو رہی تھی۔

بے جی کپڑوں کی ٹوکر اٹھائے باہر آئیں تو معاذ کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

جلدی کرو معاذ یہ سامان موٹر میں رکھو اور رملی کو ہسپتال لے چلو \_\_\_\_\_

لیبر روم میں جانے سے پہلے رملی نے ایک بار پھر بے جی سے پوچھا \_\_\_\_\_

بے جی \_\_\_\_\_ میری امی کو فون کر دیا ہے \_\_\_\_\_

کر دیا ہے \_\_\_\_\_ بے جی نے آہستہ سے کہا \_\_\_\_\_

اور پھر تیغ لے کر دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئیں \_\_\_\_\_ معاذ باہر نکل گیا۔۔۔۔۔

ہسپتال کی عمارت سے نکل کر ہرے بھرے لان میں اتنی دور نکل گیا۔ جہاں اسے رملی کی چیخیں نہ

سنائی دیں \_\_\_\_\_

کتنی بلخراش چیخیں تھیں۔ جیسے کوئی اس کی من معنی چاندی رملی کی کھال اتار رہا ہو

اسی لئے شاید ماں کو اتنا بڑا اوجہ دیا گیا \_\_\_\_\_

جب وہ درختوں کے ایک نیم تاریک جھنڈ میں پہنچ گیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مصلے

گھاس پر بچھا دیا \_\_\_\_\_

اور اپنی اک اک سانس کے ساتھ \_\_\_\_\_ اللہ سے اپنی رملی کی زندگی کی بھیک

مانگنے لگا۔ نوافل پڑھتے پڑھتے اس نے نگاہ اٹھا کے سامنے دیکھا تو انٹرنس والے گیٹ پر بے جی

کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں \_\_\_\_\_

معاذ نے جلدی سے مصلے لپیٹا اور ان کی طرف بھاگا۔ دل میں دوسووں کا ایک جھوم تھا اور

دل بڑی طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہکا بکا سا جب وہ قریب پہنچا تو بے جی اسے دیکھ کر ہنس پڑیں۔۔۔۔۔

کیا بات ہے بے جی \_\_\_\_\_؟

وہ بے جی کی ہنسی کا مفہوم بھی سمجھنے سے قاصر لگ رہا تھا۔

اللہ کا کرم ہوا ہے آ جاؤ \_\_\_\_\_

بے جی ہسپتال کے کوریڈور میں مڑ گئیں۔ معاذ بھی ان کے ساتھ ہولیا۔

اور اس کے ساتھ ہی سکون کے بادل چھا گئے تھے۔۔۔۔۔

دو زمروں نے مل کر اسے اسٹریچر پر ڈالا \_\_\_\_\_ اور اسٹریچر دھکیلتے ہوئے لیبر روم سے باہر نکل آئیں۔

بٹی! اس معاملے میں ماؤں کا دل کمزور ہوتا ہے۔ خود اس کرب سے کئی بار گذرتی ہیں۔ مگر اپنی بیٹیوں کو تکلیف میں نہ پڑتا ہے، ہوا نہیں دیکھ سکتیں۔ مریض تو اندر ڈاکٹروں کی تحویل میں ہوتا ہے مگر مریض کے لواحقین، ہسپتال کے سنگدل برآمدوں میں کھڑے کھڑے مر جاتے ہیں۔ اور میں جانتی ہوں تیری ماں کا دل بڑا چھوٹا ہے۔ اس لئے سوچا آ کر ناحق پریشان ہوں گی اور ان کی صورت دیکھ دیکھ کر تم اور بھی گھبرا جاؤ گی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر امی اندر داخل ہوئیں اور رملنی سے لپٹ گئیں۔ امی کی خوشبو نتھنوں



آنکھیں بہت زور سے بند کی ہوئی تھیں۔ جیسے شرط جیت کر ہی کھولے گا۔ باقی نقش و نگار کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔۔۔۔۔ اس میں سے ایک الو ہی خوشبو نکل رہی تھی۔ ریشمی ریشمی چاند کا ٹکڑا کمبل میں یوں لپٹا تھا جیسے آسمان اپنی تمام تر نرمیوں دل آویزیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ ماں کی گود میں اتر آیا ہو۔۔۔۔۔

رملی کے دل سے مامتا کی ایک ہوک اٹھی۔ اندر ایک چشمہ پھوٹا۔۔۔ ایک جھرنے کا منہ کھل گیا۔ اس کا دل چاہا۔ پلٹ کر اس ننھے سے وجود کو اپنے سینے میں بھر لے۔۔۔ اس کے منہ پہ اپنا منہ رکھ دے۔۔۔ دل میں دفن کی ہوئی ساری محبتیں اس پر لٹا دے۔۔۔ ساری گھٹن نکال دے۔۔۔ پتہ نہیں روئے کہ چلائے۔۔۔ بنے قہقہے لگائے۔۔۔ اپنے سے قریب۔۔۔ اپنے بہت پاس۔۔۔ بہت عزیز۔۔۔ دل کے نزدیک ایک وجود۔۔۔ ایک ٹھنڈا میٹھا ٹکڑا محسوس ہو رہا تھا۔

مگر اس نے دل پر جبر کیا۔ یا شاید بے جی سے شرمائی۔ منہ پھیر لیا۔ اسی وقت بچے نے ایک کمزوری اور محسوس سی آواز نکالی۔ شاید وہ احتجاج تھا۔ بے جی نے لپک کر اسے اٹھالیا۔

میرے بچے کو بھوک لگی ہوگی۔ نہانے کے بعد بچے کو ضرور بھوک لگتی ہے۔ انہوں نے اسے سینے سے لگایا۔ پھر بڑی مشاقی سے اٹلے بازو پر اٹھا کر سیدھے ہاتھ سے اس کی بوتل میں پانی اٹھیلنے لگیں۔ پانی میں ذرا سا شہد ملایا اور بستر پر بیٹھ کر اسے گود میں لٹالیا۔ اور پانی پلانے لگیں۔

بچے نے بس ایک ہلکی سی آواز نکالی تھی۔ اس کے بعد پھر مٹھیاں بھینچ کر اپنی دنیا میں گم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔

بے جی کو شش کر کے اس کے منہ میں نیل ڈالتیں اور وہ پھر باہر نکال کر منہ بند کر لیتا۔ تھوڑی سی دیر کو اس کی لال لال زبان نظر آتی اس پر ایک میٹھا قطرہ گرتا۔۔۔ جسے چوس کر وہ پھر منہ بند کر لیتا۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

دیکھو وہی۔۔۔ ہم اسے انسان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔! ابھی تک یہ فرشتہ تھا اور اس کی زبان لذت سے نا آشنا تھی۔ ہم اس کو لذت کی عادت ڈال

رہے ہیں۔۔۔۔۔ بلکہ نیل کی عادت ڈال رہے ہیں۔ پتہ نہیں یہ نیل کس چیز کا بنا ہوگا؟ لیکن ہم ایک خالص دنیاوی اور مصنوعی چیز سے اس کے ذہن کو آشنا کر رہے ہیں جب تک ماں کے پیٹ میں رہا۔ فرشتہ ہی رہا۔ دیکھا تم نے۔۔۔ دنیا میں رہنے کے لئے انسان بننا بہت ضروری ہے۔ اور اس کو انسان ہم اپنے طریقے سے بنا رہے ہیں۔۔۔ ویسے قدرت ان فرشتوں کیلئے ماں کی چھاتی کو مالا مال کر دیتی ہے۔ تاکہ ملاوٹ کے بغیر پاک صاف دودھ ان کے مقدس ذہن میں اترے۔۔۔۔۔ پر جب تک۔۔۔۔۔

انہوں نے نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا۔

اسی وقت رملی کو اپنے سینے میں عجیب سی ٹیسس محسوس ہوئیں۔ بھاری پن۔۔۔۔۔ جیسے پتھر لڑھک کر سینے پر چڑھ آئے ہوں۔ اور رد کی میٹھی میٹھی چھریاں چل رہی ہوں۔۔۔ کیا یہ مامتا۔۔۔؟

اس نے دل میں سوچا۔۔۔ لیکن بچہ پہلوٹھی کا ہو تو دودھ اترنے میں دو چار دن لگ جاتے ہیں۔ تب تک ہم بچوں کو مصنوعی دودھ کی لت لگا دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں جی آج کل خالص انسان نہیں ملتے۔

رملی نے بہت حیران ہو کر بے جی کی طرف دیکھا۔

ایک نیم خواندہ گاؤں کی بوڑھی عورت بڑے مزے سے اپنا فلسفہ بیان کر رہی تھی۔

بھول لگی ہے بچارے کو۔۔۔ مگر دیکھو۔۔۔ ہر بار نیل منہ سے نکال دیتا ہے تھوڑی دیر احتجاج کرے گا۔ پھر قدرت اسے بتائے گی۔ پیٹ بڑا پانی ہے۔ خود ہی پئے گا۔ خود ہی پکڑ لے گا۔۔۔۔۔

مگر بے جی۔۔۔ رملی بے قراری سے بولی۔

آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ اسے بھوک لگی ہے۔

ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ یہ سب دنیا داری کے مرحلے ہیں جو یہ بچہ آپ ہی آپ طے کرے گا۔ زمانے کی ہوا ماں کے کٹن سے مختلف ہوتی ہے۔

ان چالیس دنوں کے اندر ہی تو قدرت اسے بتائے گی۔ وہاں روتا نہیں تھا۔ اور خوراک مل جاتی تھی۔ بادلوں جیسے بستر میں پڑا رہتا تھا۔ تیز روشنی نہیں تھی۔ ارد گرد ماں کی مامتا کا نور تھا۔

پھر ایک دم اپنی ہی بات کاٹ کر بولیں اب تم کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اپنے آپ کو تعلیم یافتہ

اور ماں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے بے جی \_\_\_\_\_ ماں صابر نہیں ہے۔ جس نے اپنے دل کا دھواں اُڑا ہی صورت میں بھی باہر نہیں نکالا \_\_\_\_\_ نفس نفس پتا لے لگا کے بیٹھی ہے۔ آپ کو ہر گن اپنے بیٹے میں ہی نظر آتا ہے \_\_\_\_\_ یہ خوبی بس آپ کے بیٹے میں ہے اور یہ سرخ و سفید گورا چٹا، مکھن جیسا بچہ۔۔۔۔۔

ایاز صاحب کے انتقال کے بعد میں نے سوچ لیا تھا۔ معاذ کے بیٹے کا نام معوذ رکھ دوں گی

ان کے کہنے سے پہلے یہ بات رملی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ کتنی خوبصورتی سے بے جی نے اپنی خواہش بیان کر دی تھی۔ اور رملی میں اتنی ہمت کب تھی کہ ان کی خواہش کی نفی کرتی اول تو وہ رملی پر جان دیتی تھیں۔ بالفرض ایسا نہ بھی ہوتا تو معاذ کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑتا۔ معاذ اپنی ماں کی خوشی کو ہر حال میں مقدم جانتا تھا۔

لیکن اصل بات یہ تھی کہ رملی نے کبھی اپنے بچے کے نام کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس کی صورت ذہن میں نہیں لاتی تھی۔ بھلا اسے نام سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ حالانکہ نوپا ہٹا لڑکیاں چن چن کر افسانوی اور رومانوی نام رکھتی ہیں۔ مگر وہ پورے نو مینے اپنے دل پر پڑے بے نام دکھوں کی گرد ہی جھاڑتی رہ گئی تھی۔ اس لئے نام کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

رملی نے چونک کر دیکھا۔ بے جی اس کی طرف عجیب ماتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ سمجھ رہی تھیں شاید رملی کو یہ نام پسند نہیں آیا۔ یا اس نے اپنے طور پر کوئی اور نام تجویز کر چھوڑا ہے۔ رملی کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا۔ اس لئے لہجہ خوشگوار بنا کے بولی۔

بے جی \_\_\_\_\_ معوذ بڑا خوبصورت نام ہے اور مجھے بھی پسند آیا ہے۔

اللہ تجھے خوش رکھے۔ سدا سہاگن رکھے۔ دنیا کی سب خوشیاں دے تجھے \_\_\_\_\_ بزرگوں کا دل رکھنے والوں کو اللہ دنیا میں بڑا عزت و احترام دیتا ہے۔ دیکھنا تجھے بہت بخت لگے گا \_\_\_\_\_ بہت پھلے پھولے گی تو \_\_\_\_\_ میرے روئیں روئیں سے تیرے لئے دعا نکلتی ہے

رملی نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھوں پر کرب کے بادل چھا گئے تھے۔ بے جی آپ کی دعائیں میری تقدیر تو نہیں بدل سکتیں \_\_\_\_\_ آپ کا بیٹا تو نہیں بدل سکتیں \_\_\_\_\_

میں نیا جیون تو نہیں لاسکتی \_\_\_\_\_

میں تجھے بخنی پلا دوں دوہنی \_\_\_\_\_ بے جی نے اٹھ کے بچے کو اس کی کھاٹ میں لٹا دیا۔ اور تھوڑی دیر بسم اللہ \_\_\_\_\_ بسم اللہ کر کے اسے تھکتی رہیں۔

پھر جالی والا رومال کاٹ کے اوپر ڈال دیا۔

ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ بس جیسے اسکول گاؤں میں ہمارے زمانے میں ہوتے تھے۔۔۔ اس میں میری ماں نے مجھے بھی داخل کر دیا تھا۔ اس زمانے میں لڑکیاں بمشکل پانچ چھ جماعتیں پڑھتی تھیں کہ ان کی شادی ہو جاتی تھی۔ ہاں تو جب میں اردو پڑھنے لگ گئی تو ادھر ادھر سے کتابیں مانگ کر پڑھا کرتی تھی۔ ایک بار میرے ابا نے مجھے ایک کتاب لا کر دی جس میں جنگ بدر کا واقعہ درج تھا۔ اس میں دو جوان بھائیوں کا ذکر تھا جو یہ تہیہ کر کے آئے تھے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا خاتمہ کر کے رہیں گے۔

وہ بے جگری سے جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے رہے۔ انہیں ایک ہی جنون تھا کسی طرح ابوجہل کے قریب پہنچ جائیں۔ آخر ہنگامے کے دوران ان کی عقابانی نظروں نے ابوجہل کا پتہ لگا لیا۔ اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جھپٹ کر اس کی طرف بڑھے۔ اور پے در پے حملے کر کے اسلام کے بڑے دشمن کا پرغور سر قلم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے جوش و خروش اور جذبہ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ابوجہل کے بیٹے نے ایک مجاہد کا بازو تلوار سے کاٹ دیا مگر ایک تسمہ لگا رہ گیا۔ چونکہ یہ لنگتا ہوا بازو لڑنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔ اس لئے اس صاحب ایمان بہادر نو جوان نے اسے الگ کر کے پھینک دیا۔ اور اپنے ایک ہاتھ سے ہی جنگ جاری رکھی۔ جب میں یہ واقعہ پڑھا کرتی تو میرے اندر جوش و خروش کا ایک ولولہ جاگ اٹھتا اور میں سوچتی اے کاش میں بھی لڑکا ہوتی۔ اور کسی جہاد میں شامل ہو سکتی۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

جانتی ہوں خوش نصیب نو جوانوں کے کیا نام تھے۔ ایک کا نام معوذ تھا۔ دوسرے کا نام معاذ تھا۔ بس معوذ اور معاذ \_\_\_\_\_ دونوں نام جیسے میرے دل میں گڑ کر رہ گئے۔ پتہ نہیں یہ کہانی ہمیشہ میرے ذہن میں کیوں محفوظ رہی۔ جب میری شادی ہو گئی تو میں سوچا کرتی تھی۔ میں اپنے بیٹوں کے نام معوذ اور معاذ رکھوں گی۔ اتفاق سے پہلے بیٹی ہو گئی۔ پھر دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ تو میں نے جھٹ اس کا نام معاذ رکھ دیا۔ ایاز صاحب میری اس خواہش کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دن بھی انہوں نے اعتراض نہیں کیا \_\_\_\_\_ لیکن صد افسوس \_\_\_\_\_ وہ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو گئیں \_\_\_\_\_

جیسے یادوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔

پھر سر اٹھا کر بولیں۔

پیالے میں بخنی اٹیل کر لائیں اور کہنے لگیں۔  
وہ بھی یہ بخنی پی لے۔ اور ذرا منہ ٹھیک کر کے سر پر دوپٹہ اوڑھ لے۔ حافظ صاحب آتے ہوں گے۔

کون حافظ صاحب بے جی۔

بٹی یہ ہمارے گاؤں کے حافظ صاحب ہیں۔ بہت ضعیف ہیں۔ انہوں نے معاذ کے کان میں اذان دی تھی۔ اللہ بخشے میری ساس بتاتی تھیں کہ معاذ کے اباجی کے کان میں بھی انہوں نے ہی اذان دی تھی اب نوے سال کے ہو گئے ہیں۔ مسجد کے امام رہے ہیں ساری عمر۔ بڑے باعمل اور باکردار عالم ہیں۔ اب جب کہ یہ زندہ ہیں تو میں نے سوچا معاذ کے بیٹے کے کان میں بھی انہی سے اذان دلوادوں۔ کل شام میں نے معاذ کو گاؤں بھیجا تھا۔ تاکہ بہت آرام سے انہیں اپنی موٹر میں لے آئے۔ بس ابھی وہ لوگ آتے ہوں گے۔

بٹی میرا یہ تجربہ ہے کہ بچے کے کان میں جس شخص کی پہلی آواز جائے وہ انتہائی دین دار اور مومن آدمی ہو تو پوری زندگی ان الفاظ کا بچے کے کردار پر اثر پڑتا ہے۔  
بے جی۔ مگر بچے کو پیدا ہوئے تو آج دوسرا دن ہے اور وہ لگی آوازیں سن چکا ہے۔

ہاں۔ بے جی نے برا سامنہ بتایا۔

بس مشنری ہسپتالوں کی یہی قیامت ہے۔ اپنے نعمات تو ہر صبح سننے پر مجبور کرتے ہیں مگر فوراً مولوی نہیں آسکتا۔ پر کیا کریں بٹی۔ ہر زمانے کے اپنے حالات ہوتے ہیں۔  
ابھی وہ دونوں اس فلسفے پر گفتگو کر رہی تھیں کہ باہر گھنٹی ہوئی اور پھر معاذ ایک سفید ریش سفید بھنودوں والے ایک نحیف و نزار بزرگ کو لیکر اندر داخل ہوا۔

بے جی کھڑی ہو گئیں۔ حافظ صاحب کو کرسی پیش کی۔ معاذ کے ہاتھ میں ایک مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ جو اس نے بے جی کو یہ کہہ کر پکڑا دیا کہ آپ کے لئے حافظ صاحب لائے ہیں۔

بے جی بچے کو اٹھالائیں۔۔۔۔۔ حافظ صاحب نے کانپتے ہاتھوں پر اسے تھام لیا۔۔۔۔۔ مسکرا کر اس کو دیکھا۔ دم کر کے پھونک ماری۔ پھر اس کے دائیں کان میں پہلے اذان دی۔  
اللہ اکبر کی پہلی آواز سن کر بچہ ڈر گیا۔ ہاتھوں کی مٹھیاں کھل گئیں۔ اور پورا کا پورا جھنجھٹا اٹھا ہلی۔۔۔۔۔ ہلی سی چیخ ماری اور پھر کسمانے لگا۔

واقعی اللہ اکبر کی آواز انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔۔۔۔۔ ایک تو نو مولود بھی اس کے

اثر سے غافل نہیں ہے۔ رملی نے دل میں سوچا۔  
باری باری دونوں کانوں میں اذان دے کر حافظ صاحب نے بچہ بے جی کی گود میں دے دیا۔

حافظ صاحب میری بہو کو بھی دم کر دیں

بے جی نے رملی کو ذرا اونچا کر کے بٹھا دیا تھا۔

حافظ صاحب اس کے قریب آئے۔ سر پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر کے دم کرنے لگے۔

رملی کی آنکھوں میں پھر گرم گرم پانی اکٹھا ہونے لگا۔

پتہ نہیں دل میں اتنا سوز کہاں سے آ گیا تھا۔

جوبات منہ سے نہیں نکلتی تھی وہ آنکھوں سے نکلنے کو بیقرار رہتی تھی۔ اور معاذ بڑے غور سے

اور بڑے دلار سے رملی کے زرد ہلدی جیسے چہرے اور کانپتے لرزتے نیلے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا۔



اس لئے یہ سڑک بڑی بارونق تھی۔

شادی سے پہلے رملی اکثر اسی سنور سے شاپنگ کیا کرتی تھی۔ بلکہ چھوٹی موٹی خریداری کیلئے دن میں ایک بار ضرور یہاں جاتی تھی اور کبھی کبھی جب گھر میں کوئی بہن یا بھائی آئی ہوتی تو اسے بار بار کچھ لانے کو بھیجا جاتا۔ بازار میں خریداری کرنا رملی کو بہت پسند تھا۔ مگر جب سے شادی ہوئی تھی۔ وہ نہ تو قرینے سے میکے آ کر رہی اور نہ اپنے دل پسند اسنور پر خریداری کے لئے جاسکی۔ اب کئی دنوں سے وہ بازار جانا چاہ رہی تھی معاذ بھی یہاں نہیں تھا۔ وہ پچھلے ہفتے دفتری کام سے کراچی چلا گیا تھا۔ آج مجبور ہو کر وہ تیار ہو گئی۔ پھر اپنا پرس جماتی باہر نکل آئی۔ سڑک اسی طرح مصروف تھی۔ اپنی شادی کی شاپنگ کرتے ہوئے وہ ہزاروں بار اس سڑک پر سے مختلف جذبات کے ساتھ گزری تھی۔ مگر آج جب اسی سڑک پر چلی جا رہی تھی تو قدم بہت سست تھے۔ ان میں نہ وہ خود اعتمادی تھی اور نہ جوانی کا وہ غرور تھا۔ کتنی عجیب بات ہے۔ اس نے سوچا وہ ایک سال کے اندر اندر بچے کی ماں بن گئی تھی۔ مگر اس کے ذہن نے ابھی تک اس کی شادی کو ہی قبول نہیں کیا تھا۔

اب وہ سڑک پر اس طرح سے جا رہی تھی جیسے مفلوک الحال ہے۔ کل تک جو خزانہ اس نے چھپایا ہوا تھا۔ بے درد ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔ اپنے خالی ہونے کا احساس اسے پہلے بھی کئی بار ہوا تھا۔ اور اب اپنی چال کے نمایاں فرق کو وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔

چھوٹی سڑک کے آخری کونے پر رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ مین روڈ پر کوئی ٹریفک نہیں تھی۔ اس نے سڑک پار کر لی اور اسنور کی طرف بڑھی تو ماچس کی ایک جلتی ہوئی تیلی عین اس کی قمیض کے اگلے حصے پر آ کر لگی۔ ڈر کر وہ ایک قدم پیچھے ہوئی۔ قمیض کو غور سے دیکھا پھر غصے بھری نظر اٹھا کر اس موٹر کی طرف دیکھا جس میں سے تیلی آئی تھی۔

وہاں اسٹیرنگ پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان کے منہ میں سگار تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ماچس تھی۔ سگار کو سلگا کے اس نے بے خیالی میں تیلی اس طرح پھینکی تھی۔ کہ تیز آتی ہوئی رملی کی قمیض کے دامن پر لگی جا کر۔ یہ تو اچھا ہوا کہ قمیض کو لگتے ہی تیلی ہوا سے بجھ گئی۔ ورنہ اس کا دامن جل جاتا۔

جب رملی نے ملامت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور سرتاپا معذرت بن گیا۔

دستور کے مطابق ہسپتال سے رملی اپنی ماں کے گھر آ گئی تھی۔۔۔۔۔ معوذ ایک مہینے کا ہو گیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مگن بھی کر لیا تھا۔ اس روز رملی کو معوذ کے لئے کچھ چیزوں کی خریداری کرنا تھی۔

معوذ کو نہ ہلا دھلا کر سلا دیا۔ پھر ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے اور اپنے لمبے بالوں پر کنگھی کر کے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ پھر پرس پکڑ کے باہر آ گئی۔ اور امی جان سے کہنے لگی۔

امی میں ذرا بازار جا رہی ہوں۔

امی نے مڑ کر دیکھا اور بولیں۔

شام کو تیرے ابا آتے تو ان کے ساتھ چلی جاتی۔

امی جی۔۔۔۔۔ کئی دنوں سے تو ابا جی کے جلدی آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ مگر وہ رات کو اتنی دیر سے آتے ہیں کہ میں جانیں سکتی۔ معوذ کی ضرورت کی سب چیزیں ختم ہو گئی ہیں کل ایک فیڈر بھی ٹوٹ گئی ہے۔ مجھے بھی اپنی کچھ چیزیں لانا ہیں۔ بس یہ سامنے والے سنور پر جاؤں گی جو کچھ یہاں سے مل سکے۔ اے اؤں گی۔ باقی چیزیں پھر ابا جی کے ساتھ جا کر لے لوں گی۔

ٹھیک ہے۔ امی نے دوبارہ عینک لگالی اور اخبار کا اندر والا حصہ اپنے آگے پھیلا لیا۔ خانساں کو ساتھ لیتی جاؤ۔۔۔۔۔

نہیں امی۔ رملی بولی۔

دو قدم پر تو اسنور ہے۔ وہ بیچارہ کوئی کام کر رہا ہو گا اور پھر کون سا میں پہلی مرتبہ جا رہی ہوں۔

رملی کی امی کا گھر چھوٹی سڑک پر تھا۔ لیکن جو نہی چھوٹی سڑک سے نکل کر سامنے میں روڈ پر جائیں تو وہاں ایک بڑا جنرل سنور تھا۔ بلکہ اب وہ ڈیپارٹمنٹل اسنور بن گیا تھا۔ اس کا لوٹی کے لوگ یہیں سے خریداری کرتے تھے۔ چھوٹی سڑک کے اختتام پر ٹھنڈی بوتلیں کا ایک شال بھی تھا۔

کاؤنٹر پر کھڑی ہو گئی۔ اور جب سیلز مین نے آ کر فرمایئے کہا تب اسے خیال آیا کہ اسے باورچی خانے کا سودا سلف نہیں لینا تھا وہ مزی اور مڑ کر اسٹور کے دوسرے حصے میں چلی گئی۔  
اس وقت اسٹور میں کافی خواتین شاپنگ کر رہی تھیں۔ اس نے کسی کی طرف غور نہیں کیا۔ اپنی شوریدہ سرمٹوں کی آواز سے بچنے کے لئے جلدی سے پرس کھول کر کاغذ نکالا جس پر چیزوں کی فہرست لکھی ہوئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ اسے آرڈر دینے لگی۔۔۔۔۔

آرڈر نہیں دینے لگی بلکہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگی۔  
دوکاندار ساری چیزیں نکال نکال کر کاؤنٹر پر رکھتا گیا۔ نیل، بوتلیں، نیپکین گرائپ دائرہ۔۔۔۔۔ صابن لوٹن۔۔۔۔۔

وہ اپنی مرضی کی چیزیں چن کر الگ رکھتی گئی۔۔۔۔۔ اور جب دوکاندار بل بنا رہا تھا اور وہ شوکیس میں پڑی ہوئی چیزوں پر نظر دوڑا رہی تھی تاکہ کچھ اور یاد آ جائے تو لے لے۔۔۔۔۔ اسی وقت ایک سایہ اس کے پیچھے لہرایا۔

مڑ کر دیکھا۔۔۔۔۔ تو وہی کھڑا تھا۔ بالکل قریب۔  
اف اگر وہ دگرگاتی تو اس سے ٹکرا جاتی۔  
کیا اسے اپنی وجاہت کا احساس ہے۔۔۔۔۔

جب وہ سیلز مین سے کسی شے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ رملی نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ درمیانے قد کے ساتھ اس کے بہت ہی متناسب اعضاء تھے۔ پینٹ اور ٹی شرٹ میں بہت ہی کم عمر لگ رہا تھا۔ ہونٹوں کے اوپر بڑی طرح دار مونچھیں تھیں جس سے اس کی شخصیت نکھر گئی تھی وہ ان بہت کم خوش نصیب لوگوں میں سے تھا۔ جن کے چہرے پر مونچھیں اجالا نکھیر دیتی ہیں اس کی گردن میں ایک خاص بات تھی اور وہ بے تحاشہ سگار پی رہا تھا۔ سگار کا دھواں خارج کرتے وقت وہ آنکھیں ذرا سی سکڑ لیتا اور بڑے مزے سے اسے اپنا جلوہ دکھا کے وہ باہر نکل گیا۔ بچے کی خوبصورت اور پیاری پیاری چیزیں جو پھولوں کی طرح آس پاس بکھری ہوئی تھیں رملی سے میلوں دور چلی گئیں۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا۔ اپنا تھیلہ اٹھایا اور جب مڑنے لگی تو ایک فیشن ایبل خاتون سے ٹکرا گئی۔

ارے رملی؟

اس فیشن ایبل خاتون کے منہ سے اپنا نام سن کر اس نے سر اٹھایا اور اس کی طرف غور سے

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے انکساری کی تصویر بن گیا۔۔۔۔۔ بڑے نرم اور رقت آمیز لہجے میں بولا۔

میں معافی چاہتا ہوں غلطی سراسر میری ہے۔ مجھے دیکھ لینا چاہیے تھا اور پھر مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں سڑک پر اس طرح تیلیاں پھینکوں۔۔۔۔۔ سڑک راہگیروں کے لیے ہوتی ہے۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔۔۔۔۔

پلیز۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔ شاید وہ ہاتھ جوڑنے والا تھا یا اس کے احساس ندامت نے ہاتھ جوڑ ہی لیے تھے۔

رملی تو اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔  
چمکتی ہوئی شیشے کی گولیوں کی طرح متحرک اور بے چین آنکھیں۔ اتنی صاف جتنا آسمان کہیں کہیں شفق رنگ ڈورے۔

کتنا خوبصورت آدمی ہے۔۔۔۔۔؟ رملی نے سوچا۔۔۔۔۔  
جی۔۔۔۔۔ کہیں آگ تو نہیں لگی۔ اس نے جھک کر رملی کی ہلکے کاسنی رنگ کی قمیض اس طرح دیکھی جیسے سونگھ رہا ہو۔ پھریوں کھڑا ہو گیا جیسے اس کی خوشبو کا گھونٹ بھر لیا ہو۔  
اللہ کا شکر ہے آپ کو آگ نہیں لگی۔۔۔۔۔

تو تم مجھے آگ لگانا چاہتے تھے۔۔۔۔۔ رملی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔  
میں معافی چاہتا ہوں۔ پلیز معاف کر دیں۔۔۔۔۔

وہ بہت قریب کھڑا تھا۔ اس چمکیلی صبح میں وہ بہت تروتازہ لگ رہا تھا۔ اس کے صحت مند چہرے پر لالیاں ابھری ہوئی تھیں۔۔۔۔۔ بس رملی کی آنکھوں کے آگے اس کا چہرہ چھا گیا اور پھر رملی بل کھا کر اسٹور کے اندر چلی گئی اور اس نے منہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔  
وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔ جب وہ تھکاوٹ سے نیم جان ہو رہی تھی اور اپنا زادراہ لٹا چکی تھی۔ اچانک اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آ گیا تھا۔ ایسا ہی ایک آدمی اس کے ذہن میں رہا کرتا تھا۔ سلگتا ہوا۔ آنکھوں میں شیشے کی گولیاں سجائے۔۔۔۔۔ دور مار میزائل کی طرح خفیہ ٹھکانوں کو پھونکتا ہوا۔۔۔۔۔

اسٹور کے اندر جا کر بھی کافی دیر تک اس کی اٹھل پٹھل سانس ٹھیک نہ ہو سکی۔ جلدی میں وہ غلط

دیکھا

جیدہ تو \_\_\_\_\_؟

پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔۔۔۔۔

خیریت اسی میں تھی کہ وہ کاؤنٹر سے دور ہو جائیں۔ لوگ انہیں کافی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

جیدہ رملی کی کلاس فیلو تھی۔ دونوں اسکول سے اکٹھی کالج آئی تھیں۔ لیکن فرسٹ ایئر کا امتحان دینے کی بجائے جیدہ نے شادی کر لی تھی۔ ان دنوں اس کا رومانس کالج میں بہت مشہور ہوا تھا۔ بلکہ وہ عشق میں نیم پاگل نظر آتی تھی۔ پھر سنا کہ اس کی شادی ہو گئی اور شادی کے کافی عرصہ بعد کسی نے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ انگلینڈ چلی گئی ہے۔

پھر آج اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر اس سے مل کر رملی کو عجیب طرح کی خوشی محسوس ہونے لگی۔

اف: یہ کتنے عرصے بعد ملے ہیں ہم۔۔۔۔۔ امید نہیں تھی میں کبھی تمہیں دیکھوں گی؟

اچھا یہ بتاتی رہی ہوئی ہے کہ نہیں۔۔۔۔۔ بس ویسی ہی لگ رہی ہے۔۔۔۔۔ ہاں تھوڑی سی موٹی ہو گئی ہے۔

رملی سو گوارا سے ہنسی۔۔۔۔۔ معاذ کا چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ دے پائی۔

تو سنا۔۔۔۔۔ کوئی بچہ بھی ہے؟

نہیں۔۔۔۔۔ جیدہ اداسی سے بولی۔

پاکستان کب آئی ہو؟

اب تو عرصہ دراز ہو گیا۔

مگر تو اپنے بارے میں بات گول کر رہی ہے۔ ہے کچھ دال میں کالا۔۔۔۔۔ جیدہ نے اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا دیکھا۔۔۔۔۔ پھر ذرا سامنے کھول کر اندر

جھانکا۔

ارے یہ تو بچے کی چیزیں ہیں۔۔۔۔۔ بتانا۔۔۔۔۔ بتاتی کیوں نہیں۔۔۔۔۔

تیرے بچہ ہوا ہے۔۔۔۔۔؟

رملی اچھکی سی ہنسی پڑی اور سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔۔۔۔۔

کب۔۔۔۔۔ کہاں۔۔۔۔۔

کب ہوئی تیری شادی۔۔۔۔۔؟

اب ساری باتیں اسٹور کے اندر ہی پوچھے گی؟

تو اور کہاں پوچھوں۔۔۔۔۔؟

اچھا تو یہ بتا کہاں رہتی ہے آجکل۔۔۔۔۔؟ رملی نے پوچھا۔

بہیں ماڈل ٹاؤن میں۔۔۔۔۔

نمبر بتا۔۔۔۔۔

بھئی یہ سامنے والی سڑک ہے نا؟ اس کے آخر میں۔۔۔۔۔ 776 نمبر کی کوٹھی ہے نا اس کی انکسی میں آئے ہیں۔۔۔۔۔

غضب خدا کا۔۔۔۔۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں۔ رملی بولی۔

کیوں۔۔۔۔۔ کیا تو ان لوگوں کو جانتی ہے۔۔۔۔۔؟

جانتی کی بچی وہ میرے والدین کا گھر ہے اور آجکل میں وہیں آئی ہوئی ہوں۔

جی۔۔۔۔۔؟

جیدہ نے خوشی سے دھکتے ہوئے کہا۔

مگر میں نے تو تجھے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔۔۔۔۔

کتنے دنوں سے وہاں ہے۔۔۔۔۔؟

چھ مہینے سے۔۔۔۔۔

مجھے یاد ہے امی نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ یہ کرائے دار بڑے اچھے ہیں۔ ایک نو جوان

جوڑا ہے۔۔۔۔۔ مگر میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ تجھے معلوم ہے یہ انکسی پچھلے سال بڑے

بھائی جان نے بنوائی تھی۔ ان دنوں بھائی جان کا ارادہ ہال بچوں کو لے کر پاکستان آنے کا تھا۔ مگر

اب بھائی نے انکار کر دیا ہے۔ کبھی ہیں میں دو سال بعد آؤں گی تو اباجی نے کہا تھا۔ گھر خالی رکھنے

سے بہتر ہے کرائے پر دے دیا جائے۔ پتہ ہے تم پہلے کرائے دار ہو۔۔۔۔۔ اور میرا خیال ہے تم

گھومنے پھرنے کے شوقین ہو۔ اس لئے میں نے تم کو کبھی گھر کے باہر نہیں دیکھا۔

میں تو انہیں ابھی آگ لگانے والا تھا۔  
 (اور جیسے تم نے مجھے پھونک کے نہیں رکھ دیا)  
 اچھا۔۔۔۔۔ جیدہ نے اپنے اسی پرانے انداز میں قہقہہ لگایا۔  
 یادو! پلیز اب بس کرو۔ یہ آگ لگانے والا کھیل بند کرو۔  
 یادو نے نوکری جیدہ کے ہاتھ سے پکڑ لی۔ ڈکی کھولی اور اس میں رکھ دی۔ پھر واپس آ گیا  
 اور اسی بے پروا انداز میں بولا۔  
 یہ تو بہت محتاط معلوم ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دامن کو آگ ہی نہیں لگنے دی  
 دل۔۔۔۔۔ دل۔۔۔۔۔ دل۔۔۔۔۔  
 رملی کے ننھے پھر کئے لگے۔  
 (دل میں بھری آگ جس سے دامن کو بچایا)  
 رملی نے نظریں جھکا لیں۔۔۔۔۔  
 یادو مزے سے لے لے کر اسے تیلی پھینکنے اور رملی کے برہم ہو کر گھورنے کا قصہ  
 سنانے لگا۔

جس طرح یہ گھور کر اندر چلی گئی تھیں۔ میں سمجھا غالباً یہ خاتون گونگی ہیں۔  
 اور اس کی تصدیق کرنے تم اندر چلے آئے۔  
 ویسے فی زمانہ خوبصورت عورت کی یہ ایک ایکسٹرا کوالیفیکیشن ہے کہ وہ گونگی ہو۔  
 یادو۔۔۔۔۔ یادو۔۔۔۔۔ جیدہ مچلنے لگی۔  
 بس اب تم پھر عورتوں کو لتاڑنے لگے۔  
 بھی کسی بہانے سے تو یہ بولیں گی۔ میں نے تو ان کی آواز ہی نہیں سنی  
 اچھا رملی۔ جیدہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔  
 انشاء اللہ آج شام تم سے ملاقات ہوگی۔ ہم دونوں آئیں گے تمہارے بچے اور  
 شوہر کو دیکھنے۔

اسی وقت رملی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ یادو کے چہرے پر سایہ سالہرا یا۔۔۔۔۔ ایسا سایہ  
 جو رملی کے دل پر لہرایا تھا۔ یہ دلوں کے سائے چہروں پر کیوں آ جاتے ہیں؟  
 رملی گھر پہنچی تو اس کا چہرہ بجا بجا تھا۔ ایک مہینے میں اس نے اپنی زندگی کا دھارا موڑ لیا تھا۔

اصل میں ہمارا گیٹ بھی دوسری طرف ہے اور پھر تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم دونوں گھومنے پھرنے  
 کے بہت شوقین ہیں۔ بچہ تو ہے نہیں وہ افسردگی سے بولی۔ تو کیا کریں اپنے آپ کو  
 مصروف رکھتے ہیں۔

رملی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات کا کیا جواب دے۔  
 جیدہ بولی۔

آج تجھے اپنے میاں سے ملاؤں۔ باہر بیٹھے ہیں۔  
 جیدہ نے پہلے بل ادا کیا سودے کی نوکری اٹھائی اور پھر دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئیں۔  
 جیدہ کو دیکھتے ہی وہی آدمی موٹر سے باہر نکل آیا۔  
 اسی وقت ایک کانٹا سا رملی کے دل میں چبھا۔ اور ایک زردی بدلی اس کے  
 چہرے پر چھا گئی۔ بس ذرا کی ذرا۔۔۔۔۔  
 پھر وہ اپنے آپ میں لوٹ آئی۔ بلکہ انتہائی سنگدل فقرے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔  
 یہ میرے شوہر ہیں۔۔۔۔۔

یہ۔۔۔۔۔  
 یہ۔۔۔۔۔  
 یہ۔۔۔۔۔ یہ میرے شوہر ہیں۔  
 شوہر ہیں۔۔۔۔۔ شوہر ہیں۔۔۔۔۔ شوہر ہیں۔۔۔۔۔  
 سڑک کی گرداڑاڑ کر رملی کا مذاق اڑانے لگی تو کسی کی بیوی ہے۔ یہ کسی کا شوہر ہے۔ اس  
 دنیا میں یہی ہوتا رہتا ہے۔

رملی نے ایک زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور اسے سلام کیا۔  
 یادو یہ میری بچپن کی دوست ہے رملی۔  
 یادو۔۔۔۔۔ یادو۔۔۔۔۔ یادو۔۔۔۔۔

رملی نے پلکوں سے یہ نام چنا۔  
 یادو نے بڑے دلکش انداز میں اس ہاتھ سے سلام کیا۔ جس ہاتھ کی دو انگلیوں میں دلائی  
 جاکر پکڑا ہوا تھا۔  
 مسکرایا۔۔۔۔۔ جیسے کسی نے قدح ہاری اناج چھیل دیا ہو اور پھر بولا۔

بچے کے چہرے پر طمانیت کا نور تھا۔  
وہ اس وقت اپنے سب سے قیمتی تحت پر بیٹھا تھا۔  
وہ دنیا کا سب سے امیر انسان تھا۔  
یہ ماں کی حقیر سی گود۔۔۔ اس کی حسین کائنات تھی۔۔۔

اب دیکھو تمہارے سینے سے لگتے ہی چپ ہو گیا \_\_\_\_\_ توبہ توبہ \_\_\_\_\_ نہ چھوڑ  
کے جاما کرو اسے \_\_\_\_\_

لذت سے سرشار ہوتا ہے۔ شاید یہی ماں اور بچے کا تعلق ہے۔  
 شاید دنیا میں اس سے خوبصورت اور کوئی نظارہ نہیں۔۔۔۔۔  
 اس نے اپنے آنسو صاف کر لیے۔۔۔۔۔ دیکھا تو معوذ گہری نیند سو گیا تھا۔۔۔۔۔  
 کتنی جلدی سو جاتا ہے بلا۔۔۔۔۔  
 اس نے محبت سے مسرور ہو کر سوچا۔۔۔۔۔ ماں کا دل نہیں بھرتا اور بچہ سو بھی جاتا ہے۔  
 اسے گود میں لیا تو ساری دنیا سے بے نیاز ہو گئی۔۔۔۔۔ اس نے معوذ کو دونوں ہاتھوں پر  
 اٹھایا اور اپنی کھاٹ میں ڈال دیا۔ اس کے سرخ ہونٹوں پر سفید دودھ کا ایک قطرہ رہ  
 گیا تھا۔۔۔۔۔ یہ قطرہ اسے روشن چاند کی طرح نظر آ رہا تھا۔ جیسے یہ قطرہ اس کے سرخ خون کا  
 دوسرا رنگ ہو۔ مگر اس نے ملل کا رومال اٹھایا اور آہستہ سے اس قطرے کو صاف کر  
 دیا۔۔۔۔۔ معوذ نے موہومی جنبش کی۔۔۔۔۔ پھر سو گیا۔  
 رملی آ کے بستر پہ لیٹ گئی۔ بالکل سیدھی۔۔۔۔۔  
 آنکھیں بند کیں۔۔۔۔۔ تو سرخوں کی گرداڑاڑا کر ایک ہیولہ بنانے لگی۔  
 اف۔۔۔۔۔  
 اس نے گھبرا کر کروٹ بدل لی۔  
 اس وقت اسے محفوظ ترین قلعہ صرف معوذ ہی نظر آ رہا تھا۔

رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔۔۔۔۔  
 اس نے دوسرے ہاتھ سے معوذ کی بند مٹھی پکڑ لی اور اسے اپنے ہونٹوں سے لگایا۔  
 معوذ میری بچے۔۔۔۔۔ دنیا بڑی گندی جگہ ہے۔ مجھے بچالینا۔  
 ان ہونٹوں کا صدقہ۔۔۔۔۔ میرے تن کا ایک ایک دکھ چن لینا۔ مجھے بچا  
 لینا۔۔۔۔۔ رملی باقاعدہ رونے لگی۔  
 وہ کیا جانتی تھی ماما کیا بلا ہوتی ہے۔  
 یہ اس دن معلوم ہوا جس دن معوذ نے مقدس دھاروں کو پہلی مرتبہ اپنے ہونٹوں سے پیا

اور اس مرحلے سے آگہی بھی بے جی کی وجہ سے ہوئی۔  
 وہ بچے کو دودھ پلانے کے حق میں نہیں تھی۔۔۔۔۔ مگر بے جی نے ایک دن ہسپتال میں خوب  
 لیکچر پلایا تھا۔  
 وہی یہ تکلیف تو دو چار دن کی ہے۔ رفتہ رفتہ جب بچہ عادی ہو جائے گا تو تجھے دودھ  
 پلانے میں سکون ملے گا۔ لگی یہ قدرت کے خزانے ہوتے ہیں۔ ان کی ناقدری نہیں کرتے آج  
 کل کی ماؤرن مائیں نہیں جانتیں کہ وہ بچے کو کس شے سے محروم کر دیتی ہیں۔ تبھی تو آج کل ماں  
 اور بچے کا وہ رشتہ نہیں رہا۔ بچے بھی جوان ہوتے ہی پرے پرے ہو جاتے ہیں۔ اور مائیں بھی  
 انہیں ڈبے کے دودھ پہ ڈال کے سرخرو ہو جاتی ہیں۔ میری بات مانو۔۔۔۔۔ اگر بچہ ماں کا  
 دودھ پیتا ہو تو ستر بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور پیٹ تو اس کا کبھی خراب ہوتا نہیں۔  
 ڈھکی چھپی چیزوں میں برکت ہوتی ہے۔ قدرت کا کوئی کام گہری مصلحت سے خالی نہیں ہوتا  
 ۔۔۔۔۔ اور پھر تم کوئی ملازمت پیشہ عورت ہو۔ جو بچے کو ڈبے کا دودھ لگانا چاہتی ہو۔  
 ۔۔۔۔۔ میرا کہا مان جاؤ۔۔۔۔۔ بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

شاباش

بچے کو اللہ کی ایک اچھی نعمت سے محروم نہ کرو۔۔۔۔۔  
 اور روتے روتے رملی نے سوچا۔۔۔۔۔ بے جی نے کتنی صحیح بات بتائی تھی۔ بچے کو  
 دودھ پلا کر اسے کتنا سکون ملتا ہے۔ خود وہ دنیا کے اونچے مینار پر پہنچ جاتی ہے۔ اپنی  
 ذات کے اندر خود اعتمادی کے کنوئیں نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور دل ایک عجیب روحانی

شام بھی ہو گئی۔ جس طرح روز ہو جاتی ہے۔ مگر اس شام۔۔۔ رملی کے اندر اضطراب کی سی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ بظاہر اس نے اپنے دل سے کہا تھا۔ مجھے تو شام کا بالکل بھی انتظار نہیں ہے۔ او نہ۔

مگر بے خیالی میں میں نے اٹھ کر اپنا ایک خوبصورت پرنس سوٹ نکالا اور غسل خانے میں چلی گئی۔ کپڑے بدل کر آئینے کے آگے آکر کھڑی ہو گئی۔ اپنا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کا پیٹ ذرا سا نکل آیا ہے۔ اور اس پیٹ کو فٹ ٹھیک کرنا ہے۔ اپنی پرانی حالت پہ واپس جانا ہے۔ چلی نازک کمر کا دھیان رکھنا ہے۔

مگر کیوں؟

ویسے ہی۔ اس کے دل نے جواب دیا۔

آہستہ آہستہ اس نے میک اپ کیا۔ اپنی خوبصورت اور اداس آنکھوں کو مسکارے سے سنوارا۔ لمبے چمک دار بالوں پر برش کر کے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ گھوم کے اپنے آپ کو آگے پیچھے سے دیکھا۔

ایسا کیوں کر رہی ہے۔

ویسے ہی۔۔۔۔۔

کوئی آنے والا ہے؟

کوئی نہیں۔

کوئی نہیں۔

کوئی نہیں۔

سر سر کرتے بال ادھر ادھر بکھر کر اس کا مذاق اڑانے لگے۔

او نہ۔

میں شادی شدہ عورت ہوں۔ مجھے سنگھار کرنے کا حق نہیں۔

توبہ \_\_\_\_\_ استغفر اللہ \_\_\_\_\_  
 وہ تو ایک بچے کی ماں ہے۔ اس دنیا میں ایسی مائیں بھی ہیں۔ جنہیں شوہروں نے ایک بچے کے بعد پلٹ کے نہ پوچھا۔ مگر انہوں نے اس ایک بچے کے سہارے زندگی گزار دی \_\_\_\_\_  
 عورت قناعت کی لاشی تھام لے \_\_\_\_\_ تو زندگی کے گھپ اندھیرے سے پایادہ نکل جاتی ہے۔

میرے بچے \_\_\_\_\_ اس نے سوئے ہوئے معوذ کو دیکھا \_\_\_\_\_ تو دودھ کے سمندر میں ابال آ گیا \_\_\_\_\_

میرے بچے تیری ماں گھٹیا اور کمینہ نہیں ہے۔  
 کھڑی ہو گئی بچے کے دودھ کے برتن اٹھائے اور کچن میں چلی گئی۔ ہر روز کچن میں جا کر وہ خود اس کے برتن ابالتی تھی۔ نوکر پر بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ برتن ابالنے کے دوران نوکروں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گئی۔ بالوں کو پلیٹ کر پیچھے گولہ سا بنا لیا۔ دوپٹہ اتار کر دور پھینک دیا \_\_\_\_\_ اور مین پر کھڑی دھڑا دھڑ برش چلا رہی تھی۔ جب ملازم نے آکر کہا۔

جی آپ کے وزیرز آئے ہیں \_\_\_\_\_  
 کون لوگ ہیں \_\_\_\_\_؟ رملی نے گھبرا کر یوں پوچھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے کسی کا انتظار نہیں تھا۔

جی ایک صاحب ہیں اور ایک بیگم صاحبہ ہیں۔  
 جاؤ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔۔۔۔۔

رملی نے ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کئے۔ دوپٹہ اٹھایا۔ سر کو جھٹک کر اپنے بال کھولے اور دل میں کہا۔ کاش آج یہ لوگ نہ آتے \_\_\_\_\_

آگئے ہیں تو کیا ہے۔ اس کے دل نے کہا \_\_\_\_\_ کیا تو اتنی کمزور اور پلپلی ہے نہیں میں تو اپنے حالات سے بہت مطمئن ہوں \_\_\_\_\_ بہت مگن ہوں \_\_\_\_\_

بہت۔۔۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔  
 خوش \_\_\_\_\_ خوش کہنے کا اسے حوصلہ نہ ہوا۔۔۔۔۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو جیدہ مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔ ساتھ ہی یاد بھی کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں سگار تھا \_\_\_\_\_

اس نے سگار والی انگلیوں سے اسی طرح اسے سلام کیا اور پھر سب بیٹھ گئے۔  
 تمہارا بیٹا کہاں ہے \_\_\_\_\_؟  
 جیدہ نے پوچھا۔

سورہا ہے \_\_\_\_\_  
 کتنے دنوں کا ہے؟ \_\_\_\_\_

ابھی صرف ایک مہینے کا ہے \_\_\_\_\_  
 رملی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

کیا نام رکھا ہے \_\_\_\_\_؟  
 معوذ \_\_\_\_\_

تمہارا شوہر کہاں ہے \_\_\_\_\_؟  
 کراچی گئے ہیں \_\_\_\_\_

کب آئے گا \_\_\_\_\_؟  
 بس دو چار دن میں آ جائیں گے۔

اور تمہارے شوہر کا کیا نام ہے۔ جیدہ نے پوچھا۔  
 معاذ \_\_\_\_\_

واہ \_\_\_\_\_ کتنے انوکھے نام ہیں۔ اب تک سنے نہیں۔ اس کا مطلب ہے تمہارے شوہر کی شخصیت بھی بڑی انوکھی اور دلکش ہوگی \_\_\_\_\_

ہاں \_\_\_\_\_ پھر وہ شوخی سے مسکرا کر بولی \_\_\_\_\_  
 تو خود بھی تو شروع دن سے بڑی انوکھی اور رر حدارتھی۔ یاد ہے۔ تیری انوکھی نرالی عادتوں کی وجہ سے ہم لوگ تجھے شہزادی مارگریٹ کہا کرتے تھے۔

رملی نے ہنس کر سر جھکا لیا۔ وہ زمانے جو گذر گئے۔ ان کا ذکر کیا \_\_\_\_\_؟  
 وہ کہانیاں جو کبھی نہ گئیں ان کا عنوان کیوں دھریں \_\_\_\_\_

تمہیں پتہ ہے یاد \_\_\_\_\_ جیدہ خوش دلی سے بولی۔  
 رملی کو بھی کوئی پسند نہیں آتا تھا۔ ہر آدمی میں کیڑے نکالتی تھی۔ ہر ایک پر پھبتیاں کستی تھی۔

ہم کہتے تھے پتہ نہیں اس کے لیے آسمانوں سے کوئی شہزادہ اترے گا \_\_\_\_\_؟



چائے کے دوران گپ شپ ہوتی رہی۔

اتنے میں جیدہ فون کر کے آئی۔

اس کی لٹو بھی زندگی تھیں لڑکے بچنے ملی ہو۔۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔۔ جیسے چہرے کے ہر زاویہ اس

دیا ہو  
مگر وہ اسی دلکش انداز میں مسکرا رہا تھا  
ان کے پاس پیسے کو بہت کچھ ہے

دوسرے روز جمعہ تھا اور معاذ کہہ کر گیا تھا کہ وہ جمعے تک ضرور آجائے گا۔ اس لئے رملی کا دل چاہ رہا تھا۔ معاذ کے آنے سے پہلے ایک بار جا کر جیدہ کے گھر سے ہوا آئے۔ جیدہ بھی تو جاتے جاتے کہہ گئی تھی۔

بھئی اب ہمارے گھر ضرور آنا۔ جب تک میکے میں ہو کم از کم روز تو ملتی رہو۔  
جاتے جاتے یاد رہنے کچھ نہیں کہا تھا۔

یاد رکھو آنکھوں سے باتیں کرنے کا فن خوب آتا تھا۔ ایک نظر دیکھتا اور سب کچھ کہہ دیتا۔  
جاتے ہوئے اس نے اس طرح دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔  
کیسے نہیں آؤ گی۔ میں دل اور آنکھیں بچھا کر رکھوں گا۔

رملی کا دل مچلنے لگا۔ اس نے معوذ کو نہلا دھلا کر دودھ پلایا اور کھاٹ میں سلا دیا نہانے کے بعد معوذ دو تین گھنٹے سوتا تھا۔ اس لئے تیار ہو کر باہر نکل آئی امی جان کو بتایا کہ وہ ذرا جیدہ کے ہاں جا رہی ہے۔ وہ معوذ کا خیال رکھیں۔ جیدہ کے گھر جانے کے لئے ایک تو راستہ سڑک سے ہو کر جاتا تھا اور دوسرا گھر کے اندر سے ایک چھوٹی سی روش انیکسی کی طرف جاتی تھی رملی اسی روش پر ہولی ادھر کو چلی تو یوں لگا جیسے آج پہلی بار چورری کرنے جا رہی ہے۔ پہلی بار ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ ہے۔ بچوں پر اڑتی ہوئی۔ اپنے ہی سائے سے ڈرتی ہوئی۔ ہوا سے بچ بچ کے چلتی ہوئی۔ آگے پیچھے دیکھتی ہوئی۔ گاہ چونکتی۔ گاہ ٹھٹکتی ہوئی۔۔۔۔۔

دل دھڑکتا تو وہ اسے ملامت کرنے لگتی۔ دل شرمندہ ہوتا تو وہ اسے کوسنے لگتی یہ ذرا سارستہ ہزاروں میل لمبا ہو گیا تھا اور پتہ نہیں کس طرح اس نے ہزاروں میل کا یہ راستہ طے کیا اور جا کر کال نیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ یوں جیسے اس نے شہر ممنوع کے صدر دروازے پر دستک دی ہو یا ناممکنات کی اندھیری وادی سے روشنی کی ایک کرن مانگی ہو۔  
کال نیل پر انگلی رکھ کر اس نے فوراً اٹھالی۔

جیدہ \_\_\_\_\_ آؤ دیکھو کون آیا ہے \_\_\_\_\_؟ میں تو بے ہوش ہونے لگا تھا۔  
جیدہ دوڑ کر بچن سے باہر نکلی اور رملی سے لپٹ گئی۔ جیدہ کے کئے ہوئے بالوں سے پانی  
کے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ اس طرح تروتازہ لگ رہی تھی۔ جیسے ابھی نہا کر نکلی ہو۔  
بہت اچھا کیا تم آگئی ہو رملی \_\_\_\_\_؟ میں ابھی یاور کے لئے چائیس اور کتے بنانے  
لگی تھی۔

تمہارے پاس خانساں نہیں ہے۔ رملی نے ایک بیہودہ سا سوال کر دیا۔  
نہیں یار! جیدہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ پانچ سال انگلینڈ میں رہی تو گھر کا کام  
کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ یہ باہر کے ممالک پھو ہڑ سے پھو ہڑ عورت کو بھی گھر داری کا سلیقہ  
سکھا دیتے ہیں۔

میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ یارو نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

مگر رملی کو یاور کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

تینوں بیٹھ گئے۔

معوذ کو نہیں لائیں۔ جیدہ نے پوچھا۔

یہ اس کے سونے کا وقت ہے۔ پھر اتنا چھوٹا سا تو ہے۔ کیسے لاؤں \_\_\_\_\_؟

ڈارلنگ پہلے ایک ایک کپ کافی پلوؤ۔ پھر باتیں ہوں گی یاور نے جیدہ کی طرف دیکھ  
کر کہا۔

ہاں بنالاتی ہوں۔ جیدہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

چلو میں بھی تمہارے ساتھ کچن میں چلتی ہوں۔ رملی بھی کھڑی ہوگئی۔

نہیں نہیں رملی تم یاور کے پاس بیٹھو۔ جیدہ نے سادگی سے کہا۔ بھئی میرا شوہر کوئی اتنا  
خوفناک آدمی نہیں کہ تم اس کے پاس بیٹھنے سے گھبرا رہی ہو۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ رملی نے سنجیدگی سے کہا۔ میں نے سوچا تمہاری مدد کر دوں گی تو  
تم جلدی آ کر یہاں بیٹھ سکوگی۔

میں آج جلدی تمہارے پاس آ کر بیٹھ سکوں گی۔ بلکہ آتی جاتی رہوں گی۔ جمعہ کے روز ہم  
لوگ ناشتہ تو کرتے نہیں۔ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اور میں نے بہت سی چیزیں چولہے پر رکھ  
چھوڑی ہیں۔

لیکن گھنٹی کی آواز اندر جا چکی تھی \_\_\_\_\_ اور جیسے اندر ہر شے ہمہ تن انتظار تھی۔ اس  
نے گھنٹی پر انگلی کیا رکھی سارا گھر جاگ اٹھا۔ مڈیروں پر رکھے انتظار کے چراغ لودے اٹھے اور  
شہنایاں بجنے لگیں۔

دروازہ یاور نے یوں کھولا جیسے ساری رات چھپ کے دروازے کے پیچھے کھڑا رہا ہو ذرا سا  
دروازہ کھول کر باہر یوں دیکھا \_\_\_\_\_ جیسے سیاہ بادلوں کی چادر چیر کر چاند نے دنیا کو جھانکا ہو

ایک دم \_\_\_\_\_ بالکل اچانک \_\_\_\_\_ کہ رملی اپنا چہرہ پیچھے کرنا بھول گئی۔ اور

اس کے سانسوں سے نکلنے والی سگار کی خوشبو نے بڑھ کے رملی کے چہرے کو چوم لیا۔

اپنے جی میں کھائی ہوئی ساری قسمیں بھک سے اڑ گئیں ارادوں کی فصیلیں گر گئیں۔۔۔ عقل کی

اوچی برجیوں پر بیٹھی ہوئی اخلاقیات کی ساری فوجوں نے مورچے ہٹا لئے۔۔۔۔۔ بغاوت کے

بارود نے دھامیں دھامیں ساری روایات کو پھونکنا شروع کر دیا۔ رملی کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ غنیم

کے محاصرے میں کھڑی ہے۔

اور دشمن بھی وہ \_\_\_\_\_ جو اس کی جان کا دشمن تھا \_\_\_\_\_ تن کا دشمن تھا۔ من کا

دشمن تھا۔

ذرا سا چہرہ باہر نکال کے پاگلوں کی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں

کے طلسم سے رملی پتھر کی ہو گئی تھی۔

سرگوشی میں بولا \_\_\_\_\_

کل رت سے انتظار کر رہا ہوں۔ اب آئی ہو؟

اب آئی ہو۔۔۔۔۔ اب آئی ہو۔۔۔۔۔ دروازے کے باہر چھت تک لٹکی ہوئی زخمہ حیات

کی بیل کے بڑے بڑے پتے تال دئے کے گنگنا نے لگے۔

ایک ننھے سے لمحے میں اس پر زندگی کا سب سے بڑا حملہ ہو گیا اور اس نے پسپائی کا اعتراف

بھی کر لیا۔ اودنیا میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلا \_\_\_\_\_

آپے آئے \_\_\_\_\_ اندر تشریف لائے \_\_\_\_\_

پسپائی کی گھڑی کو دونوں ہاتھوں سے قبول کر کے یاور نے صدر دروازہ کھول دیا اور پھر جیدہ

کو آواز دی۔

پھر تو میں بہت غلط وقت پر آ گئی ہوں۔

ارے نہیں \_\_\_\_\_ جیدہ نے رملی کو زبردستی بٹھا دیا۔ اگر میں بچن میں زیادہ وقت لگاؤں تو یاد رہے۔ اور بہت بڑا ہوتا ہے۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ تم اس کو کمپنی دو جب تک میں سب تیار کر لوگی۔

لیکن تم اپنی سہیلی کو میری شرافت کی کوئی سند تو دیتی جاؤ۔ جاتی ہوئی جیدہ کو یاد رہے روک کر کہا۔ انہیں بتاؤ کہ میں ایک بے ضرر انسان اور بیچارہ سا شوہر ہوں \_\_\_\_\_ جیدہ نے اپنا مخصوص قبضہ لگایا۔

بھی رملی ڈر نہیں۔ یاد رکھ رہا ہے۔ یہ بڑا مسکین اور مظلوم شوہر ہے۔ اس کی شرافت کی گواہی میں دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر جیدہ باہر نکل گئی۔ شرم سے رملی کا منہ سرخ ہو گیا۔

بیٹھ گئی اور اپنی شرمندگی پر قابو پا کر بولی۔

آپ لوگ دوسرے کی نیت پر شک کیوں کرتے ہیں۔

شک تو آپ کو میری نیت پر ہے۔ یاد رو بدو بولا۔

کیا شک ہے \_\_\_\_\_؟ رملی نے ہمت کر کے پوچھا۔

جواب دینے سے پہلے وہ ہنسا۔ اس کے موتیوں جیسے دانت نمایاں ہو گئے۔ گھبراہٹ

بھرائی رملی اس کے دانتوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اسی وقت اسے خیال آیا۔ اس نے کبھی معاذ کے

دانتوں کو غور سے نہیں دیکھا۔ ایک سال ہو گیا شادی کو۔ مگر اس نے معاذ کے دانت دیکھے ہی نہیں

\_\_\_\_\_ جب کہ۔۔۔ تیسری ملاقات پر اسے یاد کے دانت نظر آ گئے تھے۔ ہنستا ہوا بہت اچھا

نہ رہا تھا۔ باگلی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت بے اختیار رملی کا دل چاہا کہ اپنا کلیجہ

نکال کر اس کے آگے ڈال دے۔ اور کہے \_\_\_\_\_ ظالم آدمی! لے اسے میرے سامنے چبا

لے۔ روز روز کے جھنجھٹ سے تو نجات ملے۔

تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ان مردوں میں سے ہوں جو ہر خوبصورت لڑکی پر جھٹ عاشق ہو

جاتے ہیں۔ یعنی پیشہ ور عاشق ہوں \_\_\_\_\_

اف \_\_\_\_\_ رملی کے دل نے ڈبکی لگائی۔

سوچتی تو وہ بھی ایسا ہی تھی۔ مگر اس خیال کو اس نے کبھی آنکھوں میں بھر کر اس کی طرف نہیں

دیکھا تھا۔ جانے اسے کیسے معلوم ہو گیا۔ رملی اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے قالین کو کریدنے لگی۔ جواب نہیں دیا۔

تو وہ دوبارہ بولا \_\_\_\_\_

یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں دیکھا \_\_\_\_\_ اور تم سے عشق ہو گیا۔ مگر میں پیشہ ور عاشق نہیں ہوں \_\_\_\_\_

اسی وقت ایک ٹرے اٹھائے جیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ رملی اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اگر جیدہ اندر نہ آ جاتی تو وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جو دعا کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ آنسوؤں سے بھر دیتی۔ ہاتھ پھیلا ہوا اور آدمی دعا نہ مانگ سکے \_\_\_\_\_ زبان چل رہی ہو۔ تمنا سامنے ہوا اور آدمی اس کا نام نہ لے سکے تو کیسی بے بسی کا مقام ہوتا ہے۔

تم دونوں گم صدم کیوں بیٹھے ہو \_\_\_\_\_؟ جیدہ نے تپائی کھسکا کے اس پر سنیکس رکھ دیئے۔ جب تک میں کافی لاؤں کچھ کھاؤ۔

بھئی رملی تم کیوں شرمنا رہی ہو۔ بات کرو نا؟ میرے شوہر سے \_\_\_\_\_ پھر جیدہ نے یاد رکھی طرف دیکھا۔

اور یاد رکھتی حیرت کی بات ہے۔ اتنی حسین لڑکی تمہارے سامنے بیٹھی ہے اور تم بھی خاموش ہو۔ حالانکہ تمہارے آگے کسی خوبصورت لڑکی کو بٹھا دیں تو تمہارے منہ سے پھول جھڑنے لگتے ہیں۔

بعض حسین لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ ان کے سامنے زبان لنگ ہو جاتی ہے۔

یاد رہے کش لے کر کہا۔

خیر تمہارے جیسے جب زبان مرد کی زبان کسی کے آگے لنگ نہیں ہو سکتی۔

بھئی معاملہ تمہاری نازک مزاج سہیلی کا ہے \_\_\_\_\_ میں ٹھہرا جنگلی آدمی \_\_\_\_\_

کوئی بات الٹ سلت منہ سے نکل گئی تو تمہاری سہیلی خفا نہ ہو جائے۔

میری سہیلی ایسی ہرگز نہیں ہے۔ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کواٹر

پلیٹ رملی کو پکڑائی اس نے جلدی سے پکڑ لی۔

جیدہ باہر نکل گئی۔

رملی بال برابر باریک بل صراط پر پہنچ گئی۔

[illegible]

تمہاری قسم \_\_\_\_\_ یاد نے پھر ہاتھ کھڑا کیا۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی اب کسی خوبصورت لڑکی کو خوبصورت کہنا گر خوفناک جرم ہے۔ تو تم مجھے سزا دے لو \_\_\_\_\_

یہ تو بند ہو گیا ہے۔

یہ جاگ گیا ہے \_\_\_\_\_؟

اس نے ریسپور اٹھالیا۔ اور جواب دہی سے بچ گئی۔ دوسری طرف معاذ تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ آج شام نہیں آ سکے گا۔ اور اب پرسوں شام کو آئے گا۔

پرسوں آئے یا صدیوں بعد آئے۔

اور جنون نے ایک رستہ دیکھ لیا تھا۔

اس نے اپنے دل کو بہت ڈانٹا۔ لعنت ملامت کی \_\_\_\_\_ برا بھلا کہا۔

پہلے تو سامنے کوئی رستہ نہیں تھا۔ اس لیے سینے پر صبر کی سِل رکھ کر بیٹھی تھی۔ اور اب سامنے

نوفناک حادثہ ہو جاتا ہے \_\_\_\_\_؟

معاذ \_\_\_\_\_ سب اس حادثے کی زد میں آ جائیں گے۔

پھر دل کے اندر سے دہائیاں اٹھنے لگتیں۔

ہیں

تو وہ بے چین ہوا بھٹی۔ کچھ دنوں میں وہ گھر واپس جانے والی تھی۔ پھر تو سب باتیں خواب



کی طرح کچھ کر ختم ہو جائیں گی۔

وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑی ہو گئی۔

امی جی! میں ذرا جیدہ کے ہاں جا رہی ہوں۔

اس وقت \_\_\_\_\_ امی نے ناقدانہ انداز میں اسے دیکھ کر کہا۔

ہاں مجھے اس سے کچھ رسالے لینا تھے۔ صبح تو آپ نے بلوایا تھا میں جلدی میں بھاگی

آئی۔ رسالے نہ لے سکی

امی جی نے نظریں جھکا لیں۔

معوذ سو گیا ہے۔

جی امی \_\_\_\_\_ اور آپ کو معلوم ہے وہ چھ سات گھنٹے سوئے گا۔

لیکن تم ذرا جلدی آ جانا۔

جلدی آ جاؤں گی امی \_\_\_\_\_ معوذ کے کمرے میں جھانکتی رہیے گا۔

یہ کہہ کر رملی نے جھبٹ لگا لی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ سارا رستہ وہ سوچتی گئی وہ کیوں

جا رہی ہے \_\_\_\_\_؟ اسے جانے کی جلدی کیوں ہے \_\_\_\_\_؟ اس کے آگے اس کا دل

کیوں اڑا اڑا جا رہا ہے؟

دنیا میں کبھی کسی نے ناصح کی بات سنی ہے۔ جو رملی کا دل اس کی کسی بات کو سنتا۔ جب اس

نے صدر دروازے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھا تو ارد گرد کی آوازوں سے بے نیاز ہو گئی۔ جیدہ نے خود آ

کے دروازہ کھولا۔

آ گئی ہو رملی \_\_\_\_\_ بائے اچھا کیا

میں نے صبح تم سے کہا تھا نا؟ کہ میں دوبارہ آؤں گی۔

واقعی اس وقت فون کال سن کر رملی گھبرا گئی تھی جیسے معاذ کسی روزن سے بیٹھا اسے دیکھ رہا

ہے اور اب اس نے اس کی گوشمالی کے لیے جھٹ سے فون کر دیا ہے۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں

جب وہ باہر نکلے گی تو جیدہ نے کہا۔ یاد رکھو تو خدا حافظ کہتی جاؤ۔

میں شام کو پھر آ کر معذرت کر لوں گی۔

اچھا آنا شام کو \_\_\_\_\_

ضرور آؤں گی۔

یہ کہہ کر رملی گھر کی طرف بھاگ گئی تھی۔

آ جاؤ۔ جیدہ نے اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

آج ہم بیڈروم میں بیٹھے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

رملی ذرا سا جھجک گئی بچپن میں امی بتایا کرتی تھیں۔ منہ اٹھا کر کسی کے بیڈروم میں چلے جانا  
چھی بات نہیں ہوتی۔

آ جاؤ \_\_\_\_\_ جیدہ نے اسے رکھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

آ جاؤ بھئی۔ ایسی تکلف کی کون سی بات ہے \_\_\_\_\_؟

کون ہے \_\_\_\_\_؟ یاد رہے یوں بن کر پوچھا جیسے وہ نہیں جانتا کہ کون ہو سکتا ہے۔

بھئی کوئی خوبصورت بندہ ہے تو میں خود لینے آ جاؤں \_\_\_\_\_

یاد رکھی آواز سن کر رملی کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

آہستہ آہستہ چل کر اندر آ گئی۔

یاد رہے بستر میں نیم دراز تھا۔ اوپر ہو کر بیٹھ گیا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ کوئی خوشبودار شخصیت ہے۔ اس لیے تو معطر جھونکے اندر آ

ہے تھے۔

کیسٹ پلیئر پر گیت بج رہے تھے۔

جیدہ نے آگے بڑھ کر آواز آہستہ کر دی۔ رملی ایک نرم سے سنول پر بیٹھ گئی۔

ادھر آ کے بستر پر بیٹھونا ٹھیک طرح سے جیدہ نے اس کا بازو پکڑا۔ ایسے بیٹھی ہو جیسے ابھی

ٹھکر بھاگ جاؤ گی۔

نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔ رملی نے اس کے ڈبل بیڈ پر نظر ڈالی \_\_\_\_\_

بستر پر سلوٹیں تھیں۔ کمبل الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ تکیے چرمائے ہوئے تھے۔ وہ دونوں غالباً

صبح سے بستر میں بیٹھے تھے۔ رملی کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ ساتھی دل پسند ہو تو آدمی دل پسند

شفٹ اپنا سکتا ہے۔ اب یہ میاں بیوی چھٹی کا دن کتنے رومانٹک انداز میں گزار رہے تھے۔ بس

یک دوسرے میں گم تھے۔ رملی کو یکا یک جیدہ سے حسد محسوس ہونے لگا \_\_\_\_\_

موسیقی کا لطف کچھ بستر میں بیٹھ کر ہی آتا ہے۔ جیدہ نے کہا۔ \_\_\_\_\_ دفتری کرسی پر بیٹھ

کر موسیقی کا لطف نہیں آتا۔ اور دیکھو یہ کتنا چھوٹا بیڈروم ہے ایک صوفہ تک اور رکھنے کی گنجائش نہیں



پھر ان پر سر رکھ کر بولا۔

پلیز مجھے معاف کر دو۔

ذرا سی دیر میں رملی کے سر پر قیامت کی گھڑی آنٹھری۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔ دل دھڑکنے لگا۔ بولی۔

یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ خدا کے لیے میرے پاؤں چھوڑ دیں۔ جیدہ آجائے گی۔ یہاں۔۔۔۔۔ کیا کہے گی۔

جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔ اور وعدہ نہیں کرو گی کہ میری بات کا کبھی برا نہیں مانو گی۔ میں یونہی تمہارے پاؤں پکڑے بیٹھا رہوں گا۔ مجھے جیدہ کی پرواہ نہیں اور نہ میں اس دنیا سے ڈرتا ہوں۔

میں وعدہ کرتی ہوں۔ اس کا فقرہ ختم ہوتے ہی رملی بولی۔ آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔

یاد رہے اس کے پاؤں چھوڑ دیئے۔ اور پھر آ کے بستر میں گھس گیا۔ لیکن رملی اپنی کانپتی سرسراتی سانسوں پر قابو نہ پاسکی۔

اف زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہونے چلا تھا۔

اسی وقت جیدہ قبوے کی پیالیاں اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

اس نے پہلی پیالی رملی کو دی۔ مگر رملی کے چہرے پر ننھی ننھی شبنم کی بوندیں شاید اسے نظر نہیں آئیں۔ دوسری پیالی یاد کی طرف بڑھائی۔ تو یاد رکھ کر بولا۔

ڈارلنگ آج تو تم قبوہ مجھے اپنے ہاتھ سے پلاؤ۔

کیوں جی۔۔۔۔۔؟ جیدہ نے اس کی پیالی سائینڈ نیبل پر رکھ دی۔

آج یہ دورہ کیوں پڑا ہے۔۔۔۔۔؟

یاد رہے جیدہ کی کلائی پکڑ لی۔

تم جانتی ہو میں جانے نہیں دوں گا۔ پہلے مجھے قبوہ پلاؤ۔

اچھا ابھی اپنی پیالی تو پرے رکھ دوں۔

نہیں اپنی پیالی یہیں رہنے دو۔ وہ میں تمہیں خود پلاؤں گا۔

یاد رہے جب تم بچوں والی ضدیں کرتے ہو تو مجھے بڑا غصہ آتا ہے۔ جیدہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

اور پیالی اٹھا کے اس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔

تم سے سو بار کہا ہے میں نے کہ مجھے گھر میں اپنا بچہ ہی سمجھا کرو۔

بس تمہارے ناز اٹھاتے اٹھاتے تو میں مر مٹ جاؤں گی۔

ڈارلنگ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ دیکھو تمہاری سہیلی کیا کہنے گی۔

رملی آہستہ آہستہ قبوے کے گھونٹ پیئے گی اور یاد کی فطرت پر غور کرنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد جیدہ نے اٹھ کر کہا۔

تم اپنی پسند بتاؤ رملی ہمارے پاس بہت اچھی COLLECTION ہے۔

میری کوئی پسند نہیں ہے۔

میں نہیں مان سکتی۔ جیدہ نے کہا۔

بھئی اصل میں مجھے تو درد بھرے گیت پسند ہیں۔ اور آج کے زمانے میں درد بھرے گیت

کون سننا چاہتا ہے۔

اس کا مطلب ہے تمہاری زندگی میں کوئی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ خدا خواستہ۔۔۔۔۔

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔ اسی وقت یاد رکھ کر بولا۔

جو لوگ دوسروں کو غم دیتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ دردناک گانے پسند آتے ہیں۔

رملی خوشی اور غم کے درمیان معلق ہو گئی۔

کسی بات کی نہ تردید کی جاسکتی تھی نا تا سید۔

اچھا پہلے میں یاد کی پسند کے گیت لگاتی ہوں اس نے اٹھ کے کئی ٹیپ لگا دی۔

وہی عشق کا رونا وہی حسن کی بے نیازی۔

وہ لوگ تھوڑی دیر تک گانے سنتے رہے اور رملی رسالے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

ایک دم جیدہ نے اٹھ کر کیسٹ ریکارڈر بند کر دیا۔ اور کہنے لگی۔

رملی کیا خیال ہے۔ آج یاد سے گیت نہ سنے جائیں۔۔۔۔۔؟

یہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ گاتے ہیں۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

ہائے ظالم بہت اچھا گاتا ہے۔ اس کی آواز نے ہی تو مجھے لوٹا تھا۔

بس کرو جیدہ۔ یاد رکھ لی آواز میں بولا۔ اب اپنی باتوں کو مت کریدو۔ ایک

فرمانے میں گالیاں کرتا تھا۔ اب تو یاد بھی نہیں۔

رملی اسے سینے سے چٹا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میں صدقے جاؤں میرے بچے \_\_\_\_\_

رملی نے کرب سے سوچا \_\_\_\_\_

دوسری بار ایسا ہوا کہ میں اپنے بچے کو بھول گئی۔

خدا یا! خدا یا! کس ڈگر پر میرا پاؤں جا پڑا ہے۔۔۔۔۔ میری لاج

تیرے ہاتھ میں ہے۔۔۔۔۔

ہر عورت کی لاج اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

اس کے دل نے جواب دیا۔ کیا تو نہیں جانتی تو ایک بچے کی ماں ہے۔ اور بچے کی ماں کو خواب دیکھنے کا حق نہیں ہوتا۔ اس کا ہر خواب بچے کے پنگھوڑے سے نکلتا ہے اور بچے کی صورت میں سما جاتا ہے۔

اس نے جھک کر معوذ کا چہرہ چوم لیا۔ ایسی خوشبو نکل رہی تھی اس کے چہرے سے جس پر قربان ہو جانے کو دل چاہتا تھا۔

معوذ میرے بچے میرا دل دو ٹکڑے کیوں ہوا جاتا ہے۔۔۔۔۔؟

ایک ٹکڑا تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور دوسرا ٹکڑا \_\_\_\_\_

اور تو میرے دل کو مضبوطی سے تھام لے بیٹے۔ آخر اس گھیر آندھی میں ہر

بار تیرا ہاتھ مجھ سے کیوں چھوٹ جاتا ہے۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔

اس نے بے تاب ہو کر معوذ کو اپنے سینے میں بھر لیا۔ اور رونے لگی۔

دیکھا \_\_\_\_\_ اس کا ثبوت دیکھ لو۔ جیدہ نے رملی کی طرف دیکھ کر کہا۔ گانے والوں کی

طرح یا اور ہمیشہ پہلے نخرے بہت کرتا ہے۔ اور پھر منٹیں بھی بہت کرواتا ہے۔۔۔۔۔ اب تم جتنی منٹیں کر سکتی ہو کرو \_\_\_\_\_ میں تو آج منٹیں نہیں کروں گی۔

تھوڑی دیر وہ دونوں اسے تنگ کرتی رہیں۔ بالآخر یاور نے اپنی گھمبیر اور سر میں ڈوبی آواز میں ایک غزل گنگنائی شروع کر دی۔

رات گئے جب جھومتے جھامتے رند چلے میخانے سے

شع لپٹ لپٹ کر روئی ادھ جلے پروانے سے

اس کی آواز میں لوچ تھا۔ سوز تھا۔ اور وہ بھی خوب ڈوب کر گارہا تھا۔ دونوں ہی کھو گئی تھیں۔ یہ شعر اس نے بار بار سنایا۔

ہنستی آنکھیں جھک جاتی ہیں، گال گلابی ہو جاتے ہیں

اور نکھر آتا ہے۔ تیرا حسن ترے شرماتے سے

غزل ختم ہوئی تھی کہ باہر سے گھنٹی کی آواز آئی۔ رملی جیسے ہوش میں آ گئی۔

واقعی نوکر اسے بلانے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا بڑی بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔ رملی نے گھڑی دیکھی اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ اور وہ تھوڑی سی دیر کا کہہ آئی تھی۔ اس نے یاور اور

جیدہ کو خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئی۔

گھر پہنچی تو امی معوذ کو کندھے سے لگائے غصے سے ٹہل رہی تھی۔

کیا ہو گیا ہے تمہیں رملی \_\_\_\_\_؟

امی جان نے غصیلی آواز میں کہا۔ ذرا سی دیر کا کہہ گئی تھی اور اتنی دیر لگا دی۔

یہ کب کا جاگا ہے \_\_\_\_\_؟

اس نے امی جان کا جواب دینے کی بجائے۔ معوذ کو اٹھالیا۔

تمہارے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد ہی جاگ گیا تھا۔ اور رو کر اس کا حال برا ہو گیا ہے۔

میں بہلاتے بہلاتے عاجز آ گئی۔ آخر اب نوکر کو بھیج کر بلوایا۔ تم اتنی غیر ذمہ دار تو نہیں تھیں۔ رملی

نے معوذ کو اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کی ننھی ننھی سسکیاں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور مصفا

آنکھوں کے باہر آنسوؤں کے قطرے جمے تھے۔ حالانکہ لوگ کہتے ہیں اتنے معصوم بچے کے

آنسو نہیں نکلتے۔۔۔۔۔ یہ نہیں معصوم فرشتہ کس کرب سے رویا ہوگا کہ آنسو رخساروں پر جمے تھے۔

گہرا کر دیا کرتی تھی۔ بہت جیسے کارمان تھا اس کے دل میں \_\_\_\_\_ اور اپنی زندگی کی مدھم سی لکیر سے بڑا ڈر لگتا تھا لیکن قسمت کی لکیر پر جو بالکل غیر واضح تھی۔ اس پر سارا دن پنسل چلایا کرتی اب اسے معلوم تھا کہ سارا دن قسمت کی لکیر پر پنسل چلانے سے قسمت بدل نہیں جایا کرتی۔ افسانوں اور فلموں والی باتیں سوچا کرتی کہ اگر زندگی کا پھیر الٹا چلنا شروع ہو جائے تو کیا ہو \_\_\_\_\_؟

ہوایوں تھا کہ کل اسے جیدہ کا فون آیا تھا۔ پہلے تو جیدہ نے اس سے شکوہ کیا کہ وہ سرال جا کر اسے بھول گئی ہے۔ پھر بولی۔  
کل شام ہم آئیں گے۔۔۔۔۔ تیرا گھر ادیکھنے \_\_\_\_\_؟ تیرے شوہر سے ملنے \_\_\_\_\_؟

اسے یوں لگا جیسے جیدہ کہہ رہی ہے۔  
کل شام ہم تیرا قتل دیکھنے آئیں گے \_\_\_\_\_  
تیرا زندان دیکھنے آئیں گے \_\_\_\_\_  
تیرا تابوت دیکھنے آئیں گے \_\_\_\_\_  
اور وہ آخری کیل بھی جو تیرے تابوت میں ٹھونکا گیا ہے۔  
اور اس خیال سے ہی اس کے اندر محرومیوں کے ناگ سرسرا نے لگے تھے۔  
ہم آئیں گے۔

یعنی وہ اور یا دور \_\_\_\_\_  
کتنے دن ہو گئے تھے یا اور کو دیکھے ہوئے۔ اس کا نام سنتے ہی اسے دیکھنے کی تڑپ جاگ اٹھی۔۔۔۔۔ لیکن پھر ایک دم اپنی کھوئی زندگی کا خیال آ گیا۔  
وہ جب معاذ کو دیکھے گا تو کیا کہے گا \_\_\_\_\_؟  
کہ گلاب کی کٹی بول سے لٹک رہی ہے \_\_\_\_\_  
اندھیرے سرنگ کے دہانے پر خوش رنگ کی شمع روشن ہے۔  
سارے راز کھل جائیں گے \_\_\_\_\_  
پتہ نہیں وہ ان کے آنے پر اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال سکے گی یا نہیں۔۔۔۔۔ اگر ڈمگ ڈول گئی \_\_\_\_\_

رملی معوذ کو نبلا دھلا کے صاف کپڑے میں لپیٹ کر باہر لائی تو بے جی اپنی منفل سجائے بیٹھی تھیں۔ اس وقت ان کے پاس محلے کی چھ سات تعلیم یافتہ اور فیشن ایبل خواتین بیٹھی تھیں۔ چائے کی ٹرائی آگے رکھے بے جی انہیں مٹھائی پیش کر رہی تھیں۔ پچھلے ہفتے رملی معاذ کے ساتھ اپنے گھر آ گئی تھی۔ ساری کالونی کی عورتیں بے جی سے اس قدر پیار کرتی تھیں کہ ہر روز کوئی نہ کوئی انہیں پوتے کی مبارکباد دینے آ جاتی۔ کوئی مٹھائی کا ڈبہ لا رہی تھی۔ تو کوئی خوشبوؤں میں بسا ہوا تھنہ۔

آج بھی یہ سب عورتیں مل کر بچے کی مبارکباد دینے آئی تھیں اور تھوڑی دیر پہلے بے جی نے رملی کو آواز دے کر کہا تھا کہ وہ معوذ کو لے کر باہر آ جائے۔  
رملی نے جلدی سے معوذ کو نیم گرم پانی سے نہلا کے خوشبوؤں میں بسا دیا۔ اور اب اٹھا کر باہر لے آئی تھی۔

باہر نکلی تو ان عورتوں نے لپک کر معوذ کو اٹھالیا۔ باری باری سب نے دیکھا اور پیار کیا۔ کسی نے تحفے کا پیکٹ دیا تو کسی نے پیسے دے دیئے \_\_\_\_\_  
پھر بے جی نے معوذ کو گود میں لے لیا۔ اور تھپ تھپ کر سنانے لگیں۔ معوذ بے جی کی گود کا انعام دینی ہو گیا تھا کہ ادھر وہ اسے گود میں لٹاتیں اور ادھر وہ ان کی آغوش کی مہک پا کر آنکھیں موند لیتا۔ رملی بھی چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

مگر یوں بیٹھی جیسے اس کی کرسی پر کانٹے بچھے ہوں۔ چہرہ اتر ا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں دس لینے والا اضطراب تھا۔ زبان کہیں گم صم ہو گئی تھی۔ مگر ذہن کشش کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

پتہ نہیں زندگی کے پہلو سے ہر بار نو کیلے کانٹے دار کیوں نکل آتے ہیں۔ کبھی وہ سامنے دروازے کی طرف دیکھتی۔ اور کبھی ہاتھ پھیلا کر اپنی گوری تھیلیوں کو دیکھنے لگتی۔ جس پر بڑی مدھم مدھم لکیریں تھیں۔ کالج کے زمانے میں بھی وہ ہمیشہ پین لے کر اپنی دل و دماغ اور زندگی کی لکیروں کو





بے جی \_\_\_\_\_ رانی بلوچ جلدی سے بولی۔

یہ جو بازار کپڑوں سے بھرے رہتے ہیں۔ ان کا کیا کریں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر دل لچاتا ہے۔  
اول تو اپنے دل کو مٹاؤ، بے جی نے محبت سے کہا۔ شوہر بڑی محنت سے پیسے کماتے ہیں۔  
اسے کسی اچھے کام میں لاؤ۔

یہاں مہینہ مشکل سے گزرتا ہے بے جی \_\_\_\_\_ فریخہ شیخ بولی۔ اور آپ کہتی ہیں پیسے  
کو کسی مصرف میں لاؤ۔

اور پھر ہر مہینے تو کپڑوں کا فیشن بدل جاتا ہے۔ ہم کیا کریں۔ گلنار زیدی پھر بولی۔

یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ یہ صرف تمہاری سوچ کا انداز ہے۔ بس اتنے کپڑے بنایا کرو۔  
جب تک ایک انسان کے لئے ضروری ہیں۔ اپنے اوپر جبر کر کے ایسا کرو۔ اور ایک دو جوڑے کم کر کے  
وہ پیسے کسی ضرورت مند کو دے دیا کرو۔ مثلاً تم سب کا لونی کی عورتیں مل کر سال میں دو تین  
جوڑے کم کر دو۔ اور ان پیسوں کو جمع کر کے کسی غریب کسی یتیم لڑکی کی شادی کر دیا کرو۔ دیکھنا  
تمہیں کتنی خوشی ہوگی اور اس فعل سے اللہ بھی خوش ہوگا \_\_\_\_\_

لو اور سنو \_\_\_\_\_ راضیہ آفریدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

پہلے تو کسی یتیم لڑکی کی تلاش کریں۔ ڈھنڈورا پیئیں \_\_\_\_\_ گلی گلی گھومیں اور پھر

بے جی نے پیار سے جھڑکا۔ ڈھنڈورا پیئنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف اپنے ارد گرد دیکھنے کی  
ضرورت ہے۔ محلے میں آس پاس۔ رشتہ داروں میں \_\_\_\_\_ بہت سے سفید پوش نظر آ جاتے  
ہیں۔ وہ اول خویش والا محاورہ تم نے سنا ہے۔ کون سا خاندان ہے۔ جس میں غریب رشتے دار نہیں  
ہوتے \_\_\_\_\_ مگر لوگ تو غریبوں کو رشتہ دار کہتے ہی نہیں اور دور دور جا کر مدد کرتے ہیں۔

اس بات کا جواب ان عورتوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا \_\_\_\_\_  
رملی برتن رکھ کر آئی تو پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب خواتین پھر موضوع بدلنا چاہتی تھیں۔ اس  
لئے رانی بلوچ نے راضیہ آفریدی سے پوچھا۔

تم نے نیا فلیٹ خریدا ہے \_\_\_\_\_  
وہ بولی ہاں خریدا تو لیا ہے۔ مگر ابھی فرش نہیں کیا۔

کب جا رہی ہو \_\_\_\_\_ ؟

دو مہینے تو لگ جائیں گے؟

تم یہ گھر چھوڑ رہی ہو راضیہ۔ بے جی نے اس سے پوچھا۔

ہاں بے جی کرایہ بہت زیادہ ہے اور پھر اپنا گھر تعمیر کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے اس لیے  
ہم نے بنانا یا فلیٹ خریدا ہے۔

کمرے بہت چھوٹے ہیں ان اپارٹمنٹس کے \_\_\_\_\_ سویرا صادق نے کہا۔ میں  
نے دیکھے تھے۔ بھئی میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

ظاہر ہے تمہاری اتنی بڑی ذاتی کوٹھی ہے تمہارا تو دم گھٹے گا ہی۔ راضیہ نے طنزاً کہا۔

مگر ان فلیٹوں کا ایک فائدہ بھی ہے۔ رانی بلوچ پھر شوخی پر اتر آئی۔ کم از کم رشتہ داروں سے  
نجات مل جاتی ہے۔ کوئی رہنے کے لئے نہیں آیا۔

ساری خواتین ایک دوسرے کو آنکھیں مار کے ہنسنے لگیں۔

خصوصاً سسرالی رشتہ دار \_\_\_\_\_ یہ گلنار زیدی تھی۔

بے جی بھی ہنسنے لگیں۔

پھر کہنے لگیں۔

دیکھو کڑیو! زمانے کے تقاضے ہمارے دیکھتے دیکھتے بدل گئے ہیں۔ پتہ نہیں اسے انقلاب

کہتے ہیں یا ارتقاء \_\_\_\_\_

پہلے زمانے میں جب مہمان گھر میں آتے تھے تو انہیں باعث رحمت سمجھا جاتا تھا۔ اب  
انہیں مصیبت سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے زمانے میں بڑے خوبصورت دستور تھے۔ اور گھر بہت  
چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔ یعنی ایک گھر میں ہی ساس سسر دیور رانیاں جھٹانیاں رہا کرتی  
تھیں۔ بعض دفعہ صرف ایک کمرہ حصے میں آتا ہے اور ایک کمرے والے گھر میں جب کوئی عزیز  
رشتہ دار آ جاتا تھا تو بڑی خوش منائی جاتی تھی ان کے لئے پلنگ بچھائے جاتے تھے بستر لگائے  
جاتے تھے کھانے پکائے جاتے تھے۔

مگر اب میں دیکھتی ہوں۔ جدید گھروں میں بچوں کے بیڈروم الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور  
اگر فالو مہمان آ جائیں تو انہیں ڈرائنگ روم کے فرش پر سلا دیا جاتا ہے اور وہ بھی بے چارے چور  
نہ کر آ جاتے ہیں۔ اور جہاں جگہ ملے سہا جاتے ہیں۔

ہم ہمیشہ اپنے بچوں کو زمین پر سلا دیتے تھے اور پلنگ مہمانوں کے حوالے کرتے تھے۔ اب



آنکھیں اور دماغ تو رکھتے ہیں نا؟ ارد گرد جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تو کر سکتے ہیں۔ انسان کے اندر سے سوچ کی قوت نہیں ختم ہونی چاہیے۔ آج کل کا تعلیم یافتہ طبقہ ہمیشہ دوسرے کے فلسفے کے حوالے دیتا ہے۔

اپنا ذاتی فلسفہ نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں انفرادی سوچ نہ رہے تو انسان سب سے بڑا جاہل بن جاتا ہے۔

ہائے کتنی دیر ہو گئی ہے۔ دیدہ منیر سے شرمندگی سے کہا۔ بے جی کی باتوں میں وقت کا پیہ ہی نہیں چلتا۔ تم سب کا چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔۔۔۔۔۔

ابھی وہ آخری فقروں کا تبادلہ کر رہی تھی کہ سامنے معاذ نمودار ہوا۔ اس نے قریب آ کے سب کو سلام کیا۔ کسی نے بیٹے کی مبارکباد دی تو کسی نے کوئی شوخ فقرہ کہہ دیا۔ وہ سر جھکائے اندر چلا گیا۔

سب خواتین کھڑی ہوئیں تو رملی بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر ان سب کو خدا حافظ کہہ کے وہ معاذ کے پیچھے ہی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ معاذ نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی۔۔۔۔۔۔ کوٹ اتارا۔ اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

رملی نے پوچھا۔ آپ کے لئے چائے لے آؤں؟ اگر تیار ہے تو لے آؤ۔

باورچی خانے میں گرم چائے رکھی تھی۔ رملی ایک پیالی بنا کر لے آئی۔

اس نے جب پیالی معاذ کے ہاتھ میں پکڑائی تو وہ رملی کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

کب آ رہے ہیں بھی تمہارے مہمان؟

رملی کے دل نے ڈبکی لگائی۔۔۔۔۔۔ ایک ٹائیپے میں ڈوبا۔ اور پھر ابھرا

اسے محسوس ہوا جیسے اس کا رنگ تھوڑا سا اڑا ہے۔ ایسے جیسے معاذ نے

اس کے دل کی چوری پکڑ لی ہو۔

وہ ہونٹوں پر زبان بچیر کر بولی۔

چھ بجے آئیں گے

رملی نے کل ہی معاذ کا بتایا تھا کہ جیدہ اس کی بچپن کی دوست ہے۔ وہ اور اس کا شوہر کل

گھر کشادہ ہو گئے ہیں اور دل تنگ ہو گئے ہیں۔

آج کل کے بچے اور طرح کے ہیں بے جی۔ شہلا فاروقی نے کہا۔ ان کی کھانے کی کرسی پر کوئی مہمان بیٹھ جائے تو وہ روٹھ جاتے ہیں۔

تم بڑھے لکھے لوگوں نے ان بچوں کو خود غرض بنایا ہے۔ اپنی نا آسودہ حسرتیں ان پر نکالتے ہو۔ یہ تن آسان اور لالچی ہو جاتے ہیں۔

ہاں بے جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سویرا نے فوراً تسلیم کر لیا۔ اس میں سب قصور ہمارا ہے۔

پہلے زمانے بھی عجیب ہوتے تھے۔ بے جی نے اتنی حسرت سے کہا کہ سارے پرانے زمانے ان کی آنکھوں میں اتر آئے۔ لوگ لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ اب لوگ لوگوں پر برتری ثابت کر کے خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کو پالنے کا ڈھنگ بھی نرالا تھا۔ بچے مہمانوں کا ادب کرتے تھے۔ اچھا اچھا کھانا مہمانوں کو پیش کرنے کا رواج تھا۔ اور جو جھوٹا مونانچ جاتا۔ وہ بچوں کو کھلا کر سلا دیا جاتا۔ بچے بھی بالکل احتجاج نہ کرتے تھے۔ اب تو ابھی نئے زمانے کے تقاضے ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ہر ماڈرن ماں پہلے اپنے بچوں کو ٹھوس ٹھانس کر کھلا دیتی ہے۔ پھر جو بچ جاتا ہے مہمانوں کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے۔ ریفریجریٹر پھلوں سے بھرا رکھا ہے اور کھانے کی میز پر کچھ مہمان آ گئے۔ اب بچہ ضد کر رہا ہے کہ آم کھاؤں گا تو ماں اسے ایک طرف لے جا کر کہتی ہے۔ جاؤ فریق میں سے نکال کے اپنے کمرے میں بیٹھ کے کھاؤ۔ اس طرف مت لانا۔ مہمانوں کو کھلانا پڑ جائے گا۔

اس پر ساری عورتوں نے پھر قہقہہ لگایا۔ جیسے بے جی نے ان کے دل کی بات چرائی ہو۔

بے جی۔ کہیں یہ سب حد سے زیادہ مہنگائی کی وجہ سے تو نہیں؟

دیدہ منیر نے سنجیدگی سے کہا۔

اے بی بی! بس رہنے دے۔ کبھی کسی کو کھلانے سے بھی کمی واقع ہوئی ہے ہر

آدمی اپنا نصیب لے کے آتا ہے۔

اچھا ایک بات تو بتائیں بے جی۔ رانی بلوچ پھر شوخی پر اتر آئی۔

آپ تو کہتی ہیں آپ اگلے زمانے کی ناخواندہ عورت ہیں۔ پھر آپ کو اتنی باتوں کا پیہ

کیسے چل جاتا ہے؟

اب بے جی کے ہنسنے کی باری تھی۔ اچھی طرح ہنس کر بولیں۔





رملی نے حیران ہو کر بے جی کی طرف دیکھا۔ بے جی کو اتنی گہری باتوں کا کیسے پتہ چل جاتا ہے۔  
جیدہ کھسیا کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

آپ بزرگ ہیں۔ آپ تو سب جانتی ہیں۔ آپ سے کیا چھپانا۔۔۔۔۔؟  
ہو گئی تھی ایک ایسی غلطی

مگر اب۔۔۔۔۔ اب ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔  
یہ کہتے ہی جیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بے جی نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بولیں۔

انشاء اللہ تمہارے بچہ ہوگا۔ انسان کو کسی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ مایوسی کو  
پسند نہیں کرتا۔ دوا کے ساتھ۔ دعا بھی کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اللہ کو اس طرح یاد رکھنے کا طریقہ  
بہت پسند ہے۔

جیدہ نے سر جھکا لیا۔ اس کی ٹھوڑی سینے سے جا گئی۔ اسے تو پتہ نہیں کتنا عرصہ ہو گیا تھا  
کبھی نماز ہی نہیں پڑھی تھی۔ اللہ کو یاد نہیں کیا تھا۔ یاد رکھ کے ساتھ رہتے رہتے وہ نہ  
جانے کیسی ہو گئی تھی۔ کبھی پلٹ کر اس نے اپنی حالت پر غور نہیں کیا تھا۔

معوذہ روشنی کے بلب دیکھ کر غوغاں کرنے لگا اب وہ تقریباً دو مہینے کا ہو گیا تھا۔ اور خوب  
پھول رہا تھا۔ جب سے رملی اپنے گھر آئی تھی اس کی ساری ذمہ داری بے جی نے سنبھال لی تھی  
اس کی خوراک کا خیال رکھتیں۔ روزانہ تازہ مکھن سے اس کی ماش کرتیں اور نیم گرم پانی سے  
نہلاتیں۔ شہد میں ملا کر تھوڑا سا مکھن چٹا بھی دیتیں۔ رملی ہائے ہائے کرتی رہ جاتی۔  
مگر وہ اپنے ٹوکے استعمال کرتی رہتیں۔ رات کو بے جی معوذہ کو اپنے کمرے میں سلاتیں تھیں۔

پہلے پہل معاذ نے بہت احتجاج کیا تھا۔ وہ کہتا۔

بے جی آپ بیمار رہتی ہیں۔ آپ کی آرام کرنے کی عمر ہے۔ سارا دن گھر کا کام کرتی ہیں۔  
اور رات کو اس بچے کے ساتھ جاگیں گی۔

تو کیا ہوا۔ کیا تیرے ساتھ نہیں جاگتی تھی؟

اس وقت کی اور بات تھی۔ آپ جوان تھیں اور پھر ہر ماں اپنے بچے کے لئے جاگتی ہے۔

ارے یہ کیا کہہ رہا ہے پگلے۔ کیا معوذہ میرا بچہ نہیں ہے۔

ہے تو بے جی۔۔۔۔۔ معاذ شرمندہ ہو گیا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔ اسے

سمجھنے کی کوشش کریں۔

چل بڑا آیا مجھے سمجھانے۔ تو کیا جانے اصل سے بیان زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

معاذ ہنسنے لگا۔ پھر بے جی کو اپنے ساتھ لپٹا کر بولا۔

بے جی رملی کو ماں بننے دیں۔ اسے یہ تکلیفیں اٹھانے دیں۔ ایسا نہ ہو اسے آرام کی عادت  
پڑ جائے۔

ابھی وہ بھی بچی ہے تو کیا ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے پزار ہتا ہے۔ اسے کیا معلوم رات کو بچے  
کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ کل رات وہ بار بار اٹھ کے اس کو دودھ پلاتی رہی۔ اس طرح بچے  
کا پیٹ خراب ہو جائے گا۔ اصولاً رات کو سات بجے بچے کو دودھ پلا کر سلا دینا چاہیے۔ اور پھر صبح  
چھ سات بجے بچے کو دودھ دینا چاہیے۔ میں چند دنوں میں اسے ساری رات سونے کی عادت  
ڈال دوں گی۔ منہ اندھیرے تو بے چاری اٹھ کر آ جاتی ہے۔

بے جی۔۔۔۔۔ بے جی۔۔۔۔۔ بیمار ہو کر مجھے مصیبت میں نہ ڈال دینا۔

نہیں ہوتی میں بیمار۔۔۔۔۔ تو کہہ کہہ کے مجھے بیمار کر دے گا۔

بھئی ہمارے کمرے میں تو کچھ رونق ہونی چاہیے۔ اس نے آخری پتہ پھینکا۔

اچھا۔۔۔۔۔ بے جی نے گھور کر اسے دیکھا۔ اور بولیں۔

تم دونوں میاں بیوی اپنے لیے ایک اور بچہ پیدا کر لو۔۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔

اس بات پر معاذ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

حد کرتی ہیں آپ بے جی۔ یہ کہہ کر شرمندہ سا اٹھ کر چلا آیا۔

جیدہ بچے کو ہاتھ پاؤں چلاتا دیکھ کر حیران سی ہو رہی تھی۔

لے اٹھا۔۔۔۔۔ اسے گود میں اٹھا۔ بے جی نے معوذہ کو اس کی طرف بڑھایا۔

چھوٹے بچوں کو اٹھایا کرو۔ اس سے دل میں مامتا پیدا ہوتی ہے۔

جیدہ نے ڈرتے ڈرتے معوذہ کو اٹھالیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس کر دیا۔

ہائے یہ تو بہت نرم ہے۔ ڈر لگتا ہے۔۔۔۔۔

بے جی نے بچہ واپس لے لیا۔

اس میں سے کتنی اچھی خوشبو آتی ہے رملی۔ جیدہ ایک دم بولی۔ کیا ہر بچے سے ایسی ہی  
خوشبو آتی ہے۔

یہ خیال تمہیں آج اتنی راتوں بعد کیوں آیا \_\_\_\_\_؟  
 روزی آتا ہے۔  
 تو روز کس طرح چپ چاپ سو جاؤ۔۔۔۔۔

تم جس کالے جادو میں اسیر ہو۔ اس کا توڑ ہے میرے پاس  
 رملی آج پھر بچھ گئی تھی۔ جلنا بجھنا تو اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ مگر یاد اور جیدہ کے جانے  
 کے بعد اس کے دل پر اتنی اوس گری کہ جی چاہنے لگا آج پھر اوندھے منہ جا کر بستر پر گر جائے  
 یا منہ پر تکیہ رکھ کر اندھیرے غار میں چھپ جائے۔



تمہارا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ اب تمہارا جسم بھی تمہارا ساتھ نہیں دیتا۔  
 رملی تڑپ کر سیدھی ہو گئی اور اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ کیا وہ اتنی بد سلیقہ ہے ذرا سی  
 بات بھی نہیں چھپا سکتی۔۔۔۔۔

(کم بخت یہ ذرا سی بات ہے؟)

آپ کبھی کبھی کتنی عجیب بات کہہ دیتے ہیں۔ رملی نے مصنوعی ہنسی کر کہا۔  
 تم بھی کبھی کبھی بہت عجیب ہو جاتی ہو۔ مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میں شوق کی انتہا پر بھاگتا ہوا  
 تمہاری طرف آتا ہوں اور تم برف کے تودے کی طرح اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتیں۔  
 (یہ فریب بھی دینا پڑے گا)

رملی نے باقاعدہ رخ اس کی طرف پھیر لیا۔ مگر اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ اپنی نگہداشت  
 شہادت کا ناخن دانتوں میں ڈال کے کاٹنے لگی۔

برامان گئی ہو۔؟ تھوڑی دیر بعد معاذ نے پوچھا۔

نہیں۔۔۔۔۔ رملی اسی طرح بولی۔ میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانتی۔

اس کا جواب تو یہ تھا کہ تم رمان سے کہہ دو۔

میں آپ کو مانتی ہی نہیں۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر معاذ ہنسنے لگا۔

(اف۔۔۔۔۔ کیسے نکل گئی دل سے یہ بات)

رملی کو شام کے واقعات یاد آنے لگے۔ اس نے یاد سے ملتے وقت بہت احتیاط کی تھی اس  
 سے کوئی بھی بات نہیں کی تھی۔ سارا وقت جیدہ کی طرف متوجہ رہی تھی۔

پتہ نہیں معاذ آج ایسی باتیں کیوں کر رہا تھا۔

رمو جب ہم کسی سے کہتے ہیں۔ میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانتا۔ تو اس کے بس دو ہی  
 مطلب نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اس ہستی کو احترام کی آخری حد پر بٹھا دیا ہے۔ یا پھر اسے  
 درخور اعتنا نہیں جانتے۔ اس قابل ہی نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔

(اف۔۔۔۔۔ رملی نے دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹے)

آپ یہ سمجھ لیجئے۔۔۔۔۔ کہ میں آپ کا بے حد احترام کرتی ہوں۔

میاں بیوی میں صرف احترام کا رشتہ نہیں چلتا۔۔۔۔۔ وہ بولا۔

کیوں اس رشتے میں دوئی نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ رشتہ عشق کا رشتہ ہونا چاہیے

اچانک بالکل اچانک رملی کو شان بھائی یاد آ گئے۔  
 بڑے بد نصیب مرد ہوں گے جو بچے کی وجہ سے الگ کمرے میں جا سوتے ہوں گے۔  
 یہ ضرور ہے رمو! کہ مرد اپنی نیند اور دن کا چین اپنے بچے پر وارد دیتی ہے۔ مگر میں ان مردوں میں  
 سے نہیں ہوں۔ جس طرح نیک عورت مرد کا کیرئیر بنانے میں مدد دیتی ہے۔ اسی طرح محبت  
 کرنے والے مرد کو بچے کی پرورش کا کچھ بوجھ اٹھانا چاہیے۔ اس سے بیوی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔  
 رملی نے ایک دم تڑپ کر معاذ کی طرف دیکھا۔ یوں پوری آنکھیں کھول کر پہلی مرتبہ اس  
 نے معاذ کو دیکھنے کی جرات کی تھی۔ معاذ بھی مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا  
 رہا۔ معاذ کی آنکھیں گو بہت چھوٹی تھیں۔ مگر بالکل صاف ستھری تھیں۔ اتنی  
 چمکدار اتنی صاف ستھری جس طرح مسجد کا صحن۔

رملی نے اتنی صاف ستھری آنکھیں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ گولال ڈوروں والی  
 آنکھیں اس کی کمزوری تھیں۔ مگر معاذ نے تو پلک نہیں چھٹکی تھی۔ یوں تک اسے دیکھ رہا تھا۔  
 جیسے اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ اس کے اندر کوئی جھول نہیں۔ اسے  
 دنیا سے کچھ نہیں چھپانا۔

(کیا۔۔۔۔۔ کیا اس آدمی کو واقعی معلوم نہیں ہے۔ کہ یہ بد صورت آدمی ہے)

اس طرح حیران ہو کر کیوں دیکھ رہی ہو۔ معاذ کا لہجہ محبت سے مہکتے لگا۔

میں نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہے۔؟

اس کی سانسوں سے ایک گرم مگر خوشبودار بھاپ نکلی۔۔۔۔۔

میں اتنا خوبصورت مرد نہیں ہوں۔ مجھے اس طرح نہ دیکھا کرو۔۔۔۔۔ مجھے غلط فہمی ہو جائے گی۔

رملی کا دل دھک سے رہ گیا۔ غیر ارادی طور پر اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

رمو۔۔۔۔۔ معاذ تھوڑی دیر رک کر بولا۔

بچے کی پیدائش کے بعد میں تم میں ایک عجیب تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ رملی کے دل کا چورا دھر

ادھر سر پٹکنے لگا۔

تم صم تو تم پہلے بھی رہا کرتی تھیں۔ میرے ساتھ زیادہ باتیں کرنے کی عادت کبھی بھی نہیں  
 تھی۔ مگر جب سے تم میکے سے آئی ہو۔ مجھ سے بہت سٹ کر رہتی ہو۔ پہلے تمہارا دماغ

عشق میں بے خودی بھی ہوتی ہے \_\_\_\_\_ غلط فہمیاں بھی اور گستاخیاں بھی  
 محبت میں گستاخی بہت اچھی لگتی ہے۔ مرد چاہتا ہے محبت میں کبھی کبھی گستاخی کی جائے  
 بیوی اس کے ساتھ تو تراخ کرے۔ اس کو لڑائی میں سخت ست کہے۔ لڑ بھگڑ کر اپنی  
 بااٹ منوائے \_\_\_\_\_ مرد عجیب جانور ہے \_\_\_\_\_ معاذ نے بھی رخ اس کی طرف  
 پھیر لیا \_\_\_\_\_ مرد ہر چیز چھین کے لینا چاہتا ہے \_\_\_\_\_ لیکن کبھی کبھی  
 جب بیوی چھیننا چھینی کرتی ہے۔ تو اسے بہت اچھا لگتا ہے۔ اکھاڑے میں مار گرانے والا کبھی کبھی  
 چپ ہونا چاہتا ہے۔ اس عورت کے ہاتھوں جس بے وہ محبت کرتا ہے۔ یا جو اس کی محبوب بیوی  
 ہے۔

تم میری بات سمجھ رہی ہونا؟  
 رملی پھر دانتوں سے اپنی انگلی کا ناخن کانٹنے لگی۔

شوہراٹھٹھے بیٹھتے جو بیوی کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ تو یہ دراصل اس کا اعتراف شکست ہوتا  
 ہے کہ ایک ذرا سی عورت اس کی حاصل زندگی ہو گئی۔ سارا دن جو اس کی خامیاں  
 گنواتا ہے تو اس کی کسی باطنی خوبی نے شوہر کو جکڑ رکھا ہوتا ہے \_\_\_\_\_  
 شادی کے بعد مرد کو اظہار محبت سے گن آتی ہے۔ اس لئے وہ ہر دم اپنی برتری ثابت کر کے  
 اپنی محبت کا اظہار کرتا رہتا ہے اور یوں کہتا رہتا ہے میں تمہارے لیے لازم و ملزوم ہوں۔ میں  
 تمہاری ضرورت ہوں۔ تمہارا آسرا ہوں \_\_\_\_\_ وغیرہ وغیرہ  
 اور جواب میں بیوی بھی یہ کہتی رہتی ہے۔ مجھے تمہاری پروا نہیں \_\_\_\_\_ پل میں  
 تمہیں چھوڑ کے نیکے چلی جاؤں گی۔ \_\_\_\_\_ تم سمجھتے کیا ہوا اپنے آپ کو \_\_\_\_\_ مگر جاتا  
 کوئی بھی نہیں \_\_\_\_\_ رمویہ آڑھانہ چھا \_\_\_\_\_ انداز \_\_\_\_\_ میاں بیوی کا محبت  
 کرنے کا انداز ہے \_\_\_\_\_

مگر تم \_\_\_\_\_ تم \_\_\_\_\_  
 تم سو گئی ہو \_\_\_\_\_؟

نہیں تو \_\_\_\_\_ رملی نے ابھی تک انگلی دانتوں میں ڈال رکھی تھی۔

یہ کیا کر رہی ہو \_\_\_\_\_ معاذ نے ہاتھ بڑھا کر رملی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دانتوں سے  
 ناخن کاٹنا مجھے برا لگتا ہے۔ بالکل پراسری پاس لڑکیوں والی حرکت ہے۔

رملی نے آج پہلی مرتبہ معاذ کے ہاتھ کو دیکھا۔ جس نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ایک کالے  
 ہڈ میں ایک گورا ہاتھ تھا۔ مگر ذرا بھی عجیب نہیں لگا اسے \_\_\_\_\_ ہر کالی رات کے ساتھ ایک  
 وراون ہوتا ہے۔ سفید چہرے پر سیاہ بال ہوتے ہیں۔

رملی غور سے اس کا ہاتھ دیکھتی رہی۔ \_\_\_\_\_ مگر آج اس نے ہاتھ چھڑایا نہیں  
 بالکل اچانک اسے یاد کے ہاتھ یاد آ گئے۔ بہت خوبصورت تھے یاد کے ہاتھ  
 انگلیاں مخروطی اور ناخن چمکدار تھے۔ سگار پیتا ہوا بہت اچھا لگتا تھا۔ اور سگار کا دھواں  
 بوڑھا ہوا اور بھی اچھا لگتا تھا \_\_\_\_\_ رملی زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہو گئی

ایک طرف پھولوں بھرا راستہ تھا۔ مگر وہاں ممنوع کا بورڈ لگا تھا \_\_\_\_\_ دوسری  
 رف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ مگر وہاں اس کی اجازتوں کی گلیاں تھیں \_\_\_\_\_ ایک طرف  
 بے دل کی خوشی تھی \_\_\_\_\_ دوسری طرف فرض کے بھاری پتھر تھے \_\_\_\_\_ پتہ نہیں  
 ندگی کے ہر موڑ پر دورا ہا کیوں آ جاتا ہے۔ کیا وہ یاد کے ملنے سے پہلے وہ خوش تھی  
 ؟

اور اب \_\_\_\_\_ یاد سے ملنے کے بعد \_\_\_\_\_؟

ہاں ایک خواب مجسم ہو گیا ہے۔ وہ اس کو آنکھوں میں سجا کر معاذ کے ساتھ چل سکتی ہے۔

کیا یہ بددیانتی نہ ہوگی \_\_\_\_\_؟

اس اندھیرے غار میں اس روشنی کے بغیر چلا نہیں جاتا۔ \_\_\_\_\_ معاذ نے ابھی تک اس  
 کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور پھر جیسے اس کی پور پور وائریس بن گئی تھی۔

آج معاذ کی باتوں سے رملی کو بہت ڈر آنے لگا تھا اور محبت انسانوں کو شاطر بنا لیتی ہے

رملی کے اندر کوئی احساس جرم بیدار ہوا \_\_\_\_\_ اس کے ذہن کے سنگھاسن پر کوئی نا  
 نرم آ بیٹھا تھا۔ \_\_\_\_\_ ذرا سی دیر کو وہ اس راستے پر چل پڑی تھی۔ جس کا آخری پڑاؤ گناہ ہے

یہ گناہ اور ثواب کیا ہوتا ہے \_\_\_\_\_؟

اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

ایسے ہی دو آنکھوں کو ایک خوبصورت آدمی نظر آ گیا تھا \_\_\_\_\_ وہ خوبصورت آدمی





ہاں ہاں ابھی ایک بچہ ہے تو تمہارا یہ حال ہے۔ دو چار ہو گئے تو تو دنیا جہان سے جائے گی۔  
رملی ہنسنے لگی۔

بس اس کے جواب میں میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اللہ تجھے جلدی بچہ دے دے اور تجھے ہر بات کا جواب مل جائے۔

ایسی ناممکن دعا نہیں دیتے۔  
جیدہ نے لمبی سانس چھوڑ کر کہا۔  
تجھے اس دن بے جی نے کیا کہا تھا کہ مایوسی کا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے۔  
یہ کہتے ہی بے اختیار رملی نے گردن گھما کے دیکھا۔ بے جی اس کے پیچھے کھڑی اپنی قمیض کو جبن لگا رہی تھیں۔

واقعی یار! تیری ساس بڑی نیک عورت ہے۔ اس دن ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔  
بے جی بھی تجھے اکثر یاد کرتی ہیں۔  
اور تو نہیں کرتی گدھی۔

تو بے جی میں تو رات کو جو تھک کر سوئی ہوں تو صبح یوں آنکھ کھلتی ہے۔ جیسے ابھی پلک لگی تھی ابھی اٹھ گئی ہوں۔

اور کیا حال چال ہے۔  
بار بار کیا بتاؤں؟

اور تیرے شوہر کا کیا حال ہے۔  
رملی کا دل پھر عجیب انداز میں دھڑکا۔ اس کی چھٹی حس نے کہا۔ اب یہ کوئی کچوکا لگائے گی۔ کوئی برجھی مارے گی۔ تیزاب کے چھینٹے پھینکے گی۔ تا کہ اس کی مطمئن زندگی کا چہرہ مسخ ہو جائے۔

ٹھیک ہیں وہ بھی۔  
رملی نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

جیدہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر چپ رہی۔ پھر آواز کو سرگوشی بنا کر بولی۔  
کم بخت! یاد رکھتے اتنا مس کرتا ہے کہ کیا بتاؤں۔

یادور۔۔۔۔۔۔ یادور۔۔۔۔۔۔ یادور۔  
رملی فون کے سارے تاریخ اٹھے۔  
دشمن۔۔۔۔۔۔ دشمن۔۔۔۔۔۔ دشمن!

میرے سکون کا۔۔۔۔۔۔ میرے دل کا۔۔۔۔۔۔ میرے گھر کا۔۔۔۔۔۔  
پتہ نہیں اتنی آوازیں برقی تاروں کے اندر سو رہی تھیں یا اس کے دل کے اندر رہے اٹھ رہی تھیں۔

رملی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔  
آ کے دیکھ تو سہی تو نے میرے شوہر کا کیا حال کر دیا ہے۔

بھلا اس بات کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ وہ گم صم کھڑی رہی۔۔۔۔۔۔  
بس یادور تو کہتا ہے۔ لڑکی میں نے ایک ہی دیکھی ہے زندگی میں۔ رملی

اس سے دلکش چہرہ آج تک کوئی نظر سے نہیں گزرا۔ اٹھتے بیٹھتے تیرا اتنا ذکر کرتا ہے کہ میں اب تجھ سے جلنے لگی ہوں۔

بکواس نہ کر۔ رملی نے بچھے ہوئے دل سے بس اتنا کہا۔  
ہم دونوں تجھے برابر یاد کر رہے ہیں اور تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کم از کم فون ہی کر لیتی۔

؟  
کہہ تو دیا ہے کہ مصروف تھی۔

اور ماڈل ناؤن بھی تو نہیں آئی شاید؟  
ایک دن میں اور معاذ آئے تھے ذرا سی دیر کو۔ بس یونہی کھڑے کھڑے

اور کھڑے کھڑے ہمارے ہاں بھی آ جاتے۔ اس دن میں تمہارے شوہر سے کہہ کے آئی تھی۔

بھئی کھڑے کھڑے کوئی تم سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا ہے؟  
رملی نے کہا۔

ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر تم کبھی اپنے شوہر کو لے کر آؤ نا۔  
آؤں گی۔



میری زندگی اسی جی جی میں ہے۔ یہی کہہ رہی ہوتا تم۔ تم چاہو گی تو  
میں ضرور جیوں گا۔ تمہارے لیے جیوں گا۔ تمہارے انتظار میں جیوں گا۔ میری زندگی  
صرف اپنے محبوب کو ایک نظر دیکھ لینا ہے۔ تمہیں ایک نظر دیکھ لینے کے لئے جیوں گا۔  
پھر سے کہو رملی۔ پھر سے کہو۔  
جی۔ میں۔ میں۔ میں۔ سمجھ نہیں پائی۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں؟  
تم سب سمجھ رہی ہو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اور جو تم نہیں کہہ رہی ہو۔ وہ میں سمجھ رہا ہوں بلکہ  
میں تو تمہارا گھبراہٹا ہوا چہرہ بھی صاف دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری مقدس پیشانی پر شبنم کے قطرے محسوس  
کر رہا ہوں۔

رملی نے بے اختیار ماتھے کو چھو لیا۔ اس کی پوریں گیلی ہو گئیں۔  
پھر آپ ہی آپ۔ رملی کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ آ گئی۔  
اس نے اندھیرے میں ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنی کیفیت چھپا نہیں سکتی تھی۔ اور بتانا بھی نہیں  
چاہتی تھی۔

اور بس دل کے لئے اتنا ہی پیغام کافی تھا۔  
اور ریسیور رکھ کر وہ اڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور گنگنائی سانسوں کے ساتھ دھپ  
سے زمین پر بیٹھ گئی۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفٹ  
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی  
اک۔۔۔۔۔ آگ۔۔۔۔۔ سی۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔۔ سینے۔۔۔۔۔ کے  
۔۔۔۔۔ اندر۔۔۔۔۔ لگی۔۔۔۔۔ ہوئی۔۔۔۔۔

اس نے استری کا بیٹن آن کر دیا۔ سبز لائٹ محبوب کے دلکش اشارے کی طرح روشن ہو گئی۔  
استری کا بیٹن جل اٹھا۔ استری لودے اٹھی۔ کپڑوں کی سلوٹیں  
آپ ہی آپ دور ہونے لگیں۔

اسی طرح محبت کے دل میں اترنے سے مایوسیوں کی سلوٹیں آپ ہی آپ دور ہونے لگتی  
ہیں۔۔۔۔۔

رملی کا دل چاہا کہ وہ ایک جھوٹ موٹ کی ڈانٹ یا در کو پلائے اس کو دھکائے کہ وہ کسی  
شریف آدمی کی بیوی سے اس طرح گفتگو کیوں کر رہا ہے۔

مگر اس نے محسوس کیا وہ یاد کو جھوٹ موٹ بھی نہیں ڈانٹ سکتی۔ اسے پتہ چلا کہ آج اتنے  
دنوں کے بعد اسے یاد کی آواز سننا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ اور یہ کہ یاد آج بھی اس  
کے دل کے قریب دھڑک رہا ہے۔

اس کی قربت کے احساس سے سارے جسم میں تقے سے روشن ہو گئے ہیں۔ اس کی کیفیت  
ہی بدل گئی ہے۔ جیسے وہ محسوسات کی ایک سلگتی بھٹی میں کود گئی ہو۔

شاید۔۔۔۔۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفٹ۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفٹ۔

رملی کا رڈاں رڈاں گنگنانے لگا۔ آج اتنے دنوں کے بعد ایک عجیب طرح کا انکشاف اس  
پر ہوا انکشاف کی یہ بجلی دن دھاڑے اس پر گری تھی۔ کہ وہ سچ سچ یاد سے محبت کرنے لگی ہے۔

محبت کرنا جرم نہیں۔

اور محبت تو آپ ہی آپ ہو جاتی ہے۔

اس منہ زور جذبے کو کون روک سکا ہے؟

محبت۔۔۔۔۔ محبت۔۔۔۔۔ بڑی پیاری چیز ہے محبت۔۔۔۔۔ ہر چیز کا  
مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

وہ شادی شدہ تھی۔ زندگی کے اصرار جان گئی تھی۔ مگر جو کیفیت اس کی اب ہوئی تھی وہ پہلے  
کبھی نہ ہوئی تھی۔

رملی میری آواز سن رہی ہو تو پلیز کوئی جواب دو۔

جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ اس خوف سے کہ وہ فون نہ بند کر دے۔ رملی پہلی بار بولی

جی۔۔۔۔۔ کیا کہوں۔۔۔۔۔؟

بس کچھ نہ کہو۔۔۔۔۔ یونہی جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ کرتی رہو۔۔۔۔۔ میں

جی اٹھوں گا۔

استری کرتے کرتے جانے وہ کس جہان میں پرواز کر گئی۔۔۔۔۔

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی !

جب بے جی کمرے میں آئیں تو وہ نیپکن پر استری رکھے سامنے نظریں جمائے  
۔۔۔۔۔! بے خودی کے عالم میں مذہوش سی بیٹھی تھی۔ ہونٹوں پر کیف آگئیں  
مسکراہٹ تھی اور آنکھوں کے پیمانے پھلکے پھلکے تھے۔۔۔۔۔

وہ ایسی بے سدھ بیٹھی تھی کہ اسے بے جی کے اندر آنے کا پتہ ہی نہ چلا۔۔۔۔۔

بے جی نے اس کے نئے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک دم چلائیں۔۔۔۔۔

ووہٹی۔۔۔۔۔ ووہٹی۔۔۔۔۔ کہاں گم ہو۔۔۔۔۔؟ بچے کا نیپکن جل رہا ہے؟

اس نے ڈر کر استری کی طرف دیکھا۔ جانے کب سے استری کو نیپکن پر رکھے سراب کی

واد یوں میں کھو گئی تھی۔ استری کے چاروں طرف کالا سیاہ دھواں پھیل رہا تھا۔ اور بچے

کے سفید نیپکن پر بیدرو استری کا سیاہ کالا چھاپا لگ چکا تھا۔

یورپ چلو گی میرے ساتھ رملی۔۔۔۔۔؟

معاذ نے ہنس کر کہا تو رملی ایک دم گھبرا گئی۔ نہ ہاں کہہ سکی نہ نہ کہہ سکی۔ بس ہونٹوں کی  
طرح معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

معاذ ہنستا رہا پھر بولا۔۔۔۔۔

چلو چل کے نئی مون منا کے آئیں۔۔۔۔۔

اب۔۔۔۔۔؟ رملی نے بشکل کھینچ کر آواز نکالی۔

اب کون سا موسم ہے۔۔۔۔۔؟

بھئی اب ہی تو موقع ملا ہے۔ معاذ محبت سے بولا۔ شادی کے فوراً بعد تو ڈاکٹر نے تمہیں  
سفر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اب تم فارغ ہو چکی ہو۔ معوذ بھی کافی سنبھل گیا ہے۔ چلو یورپ  
چلتے ہیں۔؟

آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یورپ بس دو چار قدم پر ہے۔

رملی جان! اب تو دنیا سمٹ کر چھوٹی ہو گئی ہے۔ اور سفر آسان ہو گئے ہیں۔

رملی کو ایسے لگا جیسے وہ کسی جال میں پھنس گئی ہے۔ جتنا ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ اتنا ہی اس  
میں الجھتی جاتی ہے۔

اس کو کشمکش میں مبتلا دیکھ کر معاذ پھر ہنسنے لگا اور تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

مجھے دفتر کی طرف سے چھ ماہ کے لئے یورپ بھیجا رہا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں بھی اپنے  
ساتھ لے چلوں۔ ذرا ہم بھی دنیا کو دوسری آنکھ سے دیکھ لیں۔

چھ ماہ کے لئے۔۔۔۔۔ رملی بے اختیار چیخی۔۔۔۔۔

اسی لئے تو تمہیں ساتھ لے کے جانا چاہتا ہوں۔

معاذ نے بے خیالی میں کہا۔

اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ \_\_\_\_\_  
 بھی مٹی مون منانے جائیں گے تو بچہ کیوں ساتھ لے کے جائیں گے۔  
 نہیں نہیں۔ رملی گھبرا گئی۔ میں معوذ کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی۔  
 اور میرے بغیر \_\_\_\_\_؟

رملی نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر اس کے ماتحتی چہرے کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں جانے کیا  
 تھا۔ رملی نے نظریں جھکالیں۔ مگر دل میں ایک پھانسی سی چبھ گئی۔ خدا جانے کہاں سے یاور کی  
 بے باک، طرار جلتی جھتی گستاخ آنکھیں نکل آئیں رملی نے اپنا نچلا ہونٹ اپنے دانتوں سے اس  
 قدر زور سے کاٹا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرا آئے۔

اتنی سی بات پر رو رہی ہو۔ معاذ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔  
 اتنی سی بات \_\_\_\_\_ رملی اندر سے تھراٹھی اس نے دو کشتیوں میں قدم رکھ لیے تھے۔  
 نیچے ٹھانھیں مارتا دیر یا تھا اور دو کشتیوں کا سوار کبھی صحیح و سالم کنارے پر نہیں اترتا۔

میں ڈوب جاؤنگی۔ میں ڈوب جاؤں گی۔  
 اس نے آنکھیں بند کر لیں اور باقاعدہ رونے لگی۔  
 پگلی! معاذ نے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیئے۔  
 آج کل کی لڑکیاں ملک سے باہر جانے کو بے قرار رہتی ہیں۔ بہانے ڈھونڈتی ہیں اور تم  
 تم شاید بڑی نازک مزاج ہو رملی \_\_\_\_\_ ہے نا؟

رملی نے سر جھکا لیا۔  
 حالانکہ معوذ بے جی سے بہت مانوس ہے۔ اور تم جانتی ہو وہ اس کا بے حد خیال رکھیں گی۔  
 لیکن کیا ہم معوذ کو ساتھ نہیں لے جاسکتے؟  
 ہاں ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ مگر پھر تمہیں سارا وقت ہوٹل کے بند کمرے میں رہنا پڑے گا۔  
 رات کا وقت ہی تو ملے گا۔ گھومنے پھرنے کے لئے \_\_\_\_\_ اور اس وقت ہم کہیں بھی نہیں جا  
 سکیں گے۔

نہیں شاید مجھ میں حوصلہ نہیں معوذ کو چھوڑ کر جانے کا \_\_\_\_\_؟  
 معاذ نے بڑی حسرت سے رملی کے چہرے کو دیکھا۔ آنسو گرنے سے اس کے رخسار گیلیے  
 ہو رہے تھے۔ مگر اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ یہ نہیں اس لڑکی کو کیا روگ ہے۔ معاذ نے دل میں

سوچا \_\_\_\_\_ کبھی کھل کر نہیں ہنسی کبھی دل کی بات نہیں کہتی۔ وہ اب اسے ساتھ لے جانا چاہتا  
 تھا۔ تاکہ دن رات اس کے ساتھ رہے اور اس بند گھڑی کو کھول کر دیکھے۔ لیکن اس کے ساتھ باہر  
 جانے کا سن کر رملی اور بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔  
 معاذ کو اس پر ترس آ گیا۔  
 کہنے لگا۔

رملی جان! میری خواہش ہے کہ ہم دونوں دنیا کا سفر کریں۔ دنیا کی خوبصورتیاں  
 دیکھیں لیکن اگر تم ابھی ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ اس وقت بہت  
 اچھا موقع تھا خیر تم سوچ لو \_\_\_\_\_ ظاہر ہے میں اپنے جذبات کی خاطر کسی معصوم ماں پر تو  
 ظلم نہیں کر سکتا۔

یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔  
 رملی نے شرمساری سے گردن جھکالی اور اپنے آپ سے پوچھا۔  
 سچ بتا! تو اپنے شوہر کے ساتھ یورپ کیوں نہیں جانا چاہتی؟  
 کیا تجھے شوق نہیں تھا بیرون ملک جانے کا \_\_\_\_\_ تو نے بھی دوسری لڑکیوں کی طرح  
 یہ خواب دیکھے تھے۔ جہازوں پر گھومنا \_\_\_\_\_ شاپنگ کرنا اور دنیا دیکھنا \_\_\_\_\_  
 مگر اب تجھے کیا ہو گیا ہے \_\_\_\_\_؟  
 دل پہلے سے زیادہ باغی ہو گیا ہے۔  
 اندر سے آواز آئی۔

وہ کمبخت یا در اگر زندگی میں نہ آتا تو یہ گاڑی یونہی چلتی رہتی۔ صبر آ ہی جاتا \_\_\_\_\_  
 اور اب وہ اتنے عرصے کے لیے معاذ کے ساتھ چلی جائے \_\_\_\_\_ یا در سے دور ہو  
 جائے \_\_\_\_\_ خوابوں کا جھروکا بند کر دے \_\_\_\_\_؟  
 کون ہے یہ یا در اور تیرا کیا لگتا ہے \_\_\_\_\_؟

دنیا میں سنکڑوں خون کے رشتے ہوتے ہیں۔ جنہیں آدمی غصے یا نفرت میں جھٹک کر توڑ  
 کے آگے نکل جاتا ہے \_\_\_\_\_ ایک رشتہ عجیب ہے۔ اس رشتے کا کوئی نام نہیں \_\_\_\_\_  
 یہ دل کا رشتہ ہے یا روح کا \_\_\_\_\_ یا کوئی جادوئی رشتہ ہے \_\_\_\_\_ قریب آتا ہے۔ تو  
 سارے اگلے پچھلے رشتے توڑ کے رکھ دیتا ہے۔

یاور کی شخصیت واقعی جادو بھری تھی۔ ایسے لگتا جیسے وہ خوابوں کے جہاں کا شہزادہ ہے۔ اسے دیکھ کر بہک جانے کو دل چاہتا تھا۔ بغاوت کرنے کو دل چاہتا تھا۔ اور بارہا اس کے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ زندگی تو ایک ہی بار ملتی ہے۔ جوانی تو ایک ہی بار آتی ہے۔ پھر اس زندگی اور اس جوانی پر انسان کو مکمل اختیار کیوں نہیں دیا گیا۔ اسے اپنی مرضی کا راستہ چن لینے کی اجازت کیوں نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ اور اگر پہلا راستہ کانٹوں سے اٹا پڑا ہے۔ تو وہ دوسرا راستہ کیوں نہیں اختیار کر سکتا۔ آخر کیوں؟

جس دن معاذ پورپ گیا۔ رملی چپ چپ تھی۔ معاذ بھی بہت اداس تھا۔ رملی کو تو یونہی حساس جرم ستار ہا تھا۔ اسے بے جی نے بھی سمجھایا تھا، اور کہا تھا: دوہٹی! تم بے فکر ہو کے جاؤ۔ معوذ کو میں سنبھال لوں گی خیر سے اب تین ماہ کا ہے۔ اور اس کی کھانے پینے کی عادتیں پختہ ہو گئیں ہیں۔ اس عمر میں بچہ ماں کی دوری کو برداشت کر لیتا ہے، راسیانا ہو جائے گا تو ہمیں باقاعدہ پہچاننے لگ جائے گا۔ جوں جوں بڑا ہوتا جائے اس کے کام بھی بڑھ جاتے ہیں۔ تم اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ! مگر رملی بیٹھی زمین کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور بولی: بے جی! میں جانتی ہوں، آپ معوذ کا مجھ سے زیادہ خیال رکھیں گی، مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔ آپ یقین ہے۔ مگر اپنے دل کا بھروسہ نہیں۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ کہیں وہاں جا کر معاذ کے لیے کوئی مشکل نہ پیدا کر دوں، آپ سمجھ رہی ہیں نا۔۔۔۔۔۔ ہاں بے جی ایک دم ہنس پڑی۔ یہ کم بخت مامتا بری بلا ہے۔ دنیا میں مامتا عورت کو کمزور کر دیتی ہے۔ مفلوج کر دیتی ہے۔

یہ کہہ کر بے جی اپنے خیالوں میں گمن ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا تو کہنے لگیں: ٹھیک ہے اگر تمہارا دل نہیں مانتا تو مت جاؤ، میں معاذ کو سمجھا دوں گی۔ وہ تو آتا جاتا رہتا ہے۔ پھر کبھی چلی جانا۔۔۔۔۔۔

بے جی نے معاذ کو پاس بٹھا کے سمجھا دیا تھا۔ اور معاذ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں ماموش تھا کہ اداس۔ رملی کو اس کے چہرے سے کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس چہرے کو اس نے پہلے کبھی غور سے دیکھا ہوتا تو اس کے تاثرات کو پہچاننے کے قابل ہو چکی ہوتی۔ کبھی کبھی رملی کو خیال آتا کہ اسے اپنے شوہر کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے، دنیا بھر کی بیویاں اپنے آپ پر

شوہر کے جذبات کو ترجیح دیتی ہیں۔ اپنی خوشیاں ان پر وارد دیتی ہیں۔ ہر اچھے گھر کے اندر ایک ایسی عورت رہتی ہے، جو لمحہ لمحہ ایثار کے لئے تیار رہتی ہے، اور معاذ نے تو پہلی مرتبہ اپنی کسی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ قانون، سترع، معاشرہ، سب کی نظر میں شوہر کا درجہ مقدم ہے۔ بس ایک بارنا، کر چکی تھی، ہزار منانے کے باوجود اپنے آپ کو جانے پر آمادہ نہ کر سکی۔

اس کے بعد معاذ نے بھی کچھ نہیں کہا: بس جاتے وقت اتنا کہا:

رملی! بے جی کا خیال رکھنا۔ انہیں اپنی ہمت سے زیادہ کام کرنے کی عادت ہے، اور یہ زیادہ عرصہ تمہارے گھر پر رہیں تو گھبرا جاتی ہیں۔

رملی نے بہت چاہا۔ ہنس ہنس کر معاذ کا سامان سینے۔ مسکرا مسکرا کر اس کی تیاری میں مدد دے اور جاتے وقت محبوب بیویوں کی مانند کوئی مشکوک سافقرہ کہے۔ آخر وہ یورپ جا رہا تھا۔

اور جب بیویاں باہر جانے والے شوہروں کو ہلکا سا کچوکا لگاتی ہیں، یہ کہہ کر

وہاں تمہیں ہماری یاد کہاں آئے گی؟

کہاں فرصت ملے گی تمہیں خط لکھنے کی؟ یا،

عیش کرنے جا رہے ہو؟

تو دراصل وہ شوہر اپنے استحقاق کی مہر پختہ کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں بتانا چاہتی ہیں کہ تم صرف میرے ہو۔ اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

بہت سی بیویوں کو اظہارِ محبت کا سلیقہ نہیں آتا۔ ان کے اندر شوہر کی محبت قطرہ قطرہ جمع ہوتی رہتی ہے۔ پھر ایک دن کوئی سا بہانہ پا کے وہ پھٹ پڑتی ہیں۔ ایسی عورتیں محبت کے بوجھ سے تھک جاتی ہیں۔ جس دن شل ہو جاتی ہیں۔ اس دن انہیں لڑنے کا کوئی بہانہ مل جاتا ہے۔ شوہر بھی دو بدو میدان میں اتر جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس قسم کے اظہارِ محبت کو جنگ کا اعلان سمجھتے ہیں۔

دو تین گھنٹے کی لڑائی کے بعد۔ بہت سے آنسو بہانے کے بعد ایسی عورتیں شانت ہو جاتی ہیں۔ لڑائی کے دوران آنسو بہانا ایک اور اظہارِ محبت ہے۔ جس کو مرد ہمیشہ ایک چلتر سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ رو کر عورت ہلکی ہو جاتی ہے، اسی رات وہ اپنی بیچ پر آسودگی کی نیند سو جاتی ہے۔ اصل میں وہ لڑتی نہیں۔

وہ سمجھتی ہے کہ اسے ایسی تربیت کیوں نہیں دی جاتی کہ وہ کھلم کھلا اپنے جذبات کا

اظہار کر سکے۔ برملا اپنی محبت کا اظہار کر سکے۔ آخر جب اس کا دل چاہے تو وہ کہہ کیوں نہیں سکتی، تم مجھے اچھے لگ رہے ہو۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں، اور میری آنکھیں دم آخر تک تمہاری حفاظت کریں گی۔

کتنی بار تو معاذ نے خود رملی سے کہا تھا، کہ عام بیویوں کی طرح تم مجھ سے لڑتی کیوں نہیں ہو۔ بات بات میں اعتراض کیوں نہیں کرتی ہو۔ میاں بیوی اٹھتے بیٹھتے ایک دوسرے کے عیب بیان کرتے رہتے ہیں۔ مگر رملی نے تو اس کا کوئی عیب کبھی بیان نہیں کیا تھا۔ بس رملی کو معاذ میں ایک ہی بہت بڑا عیب نظر آیا تھا۔ صورت کا عیب۔

صورت کے اندھیرے غار میں اتر کر اس نے دل کی روشن اور چکا چوند وادی دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔

اور شاید کرتی یہ کوشش پر کم بخت یا در بیچ میں آ گیا تھا اور آتے ہی۔۔۔۔۔ اظہارِ محبت بھی کر بیٹھا تھا۔

رملی نے بڑی کشمکش کے درمیان معاذ کو خدا حافظ کہا۔ جاتے جاتے معاذ نے اس کا نرم ہاتھ، ہاتھ میں لے کر دبا دیا۔ اور کہا:

خط لکھتی رہنا اور معوذ کی خیریت کی اطلاع دیتی رہنا۔

رملی نے بڑی خوش دلی سے سر ہلایا۔ مگر اسی وقت وہاں کھڑے کھڑے سوچا۔

میں خط میں کیا لکھا کروں گی آخر؟



کتنے دن تو رملی بس اپنے کمرے میں پڑی رہی۔ عجیب طرح کا ڈپریشن تھا۔ جب معاذ قریب تھا تو وہ چاہتی تھی وہ جلد سے جلد دور ہو جائے کہیں چلا جائے۔ دن رات کا ساتھ تو چھوٹے۔۔۔۔۔ ہر وقت اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کے دھک دھک گئی تھی اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا بھی اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ اور اب \_\_\_\_\_ جب معاذ اس سے ہزاروں میل دور چلا گیا تھا تو اسے عجیب قسم کی بے چینی اور پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔

اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف معاذ سے ہو گئی تھی۔ یہ ایک فعل تھا جو سرزد ہو چکا تھا۔ بس اس کے بعد کچھ ہونا باقی نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کروڑہا عورتوں کی طرح اب اسے بچے پیدا کرنے ہیں اور اپنے گھر کو گھر بنانا ہے اور پھر معاذ کے پاس کیا نہیں تھا؟ ایک عورت کو آرام دہ گھر۔ گھر کی آسودگی اور عزت نفس ہی تو درکار ہوتی ہے۔ ایک شریف خاندان سے نکل کر وہ دوسرے شریف خاندان میں آ چکی تھی۔ کسی بھی بھٹی میں کچی ہوئی اینٹ ہو۔ جس دیوار میں لگ جاتی ہے۔ زندگی بھر اسی دیوار میں لگی رہتی ہے۔

پھر اسے اپنے دل کی بے قراری کا مطلب سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ جب تک یاور سے نہیں ملتی تھی۔ بس دل پر مرمہ رہا کرتا تھا۔ امنگیں ختم ہو گئی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ باقی عمر وہ کس طرح گزارے \_\_\_\_\_ معوذ پیدا ہوا تو روشنی کی ایک درز زندگی میں در آئی \_\_\_\_\_

مگر اچانک یاور اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ راستہ میں آکھڑا ہوا۔ تو ساری زندگی مضطرب ہو گئی۔ دل کی بے قراریاں جاگ اٹھیں۔ پھر تڑپنے اور بھڑکنے کا موسم شروع ہو گیا۔

ہاں تو ٹھیک ہے۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اس کے خیالوں میں یاور جیسا ایک خوب روآدی رہا کرتا تھا۔ جو آنکھوں میں جذبے سمو کر باتیں کرنے کا گر جانتا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا

تھا \_\_\_\_\_؟

اب جب کہ یاور اس کی عزیز سہیلی کا شوہر تھا اور وہ کسی شریف آدمی کی عزت تھی۔ ازدواجی زندگی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتی۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر اسے صبر کیوں نہیں آ جاتا تھا۔ پھر وہ دھک دھک کرتے سینے پر پتھر کیوں نہیں رکھ سکتی تھی۔ معاذ جیسے اچھے شوہر کو کیوں دھوکا دے رہی تھی؟

بس ایسے ہی خیالات نے رملی کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ معاذ کے جانے کے بعد وہ زیادہ تر معوذ کے ساتھ لگی رہتی اور جب فارغ ہو جاتی تو اپنے کمرے میں پڑی رہتی۔ کبھی رسالے اور کتابیں پڑھتی ورنہ اونڈھی لیٹ کے آنسو بہایا کرتی۔

بے جی اس کی اس کیفیت کو کوئی اور ہی نام دے رہی تھی۔ اس لیے ایک دن اس کے کمرے میں آ کر بولیں۔

اے وہ بھئی! کیوں اس طرح اونڈھی لیٹی ہے \_\_\_\_\_؟

کچھ نہیں بے جی۔ بس سر میں درد ہو رہا ہے۔

اٹھ کے کوئی دوائی لی ہوتی۔

بے جی۔ ان گولیوں سے آرام نہیں آتا۔

رملی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا سادرد رہنے لگا تھا۔

شاید سوچ سوچ کر \_\_\_\_\_

اٹھ کے نہاد دھوک پڑے بدلو۔ اور ذرا اپنی امی کی طرف چلی جاؤ۔

بے جی نے پیار سے کہا۔ بے جی کا خیال تھا۔ معاذ کے چلے جانے سے رملی بے طرح

اداس ہو گئی ہے۔

لیکن امی جان کے گھر جانے کے خیال سے ہی رملی کو جھرجھری آ گئی۔ جیدہ نے دو تین بار

فون کر کے اسے بلایا تھا۔ اور اس کے نہ آنے کا سبب بھی دریافت کیا تھا۔ مگر وہ کیا

بتاتی \_\_\_\_\_؟ کہ اس نے آگ کے الاؤ سے دور ہو جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس نے سوچ لیا

تھا۔ نہ وہ امی کے گھر جائے گی نہ جیدہ اور یاور سے ملاقات ہوگی۔ اب جو بے جی نے اتنے پیار

سے کہا تو وہ آگے کچھ بھی نہ بول سکی۔ وہ تو ہمہ وقت امی جان کے گھر جانے کو تیار رہتی تھی۔ اگر اب

انکار کر دیتی تو بے جی جانے دل میں کیا سوچ لیتیں \_\_\_\_\_؟

اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔  
بے جی نے اس کے بکھرے بالوں اور سو جی ہوئی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ پھر کہنے لگیں۔  
ایک ہفتہ اپنی امی کے گھر رہاؤ۔  
بے جی \_\_\_\_\_ آپ یہاں اکیلی رہیں گی؟

ارے میں اکیلی کہاں ہوں۔ گھر میں نوکر چاکر ہیں۔ اور پھر ضرورت ہوئی تو تمہیں بلوالوں  
گی۔ جاؤ۔ \_\_\_\_\_ تم ذرا بہن بھائیوں سے مل کر ہنس کھیل آؤ۔  
بے جی نے اتنی محبت سے کہا کہ رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنے آپ کو گھسیٹ کر  
وہ غسل خانے میں لے گئی۔ آئینے کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور  
سوچنے لگی۔

بے جی آپ کو نہیں معلوم آپ مجھے کس ڈگر بھیجنا چاہ رہی ہیں۔  
لیکن تو اتنی کمزور کب سے ہو گئی رملی؟ \_\_\_\_\_

اس کا دل اس سے پوچھتا۔ تو ایک باشعور لڑکی ہے اور تجھے معلوم ہے حد بندی لائن کہاں پہ  
لگتی ہے۔ قدغن کی ڈور تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ دیکھنے میں اچھے لگتے  
ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان اچھے لوگوں کے لیے انسان اپنا گھر برباد کر لے۔

رملی آنے کو تو امی جان کے گھر آ گئی۔ مگر جی کی بے قراری یہاں بھی سائے کی طرح ساتھ  
لی آئی۔ سارا دن معوذ کو لے کر اندر کمرے میں لیٹی رہتی۔ کوئی نہ کوئی رسالہ اٹھا کر پڑھتی رہتی۔  
سی سے بات کرتی اور نہ باہر نکل کر ہر آئے گئے سے گپ لگاتی۔ ایسے لگتا جیسے رملی چھپ جانا  
اہتی ہے۔

مگر ایک دن جیدہ اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئی۔

اے کمینی! چار دن سے آئی ہے اور ہمیں اطلاع ہی نہیں دی \_\_\_\_\_

رملی نے اسے دیکھا تو خوف کے مارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ جیدہ بولی۔ نامراد عاشقوں والی صورت بنا کے لیٹی ہوئی ہو۔ اور  
لوگوں کے شوہر بھی ملک سے باہر جاتے ہیں۔ مگر وہ تیری طرح دنیا تیاگ کر جوگ نہیں لے  
لیتے \_\_\_\_\_؟

رملی بوکھلا گئی۔ پتہ نہیں جیدہ کیا کہہ رہی تھی۔ اور اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ رملی کے دل  
کے چور نے اسے بولنے نہ دیا۔

سچ بتا \_\_\_\_\_ جیدہ پھر بولی۔ کیا تجھے اپنے شوہر سے اتنا عشق ہے؟

رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے جیدہ کہہ رہی ہے۔

کیا تو بے وقوف ہے۔ اتنی کم عقل ہے۔ ایک بے حد بھونڈے شخص کی محبت میں مبتلا ہو چکی

\_\_\_\_\_ ہے

ارمی کچھ تو بول۔ \_\_\_\_\_ جیدہ نے اس کا کندھا ہلایا اور پلنگ پر نیم دراز ہو گئی۔ کیا چپ

ٹاروزہ رکھا ہے۔

رملی جھوٹی ہنسی ہنس دی۔

بس میری طبیعت خراب ہے جیدہ!

کیا خرابی ہے تیری طبیعت میں \_\_\_\_\_؟ اچھی بھلی نظر آ رہی ہے۔

تیرا شوہر تجھے ساتھ نہیں لے کر گیا۔ اس کا سوگ منا رہی ہے۔

نہیں جیدہ۔ رملی نے جلدی سے کہا۔

انہوں نے تو مجھے بہت مجبور کیا تھا ساتھ جانے کے لئے \_\_\_\_\_ بلکہ میرا نکٹ بھی لے آئے تھے۔ ان کی خواہش تھی میں ان کے ساتھ جاؤں۔

رملی نے سچ بچ بتا دیا۔

اور کیوں نہیں گئی تو \_\_\_\_\_

بس \_\_\_\_\_ رملی کی \_\_\_\_\_ پھر ایک دم بات بنا ڈالی۔ میں معوذ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی تھی۔

اری جانے دے \_\_\_\_\_ تیری ساس اتنی اچھی ہے۔ اتنا خیال تو تیری امی بھی نہیں رکھ سکتیں۔ جتنا بچے کا خیال بے جی رکھتی ہیں۔ تو بے وقوف ہے۔ بڑی تسلی سے بچہ ان کے پاس چھوڑ کے جاسکتی تھی \_\_\_\_\_ مگر شاید تو معاذ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی \_\_\_\_\_ رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

بابا \_\_\_\_\_ مگر اس میں تیرا قصور نہیں ہے۔ میں تیری جگہ ہوتی تو میں بھی معاذ کے ساتھ نہ جاتی۔ جس شوہر کو رت دل سے قبول نہ کرے۔ اسے پسند نہ کرے بھلا اس کے ساتھ تفریحی سفر پر کیسے جاسکتی ہے \_\_\_\_\_؟

اف رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

مری ہوئی آواز میں بولی۔

تجھے کس نے کہہ دیا ہے جیدہ میں اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی؟

تو نے \_\_\_\_\_

جیدہ نے آرام سے کہہ کے \_\_\_\_\_ زور سے قہقہہ لگایا۔ اور پھر کتنی دیر تک ہنستی رہی۔

رملی حیرت اور صدمے کے مارے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

جیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

رملی تیرا خیال ہے۔ ہم اس دنیا میں نہیں رہتے \_\_\_\_\_؟

کیا آنکھیں نہیں رکھتے \_\_\_\_\_ سمجھ نہیں رکھتے یا تجربہ نہیں رکھتے \_\_\_\_\_؟

رملی نے اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری \_\_\_\_\_  
جیدہ سرا سمہ سی کیفیت میں اٹھ کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے یونہی سارے کمرے کا چکر لگایا۔ کسی کتاب کو کھولا \_\_\_\_\_ کسی دراز کو چھوا \_\_\_\_\_ کھڑکی کا پٹ بجایا۔ اور گھوم گھام کر حیران و ششدر بیٹھی رملی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔  
اور بڑے دھیمے لہجے میں بولی۔

رملی کیا تجھے کسی سے عشق ہو گیا ہے \_\_\_\_\_؟

رملی کے اوپر جیسے ایک بم پھٹا آ کر۔۔۔۔۔۔ وہ ڈر کر پیچھے ہو گئی۔ خوفزدہ ہو گئی۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ بہت آہستہ آہستہ مگر جرمانہ سی آواز میں بولی۔

کیسی باتیں کر رہی ہو جیدہ تم آج \_\_\_\_\_؟

اری تو نے حلیہ ہی عاشقوں والا بنا رکھا ہے۔ دیکھ تیری ٹیس گلے میں جھول رہی ہیں آنکھیں ویران ہیں۔ رنگت زرد ہو رہی ہے \_\_\_\_\_ چہرے کا ایک ایک نقش کہہ رہا تھا کہ تو گرفتار عشق ہے۔ دنیا ہے بیزار ہو کر اندر پڑی ہوئی ہے۔ کسی شے میں تیرا دل نہیں لگتا۔ کیوں اپنے آپ کو فریب دے رہی ہے \_\_\_\_\_؟

رملی نے اپنا سرا اپنے گھٹنوں میں رکھ لیا۔ کتنی بودی نکلی وہ \_\_\_\_\_ اگر جیدہ یہ سب بھانپ سکتی ہے تو کوئی اور کیوں نہیں سمجھ سکتا۔ اے کاش وہ اعتراف کر لیتی کہ اپنے شوہر کے جانے سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ اے کاش وہ معاذ کے ساتھ ہی چلی جاتی۔ شاید تب یہ کیفیت نہ ہوتی۔

اچھا۔۔۔۔۔۔ اچھا \_\_\_\_\_

جیدہ ایک دم مڑی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

اور بولی \_\_\_\_\_

میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔ اٹھ کے تیار ہو جا کہیں گھوم پھر آئیں۔

میں سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ تمہارا نوکر مل گیا۔ اس سے تمہارے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ تم آئی ہوئی ہو۔ میں اندر آ گئی \_\_\_\_\_ خالہ جان ملیں تو انہوں نے بتایا تمہیں آئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ مگر کمال ہے۔ تم نے ایک ہفتے میں ہمیں بالکل اطلاع نہیں دی۔ کیا ہم اتنے برے ہو گئے۔ یہ ایک ہفتہ جو تم نے ہم سے چھپ کے گزارا ہے۔ اس کی ہم تمہیں سزا دیں

نہیں جیدہ

کیا وجہ ہے تیرے نہ جانے کی \_\_\_\_\_

بھئی میرا پیہ چھوٹا ہے۔

کیا چھوٹے بچے والی مائیں سیر و تفریح بند کر دیتی ہیں۔

مجھے سیر و تفریح کا شوق نہیں ہے۔ دنیا میں بچے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا جاوید؟

بس اب نانی اماں بن کے مت دکھا۔ رملی

جیدہ بولی۔

دل زندہ ہو تو آدمی ہر صورت میں تفریح کرتا ہے۔ میں خالہ جان سے بات کرتی ہوں۔ وہ

معوذ کو سنبھال لیں گی۔

ابھی جیدہ کھڑی ہی ہوئی تھی کہ امی جان اندر آ گئیں۔ جیدہ کھل اٹھی جھٹ بولی۔

خالہ جان ! میں رملی سے کہہ رہی ہوں۔ ہمارے ساتھ سینما چلے۔ مگر یہ انکار کیے جا رہی ہے۔

امی جان نے غور سے رملی کو دیکھا۔

کیسی اجاڑ لگ رہی تھی۔ سارے زمانے کی اداسیاں اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔

میں کے بعد اسے چپ لگ گئی تھی۔ یہی رملی تھی۔ شادی سے پہلے جس کی زبان ایک منٹ کو بھی

نتھی۔

ایک پل کو بھی اسے قرار نہیں آتا تھا۔

اور اب کیسے ملنگ سی بنی بیٹھی تھی۔

امی جان کی ساری مامتان کی آنکھوں میں آ گئی۔

اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

بیٹی چلی جاؤ۔

امی جان ! رملی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

معوز کیسے رہے گا اتنی دیر

میں اسے سنبھال لوں گی۔ امی جان نے پیار سے کہا۔

جب سے آئی ہو۔ اندر کھسی پڑی ہو۔ اٹھو کپڑے بدلو۔ ذرا گھوم پھر کے آؤ۔

امی جان کا بھی یہی خیال تھا کہ رملیٰ نے معاذ کے جانے کو اس طرح سے محسوس کیا ہے۔

رملی کا دل چاہا وہ چہچہے چلائے۔۔۔۔۔ واویلا کرے \_\_\_\_\_ اور کہے۔

آخر اسے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ اسے اپنے آپ سے لڑنے کی اجازت کیوں نہیں

دی جانی۔ وہ فیصلے کا خیر اپنے سینے میں کیوں نہیں اتار سکتی۔

وہ اپنی مرضی سے جی کیوں نہیں سلتی \_\_\_\_\_؟

وہ اپنی مرضی سے مرکیوں نہیں سلتی \_\_\_\_\_؟

ہیں۔ اچھا لگنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان کے دل میں رہنا چاہتے ہیں۔ اتنی بڑی دنیا ہے اتنے بے تحاشا انسان ہیں۔ ہر انسان کی صفت جدا ہے۔ بس اچھے انسانوں سے مل کر خوش ہونا چاہیے۔ اس روز اسے معلوم ہوا کہ پسندیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر بس اپنے آپ کو خوش رکھنا ہی سب سے بڑی بات ہے۔ وہ اپنی پیاری سہیلی کا گھر نہیں اجازت چاہتی تھی۔ یاد رکھنے میں اس کو اچھا لگتا تھا اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں۔ بس اتنا ہی کا فی تھا۔ زندگی خوش رہنے کے لیے ہے۔

اور خوشی کے چند لمحے زندگی کے قریب آئیں تو انہیں ٹھکرانا نہیں چاہیے ان سب باتوں کا ادراک اسے یاد رکھنا شریفانہ رویے نے دیا تھا۔ اس لیے وہ بے خوف ہو گئی تھی۔

اس کے بعد جب بھی میکے آتی۔ بے دھڑک جیدہ کو ملنے چلی جاتی۔ بے جی نے جب دوبارہ اس کا کھلا ہوا چہرہ دیکھا۔ تو ہفتے میں دو دن کے لیے اسے میکے بھیج دیا کرتیں۔ امی جان نے بھی جب اسے زندگی کے ساتھ گن دیکھا تو ہر روز اسے جیدہ کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی۔ جب بھی وہ میکے آتی تو۔ پہلے سے جیدہ کو فون کر دیتی اور وہ دونوں میاں بیوی کوئی سا پروگرام بنا لیتے۔ آج بھی وہ لوگ ایک نئے سے ریسٹوران میں کھانا کھانے گئے تھے۔ ریسٹوران دیہات کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر اور درگد سارا دیہاتی ماحول تھا۔ یہ ریسٹوران ان لوگوں کو پسند آیا تھا۔ اور کھانا بھی بہت اچھا لگا تھا۔ خصوصاً توری روٹیاں

اور اب وہ جھومتی جھامتی گھر میں داخل ہوئی تھی تو طوبی آپا سامنے خونخوار بنی بیٹھی تھیں۔ پہلے تو رملی کو طوبی آپا کی باتیں سن کر بہت ڈر لگا۔ لیکن پھر وہ دل ہی دل میں کھولنے لگی۔ پتہ نہیں طوبی آپا ہر ایک کی گارڈین بننے کی کوشش کیوں کرتی تھیں۔ جب کہ گارڈین کی صورت میں امی جان موجود تھیں۔ اور وہ ہمیشہ امی جان کی اجازت سے باہر جاتی تھی۔ رملی کے ماتھے پر بل پڑ گئے طوبی آپا کا پوچھنے کا انداز ہی ایسا دل جلانے دینے والا تھا۔

وہ مناسب جواب سوچنے لگی۔

طوبی آپا اس کی خاموشی سے گڑ گڑ بولیں۔

پچھلے دو مہینوں سے میں جب بھی آتی ہوں۔ یہی خبر ملتی ہے کہ رملی آئی ہوئی ہے مگر اپنی سہیلی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ کون ہے تمہاری یہ سہیلی جس کی محبت میں تم اپنے بچے کو بھی بھول

ہنستی ہوئی رملی اپنے گھر میں داخل ہوئی تو سامنے ہی برآمدے میں طوبی آپا بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بڑی تنقیدی نظروں سے رملی کا جائزہ لیا اور بڑی کڑوی نگاہ اس کے سر پر پے ڈال کے بولیں۔

اس وقت کہاں سے آرہی ہو رملی۔ اور اس کے جواب کا انتظار کیئے بغیر جلے بھنے لچے میں کہنے لگیں۔

کہاں سے نکل آئی ہے تمہاری عزیز سہیلی کہ جس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں تمہیں گھر والوں کا ہوش بھی نہیں ہے۔

رملی ٹھٹھک گئی۔ اس کی ہنسیوں غائب ہوئی جیسے اچانک بجلی چلی جائے تو اندھیرا اچھا جاتا ہے۔ اس نے اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹے اور ڈری سہی نظروں سے طوبی آپا کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ طوبی آپا چونکہ سب بہنوں میں بڑی تھیں۔ اس لیے شروع سے ان کے انداز اور تیور جارحانہ تھے۔ بچپن میں بھی اسے طوبی آپا سے بہت ڈر لگتا تھا۔ مگر اب تو اسے یوں لگا کرتا جیسے وہ بال برابر پل صراط پر چل رہی ہے۔ کسی بھی لمحے عذاب کے جہنم میں جا گرے گی۔

اس روز جیدہ اسے مجبور کر کے پکچر دکھانے کو لے گئی تھی اور امی جان نے بھی اسے زبردستی بھیج دیا تھا۔ حالانکہ اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب جیدہ کے گھر نہیں جائے گی۔ کبھی بھی یاد کا سامنا نہیں کرے گی۔ وہ ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں بن کر رہنا چاہتی تھی۔ مگر امی جان اس کے دل کی حالت کو کیا جانتی تھیں۔ انہوں نے بڑے خلوص سے اسے بھیج دیا۔ اس دن کوئی عجیب بات بھی نہیں ہوئی۔ فلم دیکھتے ہوئے یار نے نہ تو عجیب نظروں سے اسے دیکھا اور نہ کوئی انگارے کی طرح سلگتا ہوا فقرہ اس کی جھولی میں ڈالا بڑے اچھے ماحول میں بڑی اچھی فلم دیکھی۔ بعد میں انہوں نے آکس کریم بھی کھائی اور پھر جیدہ اور یاد اسے گیٹ پر اتار کر چلے گئے۔ اس روز اس نے دل میں سوچا وہ تو ناحق ڈر رہی تھی۔ زندگی میں ہزار ہا لوگ ملتے ہیں۔ بعض لوگ اچھے لگتے

گئی ہوا!

رملی نے بے اختیار نظریں اٹھا کر سامنے اپنے کمرے کی طرف دیکھا۔ جس میں معوذ کو سلا کر گئی تھی۔

آج ساری شام تمہارا بیٹا روتا رہا ہے۔ اور امی بے چاری اسے سنبھال سنبھال کر تھک گئی ہیں۔ کیا سمجھ کر کھا ہے تم نے اپنی ماں کو \_\_\_\_\_ تمہیں معلوم ہے امی بیمار رہتی ہیں اس عمر میں وہ تمہاری آیا گیری نہیں کر سکتیں۔ ہم نے بھی اپنے بچے پالے ہیں۔ اور بچوں کے لیے اپنے آپ کو فنا کیا ہے۔ تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں \_\_\_\_\_؟

انہوں نے لمبی تقریر کر کے ذرا دم لیا۔ تو رملی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ معوذ آرام سے سویا ہوا تھا اور امی جان اس کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں۔ امی جان کے چہرے پر بہت تھکاوٹ تھی۔ مگر اکتاہٹ نہیں تھی۔ اس نے اپنا پرس میز پر رکھا۔ اور کپڑے بدلنے کے لیے غسل خانے میں چلی گئی۔ طوبی آپا کے بولنے کی آواز ابھی تک آرہی تھی۔

کتنی خود سر ہو گئی ہے یہ رملی۔ جواب تک دینا گوارا نہیں کیا \_\_\_\_\_؟  
پتہ نہیں اپنے آپ کیا سمجھتی ہے۔ دو گھنٹے سے اس کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ اب ملکہ کی سواری آئی ہے۔ مگر دیکھو میرے پاس سے یوں گزر گئی۔ جیسے اسے میری پروا ہی نہیں۔ یوں بھی اس نئی نسل کا خون سفید ہے \_\_\_\_\_؟

رملی کپڑے بدل کر باہر نکل آئی۔ امی جان کمرے سے اٹھ کر جا چکی تھیں اور اب طوبی آپا کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ شاید امی جان نے باہر جا کر انہیں چپ کر دیا تھا۔  
کتنا فرق ہوتا ہے ماں اور بہن میں \_\_\_\_\_ رملی نے سوچا اور بستر پر دراز ہو گئی۔  
آج وہ لوگ بہت ہنسے تھے۔

اس لیے اب دل پر گھٹائیں چھا رہی تھیں۔  
پتہ نہیں یاد رکھی بات میں اتنی خوشی کیوں رہتی تھی۔ یاد کے پاس کوئی طلسمی طاقت تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہی سارے مایوس کن خیالات ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔

وہ لوگ جب بھی کھانا کھانے یا تفریح کے لئے باہر جاتے تھے۔ موٹر ہمیشہ جیدہ چلاتی تھی۔ جب موٹر جیدہ چلاتی تھی تو پھر رملی کو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھنا پڑتا تھا۔ تب یاد ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ اور پیچھے بیٹھا ہوا اس طرح دھیمی دھیمی باتیں کرتا رہتا جیسے ان کی طرف پھول اور

پیتاں پھینک رہا ہو۔

جب پہلے دن وہ موٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تو رملی نے مڑ کر اسے دیکھا اور کہا۔  
پلیز آپ آگے آ کر جیدہ کے پاس بیٹھ جائیں

نہیں نہیں تم آگے بیٹھو رملی۔ میں تمہارے پیچھے بیٹھ کر خوشی محسوس کروں گا۔

آپ کو اپنی بیوی کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ رملی نے بودے پن سے کہا۔

میں تو بے چارہ دن مرید سا شوہر ہوں، یاد رسگار کا کش لے کر بولا۔

دو خوبصورت لڑکیوں کے پیچھے بیٹھ کر راحت محسوس کر رہا ہوں۔

تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ دو خوبصورت لڑکیوں نے بے چارے کو دبا رکھا ہے۔

جیدہ نے موٹر کاٹتے ہوئے کہا۔

نہیں \_\_\_\_\_ لوگ بلکہ مجھے رشک سے دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں۔ دو

خوبصورت لڑکیاں اس کو چلا رہی ہیں۔

اس پر جیدہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔

یادو! دراصل تم تن آسان ہو گئے ہو۔ اب موٹر چلانا نہیں چاہتے۔

ہاں \_\_\_\_\_ وہ اپنی نشہ آور آواز میں بولا۔ جب کوئی خوبصورت لڑکی میرے آس

پاس بیٹھی ہو۔ تو میرے ہاتھ کا پھنسنے لگتے ہیں۔ ایسے میں موٹر چلانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی

حادثہ نہ ہو جائے۔

تم موٹر چلاؤ تو کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا یادو \_\_\_\_\_

جیدہ نے سٹیرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

پتہ نہیں دونوں میاں بیوی کے تعلقات کیسے تھے؟ رملی اکثر سوچا کرتی۔ بظاہر وہ عاشق و

معشوق جیسی باتیں کرتے رہتے۔ مگر یادو کی نظریں کچھ اور ہی کہتی رہتیں۔

ایک دن موقع دیکھ کر رملی نے یہی سوال کر ڈالا۔

اس روز رملی تیار ہو کر ان کے گھر گئی۔ تو یادو بالکل تیار بیٹھا تھا۔ مگر جیدہ غسل خانے میں

تھی۔ باتوں باتوں میں ایک دم رملی نے جرات کر کے پوچھ لیا۔

آپ نے اب تک کتنے عشق کئے ہیں۔

یادو زور سے ہنسا۔ اور پھر سنجیدہ ہو گیا۔

اور کہنے لگا۔

رملی تم میرے بارے میں ایسا سوچ سکتی ہو۔ مگر میں تمہیں کیا بتاؤں کہ انسان کیا چیز ہے؟ انسان قدرت کی عجیب تخلیق ہے۔ زندگی بھر اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکتا۔ اب یہی دیکھو میں بائیس برس کا تھا جب مجھے جیدہ سے عشق ہو گیا تھا۔ بائیس برس کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں سب تجربے جلد بازی کے ہوتے ہیں۔ اب میں تیس برس کا ہوں۔ عشق و محبت کا مفہوم اب سمجھ میں آیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پہلا عشق کر کے میں پچھتا رہا ہوں۔ ہاں اگر میرا وہ عشق ناکام ہو جاتا۔ تو بھی اب میں اپنے ان جذباتوں کی ہنسی اڑاتا ہوتا۔ مرد کی زندگی میں بہت سے مرحلے آتے ہیں۔ مرحلے پڑاؤ نہیں ہوتے۔ یہ تو مرد بھی نہیں جانتا کہ اسے کب، کس عمر میں سچی محبت ہو جائے گی۔ اس لیے جو چہرہ قریب آتا ہے۔ اس کا محبوب بن جاتا ہے۔ پھر ایک دن

یہ کہہ کر اس نے سگار کا کش لیا۔ تھوڑی دیر تک خلاؤں میں گھورتا رہا۔۔۔۔۔۔ پھر اس کی سلگتی آنکھوں میں آنکھیں پھنسا کر بولا۔  
زندگی کی ڈگر پر ظالم اور سفاک چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ جس پر ہمارے دل کی کہانی لکھی ہوتی ہے۔ جسے دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ پچھلی ساری زندگی یونہی رائیگاں گئی وہی چہرہ حاصل زندگی بن جاتا ہے۔  
تم نے وہ شعر سنا ہے۔

تمام عمر ترا انتظار ہم نے کیا۔۔۔۔۔۔

اس انتظار میں کس کس سے پیار ہم نے کیا؟

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔ مگر اس نے گھبرا کر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اور بولی۔

جیدہ نے بہت دیر لگا دی ہے؟

تم بات بدلنا خوب جانتی ہو۔ یاور نے دانت پیس کر کہا۔

آپ اس طرح کہہ لیں۔ ورنہ جو بات میری سمجھ میں نہ آئے اس کا میں کیا جواب دوں؟

رملی! یاور نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ تم اس طرح کیوں نہیں پوز کرتی ہو۔ جیسے تم دنیا کی سب سے زیادہ معصوم عورت ہو۔

رملی ہنسنے لگی۔

اگر آپ کے خیال میں میں پوز کرتی ہوں تو آپ اسے سچ نہ مانا کریں مجھے بے حد مکار ت سمجھتے رہیں۔

نہیں۔۔۔۔۔۔ یاور سگار کی راکھ جھاڑ کر بولا۔

مکار عورتیں تمہاری طرح نہیں ہوتیں۔ تم واقعی معصوم ہو۔ مگر کبھی کبھی مجھے تمہاری معصومیت صہ آتا ہے۔

رملی کا دل چاہا وہ پوچھے۔

آپ کو کیوں میری معصومیت پر غصہ آتا ہے یا غصہ کرنے کا کیا حق ہے؟

مگر اس نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔

رملی۔ یاور نے تھوڑی دیر بعد بڑی نرمی سے کہا،

مجھے حسرت ہے میں تمہارے خیالات سنوں۔ مگر تم بہت کم باتیں کرتی ہو۔ کیا تم مجھے خط بن لکھ سکتیں؟

خط۔۔۔۔۔۔؟ اس وقت اسے یاد آیا کہ اس نے اس مہینے معاذ کے خط کا جواب نہیں دیا۔

رملی ہنسنے لگی۔ بھی کس سلسلے میں؟

بس ایسے ہی جیسے قلمی دوستوں کو لکھے جاتے ہیں۔ یا جس طرح دو بالغ افراد ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے اس طرح سے مردانا چاہتے ہیں۔ کوئی خط دیکھ لے تو یہ کہے کہ شادی شدہ کراہیک نامحرم کو خط لکھتی ہیں۔

کون دیکھے گا بھی؟ جیدہ کو تو میں بتا دوں گا۔ پھر کون اعتراض کرنے والا ہے

رحمیں شک ہے کہ تمہارے خط ادھر ادھر گر جائیں گے۔ یا کسی کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ تو اس کا ی بندوبست ہو سکتا ہے۔

رملی چپ رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

میرا ایک دوست بینک میں منیجر ہے۔ اس کی معرفت بینک میں ایک لاکر لے لوں گا۔ اور

اس میں تمہارے خط رکھ دیا کروں گا۔

لبے بالوں والی عورتیں اپنے جذبات چھپا کر رکھتی ہیں۔ اپنے جذبات پر بھی بالوں کی تہہ دیتی ہیں۔ \_\_\_\_\_؟  
اس بار رملی مسکرائی۔

یاور! جیدہ شوخی سے بولی۔ اب کچھ چھوٹے بالوں والی عورت کے بارے میں بھی کہو؟  
مے تو حسد ہونے لگا ہے رملی سے \_\_\_\_\_  
اس پر تینوں نے ایک تبہقہ لگایا۔-----

رملی نے بے قرار ہو کر روٹ بدلی۔ بہت سارے دن بہت اچھی طرح گزر گئے تھے۔ وہ بچہ گھر میں بھی مگن تھی اور امی کے گھر میں بھی خوش رہتی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ تھوڑے دنوں کے لیے عید سے جھوٹ کر آ گئی ہے اس کے لاشعور میں کہیں تھا کہ واپس اسی قید خانے میں جانا ہوگا۔ اے وہ چاہتی تھی چند دن ہنس کھیل کر گزار لے۔ صرف ہنسنے کھیلنے کے سوا اس کا کوئی اور مقصد ہی نہیں تھا۔ مگر طوبی آپا کو دیکھو۔ مزے سے الزام کا ٹوکرا اٹھا کر اس سر پر دے مارا تھا۔ آخر اس نے کیا بار کیا تھا۔ ہفتے میں ایک ہی بار تو ادھر آتی تھی اور ایک شام اچھی گزار جاتی تھی۔ جس شام کا نشہ سارا ہفتہ اس کے اعصاب پر رہتا تھا۔

پر آج رات جیدہ نے کنٹی عجیبات کہہ دی تھی۔  
آج وہ ایک ریسٹوران میں کھانا کھانے گئے تھے۔ ابھی آخری نوالے کھا رہے تھے کہ  
جیدہ بولی۔

یادِ ترم بل دے کر رملی کے ساتھ باہر آ جانا۔ میں پہلے جا کر گاڑی اشارت کر لوں۔ آج دھکا لگوانا پڑے گا۔

جیدہ باہر آ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں مل ادا کر کے باہر نکلے۔ جیدہ موٹر اسٹارٹ کئے ان کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ یاور نے پہلے ہوٹل کا دروازہ کھولا اور ملنی باہر آ گئی۔ پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے موٹر تک آئے اسی طرح یاور نے موٹر کا اگلا دروازہ کھولا۔ ملنی آگے بیٹھ گئی، پھر یاور نے پچھلا دروازہ کھولا اور خود پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جیدہ نے موٹر آگے بڑھائی اور نرس کمر بولی۔

تم دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

رملی کا سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔

کار چلتی رہی جیدہ مسکراتی رہی۔۔۔۔۔ سامنے دیکھتی رہی۔ پھر اسی انداز میں بولی۔

رملی کو یہ بات بہت عجیب لگی۔ حیران ہو کر یاد رکھا کہ چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر خطوں کی اس ضمن میں کیا ضرورت پیش آ گئی۔ جب کہ وہ اکثر ان لوگوں سے مل لیتی ہے مل سکتی ہے۔ اس نے معاذ کو بھی بڑی مشکل سے خط لکھا تھا۔ اور شاید اسے خط لکھنا آتا بھی نہیں تھا۔

[illegible]

جبکہ نے اپنا پرس اٹھا کر کہا اور تینوں باہر نکل آئے۔  
پھر ایک دن جب رملی اپنے سنہری چمکدار لمبے بال اگلی سیٹ کی پشت پر پھیلائے بیٹھی تھی۔  
تو یاد کرنے پچھلی سیٹ پر سے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا۔  
جبکہ ! تمہیں معلوم ہے جن عورتوں کے لمبے اور خوبصورت بال ہوں وہ انہیں کھلا کیوں  
چھوڑ دیتی ہیں؟

نہیں۔۔۔۔۔ جیدہ ہنس کر بولی۔ بھئی میں نہیں جانتی۔ میرے تو کبھی لمبے بال نہیں تھے۔ میں کیا جانوں؟

تاکہ اپنے پیچھے تڑپنے والوں کا نظارہ نہ کر سکیں۔  
 رملی کے دل نے پھر زکریا کی لگائی۔ اسے احساس تھا۔ اس کے بال بہت خوبصورت ہیں اور  
 جو کوئی اسے پیچھے سے دیکھ لیتا تھا۔ آگے آ کر اس کا چہرہ ضرور دیکھنا چاہتا تھا۔  
 ایک اور خاصیت بھی ہے لمبے بالوں والی عورت کی۔

یاور پھر بولا۔

زملى آج روئے سخن تمھاري طرف ہے۔ جیدہ نے ايک آنکھ بند کر کے کہا۔

زمینی صرف مسکرا کر رہ گئی۔







آئی۔ پہلے میری بات تو سنو۔

مگر تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو! خوفزدہ لہجے میں رملی نے پوچھا۔

ہاں جانتی ہوں۔۔۔۔۔ تم میری دوست ہو۔ آج اگر درد دل تم سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔ پہلے خاموشی سے میری بات سنو۔  
رملی خاموش ہو گئی۔

جیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔

پھر کہنے لگی رملی! تو جانتی ہے میرا بچہ نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ میرے بچہ نہیں ہو سکتا۔ اور یاد کرو۔ بچے کی بڑی آرزو ہے۔ کبھی کبھی مجھے احساس جرم ہونے لگتا ہے کہ میں یاد رکھتی ہوں تو بچہ نہیں سکتی۔ مگر اس کے ساتھ چٹی ہوئی ہوں۔ اب تم دونوں کی حالت دیکھ کر میرے دل میں ایک خیال آیا ہے۔ تم اسے حل کہہ سکتی ہو۔

رملی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ کسی نئے حملے کے لیے تیار ہو گئی۔

تم۔۔۔۔۔ تم ایسا کرو۔ یاد رہے شادی کر لو۔

جیدہ۔۔۔۔۔؟

رملی اتنے زور سے چیختی کہ کاٹ (COT) میں سویا ہوا معوذہ ڈر کر جاگ اٹھا اور پھر سسک سسک کر رونے لگا۔

رملی چھلانگ لگا کر اس کے بستر کے قریب گئی۔ اور دھیرے دھیرے اسے تھپکتی رہی تھوڑی دیر سسک کر اور کسمسا کر معوذہ دوبارہ سو گیا مگر رملی بت کی طرح بیٹھی اسے تھپکتی رہی۔ اس کا چہرہ دیکھتی رہی اس کے ہونٹ دیکھتی رہی جو سوتے میں کبھی بسور رہے تھے۔ کبھی مسکرا رہے تھے۔ اس کے رخسار پر ایک تنہا آنسو رہ گیا تھا۔ اس کو دیکھتی رہی۔۔۔۔۔ اپنا ہاتھ اس کے نرم، ملائم جسم پر پھیرتے ہوئے وہ سوچتی رہی۔ محبت کی اصل کیا ہے؟ یہ معوذہ کون ہے؟ کون ہے یہ دل کا ٹکڑا اور کہاں سے آ گیا؟

کس نے بخشا یہ لال۔۔۔۔۔؟

یہ موتی سیپ میں کیسے اترتا؟

کیا موتی سیپ سے باہر آ کر بے مول ہو جاتے ہیں۔

اتنا بڑا آسرا تھا اس کے پاس۔ وہ کیوں بے آبرو ہوئی؟

دھچکا لگا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی سن ہو گئی۔ اپنی پوزیشن درست بھی نہ کر سکی۔ اور مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی وہ اندر ہی اندر گھل رہا ہے۔ اتنا عرصہ ہو گیا میری شادی کو مگر میں نے اس کی ایسی حالت کبھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔۔ یہ کہتے وقت جیدہ رملی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ اس نے دیوار کی طرف منہ پھیرا ہوا تھا۔ اور بڑی اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ رملی ایک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایک پھیکا سا چہرہ۔ جیسے رملی کا کاغذ جس پر کچھ بھی نہ لکھا گیا ہو۔

یہ بات جیدہ غصے سے کہہ رہی ہے۔ گلے میں۔۔۔۔۔ یا نفرت سے۔۔۔۔۔  
رملی کو تو کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بس اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیسے اسے پھانسی کے تختے کے قریب لے جایا جا رہا ہو۔۔۔۔۔  
میں اپنے شوہر کو آزرہ نہیں دیکھ سکتی۔۔۔۔۔  
جیدہ پھر بولنے لگی۔

میں اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا ہے آج میں تم سے یہ بات ضرور کروں گی۔

یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ رملی کی طرف دیکھا۔ رملی نے جھٹ نظریں جھکا لیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جیدہ اس سے کیا کہنا چاہتی ہے؟

جیدہ تھوڑی دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر بڑے بے درد لہجے میں بولی۔

اور شاید تم بھی۔۔۔۔۔

جیدہ۔۔۔۔۔؟ رملی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

جیدہ۔۔۔۔۔؟

ہاں تم بھی اس سے محبت کرنے لگی ہو رملی۔ یاد رہے طلسمی کشش ہے۔ جو لڑکی اسے دیکھتی ہے۔ اس سے محبت کئے بنا رہتی نہیں۔

یہ جھوٹ ہے جیدہ۔۔۔۔۔

رملی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ اگر میں تم لوگوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوں ہنس بول

لیتی ہوں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ۔۔۔۔۔

صفائی کیوں پیش کر رہی ہو رملی۔ جیدہ نے ذرا نرمی سے کہا۔ میں تم سے گلہ تو کرنے نہیں

کتنی دیر تک وہ یونہی گم صم۔۔۔۔۔ بیٹھی اس کو تھپکتی رہی۔ معوذ کے پاس سے اٹھ کر جانے کا حوصلہ نہ ہو۔ گا۔ معوذ کے آس پاس اس کی ساری طاقت جمع تھی۔  
کافی دیر کے بعد جیدہ نے سر اٹھایا اور پوچھا۔  
کیا معوذ سو گیا ہے۔۔۔۔۔؟

ہاں۔۔۔۔۔  
یہ کہہ کر رملی کھڑی ہو گئی اور مرے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ مگر اس بار جیدہ کے پاس پلنگ پر بیٹھنے کی بجائے وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی کہنے لگی۔  
جیدہ! میں نے تمہیں ایک بار کہا تھا نا کہ تم دونوں میاں بیوی پاگل ہو۔  
پاگل تم ہو۔۔۔۔۔؟

جیدہ نے ایسے کہا۔ جیسے اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہو۔  
ایک اتنی بڑی حقیقت کو جھٹلا رہی ہو۔  
کیا حقیقت ہے جیدہ۔۔۔۔۔؟ رملی نے غصے سے پوچھا۔  
یہ کہو تم اور یا اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔  
ذرا ہوش کی دوا کرو۔ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ میرا شوہر ہے۔ میرا بچہ ہے۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔۔۔۔۔؟  
ہاں ٹھیک ہے کہ تم شادی شدہ عورت ہو۔ مگر تم اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو۔ اپنی شادی سے خوش نہیں ہو۔

تم سے کس نے کہا ہے۔۔۔۔۔؟  
تمہارے چہرے پر لکھا ہے۔ شاید تم اس وقت اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتیں جب تمہارا شوہر تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ کاش تم دیکھ سکو۔ اس وقت تمہارے چہرے پر کتنی نفرت اور بیزاری ہے۔ ایسے لگتا ہے تم اپنے آپ سے جنگ کر رہی ہو۔ لڑ رہی ہو۔ سانس بھی کھینچ کھینچ کر لے رہی ہو۔ ظاہر ہے جو بھی تمہیں اس عالم میں دیکھے گا۔ تم سے ہمدردی کرے گا۔۔۔۔۔ تم کو بچانا چاہے گا۔ تم سے محبت کرے گا۔ تم اپنی ناکام اور ناخوش زندگی کا چلتا پھرتا اشتہار خود ہو۔

رملی بے بسی سے رونے لگی۔ بس اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ آج اسے اپنی ناکامیوں اور کوتاہیوں کا خیال بری طرح آنے لگا تھا۔ اندر اتنی کشمکش ہونے لگی کہ آنسوؤں کی ایک بو چھاڑ آ

ئی اور اس کا سارا چہرہ بھگو گئی۔ تھوڑا سا رو کر بولی۔  
جیدہ! آج کے بعد میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی۔ اور تم بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا میں نے پہلے بھی دو چار مرتبہ یہیہ کیا تھا۔ مگر تم کسی نہ کسی طرح راہ میں آ جاتی تھیں۔ اب جب کہ بات کھل گئی ہے تو میں اپنی ازدواجی زندگی کو بچانا چاہتی ہوں۔  
مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ خبردار آج کے بعد مجھ سے ملنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا۔  
جیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور زور زور سے ہنسنے لگی۔ پھر رملی کے پاس صوفے پر جا بیٹھی اور اسے گلے سے لگا لیا۔

رملی میں تمہیں طعنے دینے کے لیے نہیں آئی نہ تکلیف پہنچانے آئی ہوں، میں تو ایک تجویز لے کر آئی تھی۔ ذرا سیلی بن کر میری بات سنو۔  
رملی خاموش بیٹھی رہی۔  
جیدہ کہنے لگی۔

تمہیں معلوم ہے میری زندگی میں ایک خلا ہے۔ تم بھی اپنی زندگی سے خوش نہیں ہو۔ اگر تم معاذ سے طلاق لے کر یاور سے شادی کر لو گی۔ تو وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ تم اسے بچے دے سکتی ہو۔ اور ہم دونوں مل کر رہ لیں گے۔ ظاہر ہے اگر وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری عورت سے شادی کر لے گا تو وہ مجھے اپنے پاس نہیں رکھے گا۔ مجھے یاور سے محبت ہے۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔ تم میری سیلی ہو۔ یہ ظلم تم مجھ پر نہ کرو گی۔

رملی نے اپنی کیلی آنکھوں سے جیدہ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور بولی۔  
جیدہ کیا تم نے شادی کو تماشا سمجھ رکھا ہے! کتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ رہی ہو۔  
اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا رملی۔۔۔۔۔؟ اور طلاق کا حق تو عورت کو شریعت بھی دیتی ہے۔ یہ تو معاشرے کے ٹھیکیداروں نے عورتوں کے سارے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔  
تم جانتی ہونا؟ ایک طلاق کے مرحلے سے گزرتے ہوئے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ ذرا میرے والدین کے بارے میں سوچو۔ میں انہیں اس عمر میں اتنا بڑا صدمہ کیوں دوں۔۔۔۔۔؟

اگر تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے تو کرب کی ایک لکیر ہمیشہ تمہارے ماتھے پر کیوں رہتی ہے؟  
کیوں ایسے لگتا ہے کہ جیسے تمہیں کسی نے سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ تم کو اس باختہ کیوں رہتی

رملی چپ بیٹھی رہی۔

جیدہ پھر بولی۔

یہ مرد کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں۔ یہاں شوہر بغیر وجہ کے بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس کی فریاد نہیں سنتا۔ اس پر ترس نہیں کھاتا۔ بس جب اس کا دل کسی دوسری عورت پر آتا ہے۔ جھٹ طلاق کے کاغذات اپنی بیوی کے منہ دے مارتا ہے۔

اس سے کوئی نہیں پوچھتا کہ بھی تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اس غریب کا کیا قصور ہے؟ یا نئی بیوی کے ساتھ اس کو بھی گوارا کر لو اس کے بھی حقوق ادا کرتے رہو۔۔۔۔۔۔ اگر مرد ایسا کر سکتا ہے۔ تو عورت کیوں نہیں کرتی؟

میں ایسی عورت نہیں ہوں۔ رملی نے آہستگی سے کہا۔ میں نے معاذ سے علیحدہ ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔

لیکن لاشعوری طور پر ہمہ وقت اس سے الگ رہتی ہو۔ اس کے ساتھ کہیں جاتی نہیں ہو۔ کسی سے اسے ملوانہ نہیں سکتی ہو۔ تمہارے اندر ہر وقت ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔

یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ رملی نے رو ہانسی آواز میں دوبارہ کہا۔

بے وقوف! میں بھی تو تمہاری ذات کے لئے کہہ رہی ہوں۔

جیدہ! اب تم جاؤ۔ رملی نے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ کر کہا۔

رمو! میں تیری عزیز سہیلی ہوں۔ تیری دشمن نہیں ہوں۔ میں تجھے سوچنے کا موقع دیتی ہوں دوسری شادی آج کے معاشرے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ تو اتنی نونیز ہے۔ اور تیرے سامنے

ساری عمر کا سوال ہے۔

جیدہ تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ پھر کہنے لگی۔

اور اگر تجھے یہ خوف ہے کہ سارے گھر والے تیرے مخالف ہو جائیں گے تو ہم میاں بیوی

تیرا ساتھ دیں گے۔ ہم تیرا مقدمہ لڑیں گے اور تجھے اپنے گھر میں پناہ دیں گے۔

بس۔۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔۔ رملی زور زور سے رونے لگی۔ بہت ہو چکی جیدہ! اب تم جاؤ۔

اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہو میں اپنی نظر میں آپ گر چکی ہوں۔ پتہ نہیں تم نے مجھے کس قماش کی لڑکی

سمجھ لیا ہے۔ بس۔۔۔۔۔۔ اب تم جاؤ۔ پلیز جاؤ۔ میں اور نہیں سن سکتی۔

جیدہ ہچکچاہٹیں ہنسی ہنس کر کھڑی ہو گئی۔

ہو۔۔۔۔۔۔؟ تم خوش کیوں نہیں رہتی؟

یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ رملی نے کہا۔

اب اس میں ایک دوسرا شخص بھی شامل ہو گیا ہے۔

کون ہے وہ دوسرا شخص۔۔۔۔۔۔؟ رملی نے غصے سے کہا۔

وہ میرا شوہر ہے۔

تم اپنے شوہر کو سنبھال کے رکھو۔ میں نے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ میں آج کے بعد تم لوگوں سے نہیں ملوں گی۔

رملی جان: جیدہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

پھر خفا ہو گئی ہو۔ جان! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ذرا ٹھہرو۔ سوچو۔۔۔۔۔۔ میں

کوئی بری بات نہیں کہہ رہی۔ مجھے بھی تم سے ہمدردی ہے۔ میں کہتی ہوں۔ تم ساری زندگی عذاب

میں کیوں گزارو۔ جب کہ ایک راستہ ہے۔ اس عذاب سے نکلنے کا۔

اگر یہ عذاب ہے تو میں اس عذاب سے نکلنا نہیں چاہتی۔

نہیں رمو! تمہارے سامنے ایک راستہ ہے تم فیصلہ کر سکتی ہو۔ یاد رکھو تم سے بے پناہ محبت

ہے۔ یاد رکھیں کیا نہیں دے سکتا۔ تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی ہو۔ یاد رکھی اور تمہاری جوڑی

کتنی بھلی لگتی ہے۔ خدا کے واسطے میری بات مان جاؤ۔ میں تمہاری کنیز بن کے تمہارے گھر میں

رہوں گی تمہارے بچوں کو کھلایا کروں گی۔

کاغذ کا گھر وندانہ بناؤ جیدہ۔۔۔۔۔۔ کاغذ کے گھر میں تو چولہا بھی نہیں جل سکتا۔

رمو! زندگی تو ایک بار ملتی ہے۔ جوانی تو ایک بار آتی ہے۔ عورت کو بھی خوش رہنے کا حق

ہے۔ اور ہماری شریعت میں بھی صاف لکھا ہے کہ اگر عورت کسی وجہ سے اپنے شوہر سے ناخوش ہو یا

اس ناپسند کرتی ہو تو طلاق لے سکتی ہے۔ تمہیں تو صرف ایک دن فیصلہ کرنا ہے۔ فیصلہ کر کے دل

کڑا کرو۔ اور اسی طرح ایک دن معاذ سے کہہ دو۔ جس طرح آج میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ تم

اس سے طلاق لینا چاہتی ہو۔ اگر معاذ کو تم سے محبت ہوگی۔ تمہیں خوش دیکھنا چاہے گا تو ضرور تمہیں

طلاق دے دے گا۔ جس طرح میں اپنے شوہر سے محبت کرتی ہوں او اسے ہر حالت میں خوش

دیکھنا چاہتی ہوں اور جب میاں بیوی میں یہ معاملہ طے پا جائے۔ تو پھر گھر کے اور لوگ اس

میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔

تم اس وقت جذباتی ہو رہی ہو مللی! کیونکہ پہلے پتھر کی چوٹ کچھ زیادہ ہی لگتی ہے۔ میں بھی تمہاری جگہ ہوتی تو میرا بھی یہی حال ہوتا۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ ابھی تمہارے شوہر کے آنے میں بہت دن ہیں۔ تم سوچ سکتی ہو۔ فیصلہ کر سکتی ہو۔ اور ہاں۔۔۔ جو فیصلہ کرو مجھے ضرور بتا دینا۔ میری دوستی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

یہ کہہ کر جیدہ باہر نکل گئی۔

رملی جی بھر کر روتی رہی اسے آج اپنی حالت پر غصہ بھی بہت آیا۔ اور ترس بھی آیا۔ جیدہ نے کتنی عجیب بات کہہ دی تھی۔ کیا کبھی شرفاء میں بھی ایسا ہوا ہے۔ دنیا کیا کہے گی۔۔۔؟ زمانہ کیا سوچے گا۔۔۔؟ کیا اپنی نظروں میں گر کر بھی کوئی جی۔ کا ہے۔ اور جیدہ نے اسے کیا سمجھ کر ایسی بات کہہ دی ہے۔

سارا دن اس کا جی کھولتا رہا۔ بار بار اپنے آپ پر غصہ آتا رہا۔۔۔ رات کو وہ گھر واپس آ گئی۔ بے جی نے اس کا چہرہ اترا ہوا دیکھا تو پوچھا۔۔۔ کیا بات ہے وہ بیٹی۔۔۔؟

کچھ نہیں بے جی۔۔۔۔۔ وہ بہت آہستہ سے بولی۔ آج سارا دن میرے سر میں بہت درد ہوتا رہا۔

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے غور سے اپنے خوبصورت کمرے کو دیکھا۔ اٹھارہ مہینے میں تو آدمی ایک کمرے سے بھی مانوس ہو جاتا ہے۔ شاید اسے بھی اس کمرے میں چپ چاپ رہنے اور دن رات سلگنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ بے جی اس کے پیچھے چلی آئیں۔۔۔۔۔ غور سے اس کا اداس چہرہ دیکھتی رہیں۔ جب رملی نے استفسار نہ انداز میں ان کی طرف دیکھا تو بولیں۔

میں یہ بتانے آئی ہوں۔ آج دوپہر کو معاذ کا فون آیا تھا۔۔۔۔۔

رملی ایک دم اچھل پڑی۔ جس دن ایسی ویسی کوئی بات ہو جائے معاذ کا ٹیلی فون ضرور آتا تھا۔ پتہ نہیں یہ کیا رشتہ ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔۔۔ ایک دروازہ بالکل بند ہے۔ اور ساری روشنی دوسرے دروازے سے آرہی ہے۔

جی کیا کہا ہے انہوں نے۔۔۔۔۔؟

اس نے اپنی سوچ میں ڈوبی آنکھیں اٹھا کر بے جی سے پوچھا۔  
خوشخبری ہے تمہارے لئے۔۔۔۔۔ اگلے ہفتے آ رہا ہے۔۔۔۔۔؟  
اگلے ہفتے۔۔۔۔۔؟

رملی نے اس طرح پوچھا کہ بے جی کو اندازہ ہوا۔ یہ حیرت تھی یا خوشی۔  
ہاں کہہ رہا تھا۔ میرا کام ختم ہو گیا ہے اور میں وقت سے پہلے آ جاؤں گا۔ تمہارا اور معوذ کا بھی پوچھ رہا تھا۔۔۔۔۔؟

دو چار اور باتیں کر کے بے جی باہر نکل گئیں۔  
تو رملی نے وہاں کھڑے کھڑے اپنے دل سے پوچھا۔۔۔۔۔  
کیا فیصلہ ہے تمہارا۔۔۔۔۔؟

رمو! تجھے اللہ خوش رکھے۔ مجھے تجھ جیسے دوست پر فخر ہے۔ تم خدا کی پھر کبھی تجھے ایسی بات نہ کہوں گی۔

یہ تمہاری عنایت ہوگی؟ رملی نے بیدلی سے کہا۔

رمو! تو نے میرا حال ہی نہیں پوچھا۔

جیدہ نے بڑی لگاؤ سے کہا۔ میرا خیال ہے تو ابھی تک مجھ سے ناراض ہے۔

کیا ہوا ہے تجھے؟ رملی نے فوراً پوچھ لیا۔

پچھلے دس دنوں سے سخت بیمار ہوں۔ ڈاکٹروں نے ہسٹری پر رہنے کا مشورہ دیا ہے۔

اچھا بات کیا ہے؟

اب سب کچھ فون پر کیسے بتاؤں۔ دس دنوں سے پڑی سنگ رہی ہوں تم سے ملنے کو دل

ترپ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے فون تک آئی ہوں۔ ظالم تھوڑی دیر کے لئے آ کے مجھے مل جا۔

اب۔۔۔۔۔ اس وقت رملی نے چونک کر کہا۔

ہاں آ جا!

اس وقت میں نہیں آ سکتی۔ بے جی یہاں کسی ہمسائے کے گھر گئی ہیں۔ نوکرائی بھی آج

چھٹی پر ہے۔ دوپہر کا کھانا میں ہی پکا رہی ہوں۔ اس وقت تو میں نہیں آ سکتی۔

اچھا۔۔۔۔۔ جیدہ نے مایوسی سے کہا۔

اگر میں چلنے کے قابل ہوتی تو خود آ جاتی۔ کیا تم شام کو آ سکتی ہو۔

شام کو تو بالکل بھی نہیں آ سکتی۔ کیونکہ آج کل معاذ سے ملنے کے لئے بہت سے لوگ شام کو

آتے رہتے ہیں۔

رملی خدا کے لئے مجھے ملو آ کر۔ میرے دل پر ایک بوجھ سا ہے۔ تم سے مل کر میں یہ بوجھ

ہٹانا چاہتی ہوں۔

رملی نے کہا۔

کوشش کروں گی۔

نہیں رمو! جیدہ پیار سے بولی۔ تو کل مجھ سے صبح ملنے کے لئے آ۔۔۔۔۔

کل کس وقت

یہی کوئی دس اور گیارہ کے درمیان۔ اس وقت یا تو دفتر چلا جاتا ہے۔ میں گھر پر اکیلی ہوتی

فون کی گھنٹی بجی تو رملی نے دوڑ کر اٹھایا۔ دوسری طرف جیدہ تھی۔

بڑے پیار سے بولی۔

رملی تو مجھ سے خفا ہو گئی ہے۔؟

رملی نے پہلے اپنے لہجے پر قابو پایا۔ اور پھر آہستہ سے کہا۔

نہیں۔۔۔۔۔؟

تو پھر اس دن کے بعد سے آئی کیوں نہیں؟ فون بھی نہیں کیا۔

دراصل جیدہ! اسی ہفتے معاذ آ گئے تھے۔

اچھا۔ مگر تو تو کہہ رہی تھی اگلے مہینے آئیں گے۔

بس وہ آ گئے۔ کہہ رہے تھے۔ کام ختم ہو گیا۔ تو چلا آیا۔

تیرے لئے اداس ہو گیا ہوگا۔ واقعی تیرا پریمی ہے۔

رملی کو اس دن کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اور اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔

جیدہ بولی۔

رمو! مجھے تجھ سے معافی بھی مانگنا تھی۔

کس بات کی؟ رملی نے پوچھا۔

اس روز جانے میں کیا اول فول بکتی رہی۔ تیرے جیسے معصوم اور وفا شعار بیوی کے ساتھ

مجھے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ مگر تو نہیں جانتی کبھی کبھی میں فرسٹریشن کا شکار ہو جاتی ہوں۔

پھر فضول باتیں کرنی لگتی ہوں۔ میں نے شاید اس دن تمہارا دل دکھایا تھا۔ گھر آ کر مجھے بہت

افسوس ہوتا رہا۔ رمو! خدا کے لئے مجھے معاف کر دے۔ پلیز۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔

رملی نے کہا۔

اگر تجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو پھر سمجھ لے کہ میرے دل کی خفگی بھی دور ہو گئی۔

ٹوہر گھر آیا ہے۔

شوہر جب پردیس سے آتے ہیں تو بیویوں کے سوئے ہوئے جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔  
ن کے ارمان دوہن بنتے ہیں۔ دل کے اندر جھلک دیئے روشن ہوتے ہیں۔ وصل کی ایک  
خوبصورت رات کا اجالا ان کی آنکھوں سے چھن چھن کر نکلنے لگتا ہے۔ جتنی دیر کے بعد شوہر آتا  
ہے۔ اتنا ہی پیارا لگتا ہے۔ جتنے فاصلے طے کر کے آتا ہے۔ طلب اتنی بڑھ جاتی ہے۔ ارمان لو  
ہے کی طرح تپ جاتے ہیں اور پھر سانسوں کی ذرا سی آنچ شعلے بھڑکا دیتی ہے۔  
مگر نہ جانے رملی کو کیا ہوا؟

پہلے اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

غمزدہ اس روز خوف زدہ تھی۔ اپنی ہر بات سے خوفزدہ تھی۔ مسکراتی تو ڈر جاتی کہ ہونٹوں کی  
لہروں میں شاید کوئی چور درپچھ کھل گیا ہے۔ بات کرتی تو نظریں جھکالیتی کہ نظریں راز فاش کر رہی  
تھیں۔ قریب آ کے بیٹھتی تو ڈر جاتی کہ کہیں اس میں سے کسی نا محرم کی خوشبو نہ آ جائے  
آگے بڑھنا چاہتی تو رک جاتی۔

کہ معاذ کیا کہے گا؟

کس بات پہ پردہ ڈالنے کے لئے وہ پیش قدمی کر رہی ہے۔ اپنے آپ کو اس نے اپنے ہی  
واہموں میں جکڑ لیا تھا۔

اور وصل کا لمحہ چراغ جلانے بغیر گزر گیا تھا۔

معاذ تھوڑی دیر تو چیت لینا رہا۔ پھر بولا۔

رمو! میں وہاں جتنا عرصہ رہا۔ میں نے اپنے آپ کو تمہاری امانت سمجھا۔ شادی سے پہلے کی  
اور بات ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے مرد اس جانور کی طرح ہوتا ہے۔ جس کے گلے میں کسی کی  
ملکیت کا پتہ نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ہر میدان میں چر لیتا ہے۔ مگر شادی کے بعد بعض مرد شادی کے  
اصولوں کا احترام کرتے ہیں۔ مجھے ان پانچ مہینوں میں تمہارے سوا کسی عورت کا خیال نہیں آیا۔ یہ  
مرد کے اندر کی بات ہے۔ بھوک تو آدمی کسی سستے ہوٹل سے کھا کر بھی مٹا سکتا ہے۔ مگر مردوں کو اپنی  
بیوی کی رسوائی کا کھانا اتنا نفیس لگتا ہے کہ وہ باہر بھوکا رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور گھر آ کر ہی پیٹ بھر  
کر کھاتے ہیں۔

رملی نے ایک لمبی سانس چھوڑی اور دل میں سوچا۔

ہوں۔ خوب دل کھول کے تم سے باتیں ہوں گی۔

اچھا

بیدی سے اچھا نہ کہہ۔ بلکہ وعدہ کر۔  
بھئی دیکھوں گی؟

کیا دیکھے گی۔ آج رات معاذ سے اجازت لے لینا صرف دو گھنٹے کے لئے آ جانا۔ اگر تو  
کہے تو میں شام کو معاذ بھائی سے فون پر اجازت لے دوں۔

نہیں۔ رملی نے ایک دم کہا۔ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔

رمو! بس ایک بار تو مجھے مل جا۔ اس کے بعد تجھے کبھی تکلیف نہ دوں گی۔ تیرا دل چاہے تو  
مجھے ملنا ورنہ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا۔ لیکن صرف ایک مرتبہ مجھے آ کر مل جاؤ۔

ٹھیک ہے۔ رملی نے کہا۔

کل میں انتظار کروں۔

ہاں میں آ جاؤں گی۔

ضرور رمو! میری آنکھیں دروازے پر لگی رہیں گی۔

رملی نے آہستہ سے فون رکھ دیا۔

اسے جیدہ پر ترس آنے لگا۔ جیدہ کی عجیب زندگی تھی۔ ماں باپ کی مخالفت مول لے کر اس  
نے یاور سے شادی کر لی تھی۔ بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ جیدہ یاور کے ساتھ گھر سے بھاگ  
گئی تھی۔ یہ ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ اب پتہ نہیں بے چاری کس قسم کے حالات سے دوچار  
تھی۔ بظاہر تو خوش و خرم ہی نظر آ رہی تھی۔

لیکن جب سے معاذ آیا تھا۔ رملی بہت محتاط ہو گئی تھی۔ رملی محتاط تو جیدہ کی باتیں سن کر ہی  
ہو گئی تھی طوئی آپا نے بھی اسے بہت طعنے دیئے تھے۔ اس کا مطلب ہے۔ کوئی بات تھی جو اس  
کے چہرے پر لکھی تھی۔ اور اپنے ہی چہرے سے اسے ڈر آنے لگا تھا۔

اس پر ایک اور غضب ہو گیا۔

جس روز معاذ واپس آیا اس کے لئے اور بچے کے لئے بے شمار تحائف لایا۔ گھر میں پھر  
ایک بار شادی کا سا سماں ہو گیا۔ اس روز رملی نے زبردستی ہنسنے مسکرانے کی کوشش کی۔ معاذ سے  
باتیں بھی کیں۔ وہ چاہتی رہی کہ وہ اپنے رویے سے ظاہر کرے آج عرصہ دراز کے بعد اس کا



اتنے بد صورت آدمی کو بھلا باہر کون عورت منہ لگاتی ہوگی۔ ظاہر ہے اسے اپنی بیوی کے پاس آنا پڑتا ہے۔

اسی وقت معاذ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

سرہانے پڑا ہوا سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کے سلگایا اسے منہ میں رکھ کر کش لگایا۔ دھواں فضا میں چھوڑا۔۔۔۔۔ پھر لیٹی ہوئی رملی کی بڑی بڑی خالی نظروں میں اپنی اداس سرخ اور گہری نظریں گاڑ دیں۔

رملی نے پہلی بار محسوس کیا۔ معاذ کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ پتہ نہیں کیسی آنکھیں تھیں۔ بس وہ ایک دم آنکھیں لگ رہی تھیں۔ گو وہ جذبوں کو آنکھوں میں سمٹ کر باتیں نہیں کر رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں احساسات کا گہرا کنواں لگ رہی تھیں۔ سفید چمکدار۔۔۔۔۔ جن میں کہیں کہیں تھکاوٹ کے ڈورے تھے۔ منڈیروں پر ایک انجانی سوچ اداسی کا غلاف اوڑھے بیٹھی تھیں۔ اور گھنی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔ عام طور پر مردوں کی پلکیں نہ گھنی ہوتی ہیں۔ نہ خم دار ہوتی ہیں۔ رملی نے معاذ کے سارے چہرے سے اس کی آنکھیں الگ کر دیں۔ اور ان میں دیکھتی رہی۔۔۔۔۔

کوئی ایسی بات تھی ان میں \_\_\_\_\_ کوئی ایسی بات۔۔۔۔۔ جس سے بدن کے بجھے ہوئے دیئے ایک ایک کر کے روشن ہونے لگے تھے اس کے گھنے بالوں کا ٹوکرا سا بن گیا تھا۔ یہ بال رملی کو بہت برے لگتے تھے۔ مگر اس وقت اس نے اس کے گھنے بالوں پر نظریں جما کر سوچا۔۔۔۔۔ مرد کے اتنے گھنے بال اس نے کبھی نہیں دیکھے۔ عجیب طرح بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے دور سے گھنے جنگلوں کا اندھیرا جھر مٹ۔۔۔۔۔ دور سے گھنے جنگلوں کا اندھیرا جھر مٹ بہت پر اسرار نظر آتا ہے۔ ایک دم اس کے اندر گھس کر نئے راستے تلاش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

رملی نے سوچا۔۔۔۔۔ وہ ان بالوں میں ہاتھ پھنسا کر دیکھے تو یہ بال کیسے لگتے ہیں؟ اس خیال کے ساتھ اس کی ہتھیلیوں میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ اس کی انگلیاں مچلنے لگیں۔۔۔۔۔ روئیں روئیں نے ایک انجانا سوال پوچھا۔

اسی وقت معاذ اپنی گہری اور جھل آواز میں بولا۔

تم یہ سمجھنا کہ میں خوش شکل نہیں ہوں۔ اس لئے دوسری عورتوں کی مراعات حاصل نہیں کر

سکتا۔

دنیا میں مرد کے لئے خوش شکل ہونا ضروری نہیں۔ اس کے پاس صرف پیسہ ہونا چاہیے یا

حیثیت۔

لگاؤ عورتیں \_\_\_\_\_ وہ کسی بھی ملک کی ہوں۔ بس جیب پر نظر رکھتی ہیں۔۔۔۔۔ اور دنیا میں جتنے مرد احساس کمتری کا شکار ہیں۔ بازاری عورتوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ان کی انا کو مجروح نہیں کرتیں اپنے چہرے کے کسی زاویے سے یہ ظاہر نہیں کرتیں کہ وہ انہیں پسند نہیں کرتیں۔ رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

اس نے نظریں جھکا لیں۔

اپنی سانس روک لی۔

معاذ نے دو تین کش لگائے۔ رملی جانتی تھی۔ معاذ عام طور پر سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ مگر جن دنوں ذہنی طور پر پریشان ہو یا کام کا بوجھ ہو تو پھر چند سگریٹ پی لیا کرتا تھا۔

اس نے حسب عادت پورا سگریٹ نہیں پیا بلکہ تھوڑا سا حصہ پی کر سگریٹ بجھا دیا۔ اپنے گھنے اور الجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھنسا یا۔ اور ایک اداس سی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولا۔

مرد اگر عیاشی کے راستے پر چلنا چاہے۔ تو کوئی بات اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی مرد کے لئے ہر راستہ کھلا ہے اور ہر راہ گذر کو روندنے کا اس کے پاس جواز ہے۔

میں ذرا اور طرح کا مرد ہوں۔

مجھے کوئی احساس کمتری بھی نہیں ہے۔

بات صرف اتنی ہے کہ میں نے جس قسم کی بیوی کا تصور کیا تھا۔ وہ مجھے مل گئی ہے۔ بالکل ایسی ہی \_\_\_\_\_ نازک کوئل، معصومہ و مصفا عورت میرے ذہن میں رہا کرتی تھی۔

تم جانتی ہو۔ وہ ہنسا اور اس کے بہت سفید دانت ایک دم نمایاں ہوئے۔

ہر بد صورت آدمی کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کی نسل خوبصورت ہو۔۔۔۔۔

رملی کا دم سینے میں گھٹنے لگا۔

لیکن دنیا میں عورت کو کیا چاہیے \_\_\_\_\_ اس بات کا اندازہ کبھی نہیں ہو سکا

\_\_\_\_\_؟

کے دامن تلے چسپن کی نیند آ جاتی ہے۔

اور دنیا میں کیا تھیں مل جاتا؟۔

پیسہ ہو تو آدمی سب کچھ خرید لیتا ہے۔ بناوٹی محبت کرنے والیاں بھی مل جاتی ہیں۔

شادی کو خوشی کیوں کہا گیا ہے \_\_\_\_\_؟

اور اس خوشی کو قائم رکھنا کس کے ذمے ہے؟

شاید بیوی ہی کے ذمے ہے۔۔۔۔۔

رملی کے سرہانے اور اک کی بارش ہونے لگی۔

مگر معاذ گہری نیند سوچکا تھا۔ شاید بہت طویل سفر کر کے آیا تھا۔ رملی کافی دیر تک کروٹیں

بدلتی رہی۔

صبح اٹھی تو دل کی تہہ میں وہی پتھر پڑے تھے۔

ایک لمحہ جو ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ وہ بڑی مشکل سے دوبارہ ہاتھ آتا ہے۔ کئی انوس سے وہ

اسی ایک لمحے کی منتظر تھی۔ معاذ آتے ہی مصروف ہو گیا تھا۔

اور آج جیدہ کے فون نے پھر اسے ہلا کر رکھ دیا۔

اس روزِ جہدہ نے جو کچھ اسے کہا تھا۔ وہ سب اسے برا لگا تھا۔ مگر جی میں کہیں کہیں کرب کی

آندھال ابھی تھیں۔ کہنے کو خواب اچھا تھا۔ یوں ہو جاتا تو

مگر صاف لگ رہا تھا ایسی ماتیں ناممکن ہوتی ہیں پھر وہ بہت دل

امامت کے قیام پر تھی۔ اور اس نے فصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی ماور کا خیال دل میں نہیں لائے گی۔ بچپن

کر اک بخیر صورت خواب کا طرح اس کو بھول جائے گی۔ اور ان لوگوں سے ملے گی بھی نہیں

ملنے سے تعلقات گہرے ہوتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اور آج جب جدہ نہ اتنے مغرب کر کے ملا تھا۔ تو اسے سب گزری باتیں ایک ایک کر کے

۱۰۱. زنگنه

پیشہ ہے۔

بکھر ابو امرد، بکھر ابو امرد

... ..

صبح جس بچے کام سے فارغ ہو کر رملی کپڑے استری کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوڑ کر گئی اس طرف، جیدہ تھی۔

خالم تو ابھی تک آئی نہیں۔ میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔

بس ابھی فارغ ہوئی تھی۔ اب تیار ہو رہی ہوں۔

اچھا۔ جیدہ خوش ہو گئی۔ کتنی دیر میں پہنچ جائے گی۔

آدھا گھنٹہ لگے گا ہی۔

میں گھر میں اس وقت اکیلی ہوں۔ دروازہ کھلا ہے سیدھی اندر آ جانا۔

بہت اچھا۔

رملی نے آہستہ سے فون رکھ دیا۔

اس نے کل شام معاذ کو بتا دیا تھا کہ جیدہ بیمار ہے۔ اور وہ اسے پوچھنے جائے گی۔

معاذ نے بڑی خوش دلی سے کہا تھا۔

اگر تم شام کا پروگرام بنالیتیں تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا اور اس کا گلہ جاتا رہتا۔

آپ پھر کسی روز چلے جائیے گا۔ اور شام کو تو مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔

معاذ اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔

البتہ بے جی کو اس نے صبح اٹھ کر بتایا تھا کہ وہ ذرا امی جان کے ہاں جا رہی ہے۔ بس ایک گھنٹے کے بعد آ جائے گی۔ اس لئے وہ معوذ کا خیال رکھیں۔ اس نے کپڑے بدلنے کے لئے الماری کھولی تو سامنے وہی دوپٹہ پڑا تھا۔ جو بچھلی مرتبہ معاذ کراچی سے اس کے لئے لایا تھا۔ دوپٹے کی زمین سفید تھی مگر اس پر بڑے بڑے سرخ پھول تھے۔ اور پھولوں کے کناروں پر سفید دودھیا ستارے نکلے تھے۔ رملی نے ایک بار بھی یہ دوپٹہ نہیں اوڑھا تھا۔ معاذ نے اسے کئی بار یاد دلایا تھا۔ آج یہ دوپٹہ روٹھے ہوئے محبوب کی طرح الماری کے ایک کونے میں پڑا تھا۔ رملی کو اس

دوپٹے پر پیارا آ گیا۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ پھر ایک دم فیصلہ کر لیا کہ آج وہی دوپٹہ ضرور اوڑھے گی۔ صرف معاذ کو خوش کرنے کے لئے اسے شام تک پہنچے رکھے گی۔ اس لئے اس نے سلک کا ایک سفید سوٹ نکال کر استری کیا۔ اس کے ساتھ سرخ پھولوں والا یہ دوپٹہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تیار ہوئی۔ خوب قرینے سے میک اپ کیا۔

بے جی کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

ٹیکسی لے کر سیدھی امی کے گھر پہنچی ان کو بتایا کہ وہ جیدہ کا حال پوچھ کر ابھی آ جائے گی اور پھر پیدل ہی جیدہ کے گھر روانہ ہوئی۔ آج اس کا دل چوری کرنے والے انداز میں نہیں دھڑک رہا تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ آج وہ جیدہ سے دو ٹوک بات کر کے اسے بتا دے گی کہ وہ ان لوگوں سے مزید تعلقات استوار نہیں رکھ سکتی۔

صدر دروازہ کھلا ہی تھا۔ اس لئے وہ اندر ہی چلی گئی سیدھی جیدہ کے بیدروم میں۔

جیدہ اس وقت بستر پر نہیں تھی۔ مگر یوں معلوم دے رہا تھا۔ ابھی ابھی کوئی اس بستر سے اٹھ کر گیا ہے۔ جیدہ جیدہ اس نے دو تین آوازیں دیں تو غسل خانے سے پانی چلنے کی آواز بلند ہو گئی۔ تب اسے معلوم ہو گیا کہ اس وقت جیدہ غسل خانے میں ہے۔ اس لئے اس نے ایک رسالہ اٹھا لیا۔ اور اس کے پلنگ پر نیم دراز ہو کے اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ ورق گردانی کرتے کرتے وہ چونکی۔ کیا جیدہ ایسے رسالے پڑھتی ہے؟ جن میں حیا سوز تصویریں چھپتی ہوں اور اخلاق سوز مواد چھپتا ہو۔

بہت حیران اور پریشان ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی شاید اتنا عرصہ انگلینڈ میں رہنے سے اسے یہ عادتیں پڑ گئی ہیں۔

ابھی وہ کچھ اور سوچ نہ پائی تھی کہ ایک دم غسل خانے کی چٹختی کھلنے کی آواز آئی۔ رملی نے رسالہ منہ پر سے ہٹا کر اس طرف دیکھا۔ غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ مگر جیدہ کی بجائے یاور باہر نکل آیا۔

آپ؟

رملی مارے حیرت کے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یاور نے نہا کر ایک بڑا سا تولیہ اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ اس کے بالوں میں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ اس نے اپنے بال جھٹک کر رملی کی طرف دیکھا۔ رملی کو وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آیا۔ خوف کی ایک لہر رملی کے پاؤں سے اٹھی اور سر تک دوڑ گئی۔

کے خوابوں میں آگ لگا دی تھی۔ اس وقت وہ دنیا کا بد صورت ترین انسان دہلی دے رہا تھا





اتار کر یوں پرے پھینکا جیسے سیاہ ناگ کو اپنے سے جدا کیا ہو۔ اپنے پرانے کپڑوں کی گٹھڑی صوفے پر دے ماری اور جھپاک سے غسل خانے میں گھس گئی۔  
نوٹنی کھولی اور تل کے نیچے بیٹھ گئی۔  
اسی رفتار سے اس کے آنسو رواں ہو گئے۔  
روتے روتے اسے خیال آیا۔ نہ اس نے کپڑے اتارے ہیں۔ نہ بال کھولے ہیں۔

\_\_\_\_\_ بائے \_\_\_\_\_  
کتنا عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ لمحہ بھر کو گڑھے میں گر گئی تھی۔  
غلیظ کیچڑ کا لباس پہن لیا تھا اس نے \_\_\_\_\_  
اس کے جسم پر کوڑھ ہو گیا تھا \_\_\_\_\_ یا \_\_\_\_\_ یا اس کے ایک ایک عضو پر  
لعنتوں کا مینہ برستا رہا ہے۔  
اف وہ کمینہ آدمی \_\_\_\_\_ اف اس کا وہ شیطانی چہرہ \_\_\_\_\_ اس کے وہ جار  
حاند انداز اور بے ہودہ کلمات \_\_\_\_\_

کیا لوگ اپنے اوپر اس طرح ماسک چڑھا لیتے ہیں \_\_\_\_\_ کیا خوبصورت چہروں  
کے اندر اتنے گھناؤنے دل ہوتے ہیں \_\_\_\_\_ کیا متعفن لوگ خوشبوئیں اوڑھ کر رہتے ہیں۔  
پتہ نہیں اسے رونا کس بات پر آ رہا تھا۔  
اس کے خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو گیا تھا \_\_\_\_\_ اس کا البیلا شہزادہ بھیانک دیو  
میں تبدیل ہو گیا تھا۔ یا \_\_\_\_\_ ذرا سی دیر کو اس کے خیالات بھٹک گئے تھے۔ اور اسے انجانی  
راہوں پر لے گئے تھے۔

پانی چننا رہا۔۔۔۔۔ اور وہ بھی دھواں دھار روتی رہی۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا اپنے وجود  
کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اس نے کتنے غلط لوگوں پر بھروسہ کیا۔ جیدہ صورت سے مٹی معصوم اور  
مسکین نظر آتی تھی۔ اس پر جان چھڑکتی تھی۔ کیسی لچھے دار باتیں کرتی تھی کیا وہ بھی اتنی بے  
غیرت ہے۔ کیسی چالاکی سے اس نے رملی کو پھنسانے کی چال چلی تھی۔  
شاید بے جی کی دعاؤں سے وہ بچ گئی۔

ورنہ اس وقت اس کا کیا حال ہوتا \_\_\_\_\_؟  
کیا وہ اس واقعے کے بعد جینے کے قابل رہ جاتی؟  
کیا حال ہوتا اس کا \_\_\_\_\_ کیا وہ اس واقعے کے بعد جینے کے قابل رہ جاتی؟

رملی نے گھر کے باہر ٹیکسی رکوائی اور جان محمد کو واپسی کے پیسے دے کر جلدی جلدی اپنے گھر  
کے اندر داخل ہوئی۔ آج اسے اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کی بہت جلدی تھی۔ اور جلدی میں وہ  
بھول گئی کہ جاتے وقت اس نے سرخ دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ اور اب بے خیالی میں سیاہ دوپٹہ اوڑھ  
کے آ گئی ہے \_\_\_\_\_ بے جی برآمدے میں بیٹھی اپنی چادر کو لیس لگا رہی تھیں اور محلے کی  
ایک عورت ان کے پاس بیٹھی تھی۔ اس وقت اس عورت کی موجودگی کو رملی نے غنیمت جانا۔ ورنہ  
اسے بہت غصہ آیا کرتا تھا کہ ہر وقت بے جی کے پاس کوئی نہ کوئی عورت آئی رہتی ہے۔  
سلام کر کے جلدی سے گزرنے لگی۔

تو بے جی نے سراٹھایا۔ پھر عینک اتار کر حیرت سے بولیں۔  
اے وہ بیٹی \_\_\_\_\_ دوپٹہ کس کے ساتھ بدل کے آئی ہو \_\_\_\_\_؟  
جی \_\_\_\_\_؟ زمین نے رملی کے پاؤں پکڑ لئے اور احساس جرم نے اس کی زبان  
جکڑ لی فوری طور پر جواب نہ دے سکی۔  
جی وہ۔۔۔۔۔ میری \_\_\_\_\_ اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ بے جی کو بتا کر ہی نہیں گئی تھی

کہ وہ جیدہ کے ہاں جا رہی ہے \_\_\_\_\_  
جی وہ \_\_\_\_\_ اس نے کچھ کہنے کے لئے زور لگایا۔ اور کچی کچی آواز میں بولی۔  
جی وہ باجی خضر آئی ہوئی تھیں۔ وہ نمونے کے لئے لے گئی ہیں۔

اچھا۔۔۔۔۔ اچھا \_\_\_\_\_ یہ کالا دوپٹہ اتار دے جا کر \_\_\_\_\_ بے جی نے  
پھر عینک لگالی۔ میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا کہ یہ کالا منخوس رنگ نہ پہنا کرو۔ تجھے اچھا نہیں  
لگتا صبح جب گئی تھی چاند کی طرح تیرا چہرہ چمک رہا تھا۔ اب دیکھ کیسی زرد اور سنولائی سی لگ رہی  
ہے۔ دفع کر اس دوپٹے کو \_\_\_\_\_  
رملی اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ معوذ بھی تک سوراٹا تھا۔ اس نے گلے میں سے سیاہ دوپٹہ

کیا وہ معاذ سے نظر ملا سکتی \_\_\_\_\_؟ اس کی پرورش کیسے نیک والدین کی گود میں ہوئی ہے \_\_\_\_\_؟ کس طرح اس کے قدم ایک غلط ڈگر پر جا پڑے۔  
 رملی! اگر ایسا ہو جاتا تو دنیا کے سارے دریائے تیری گندگی کو نہ دھو سکتے۔  
 رملی دنیا بھر کی خوشبوئیں تیرے وجود کے تعفن کو نہ دور کر سکتیں۔  
 رملی! دنیا کا کوئی صابن تیرے تن کا میل نہ اتار سکتا \_\_\_\_\_  
 رملی! ایسا محلول دنیا میں نہیں تیار کیا گیا جو عصمت کے ٹوٹے ہوئے شیشے کو جوڑ سکے۔۔۔  
 کوئی ٹوٹا کنسوائٹ کی چادر پر لگے داغ نہیں اتار سکتا۔  
 اک ذرا سی ٹھیس لگتی ہے تو ثابت شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے شیشے میں تو اپنا چہرہ بھی پورا نہیں نظر آتا \_\_\_\_\_

ٹوٹے ہوئے چہرے کے ساتھ تو بھلا کب تک جی سکتی؟  
 اک ذرا سی ٹھیس سے اس شیشے کو بچانے کے لئے عورت پر روایات کی چادریں ڈالی جاتی ہیں۔  
 اور عورت کی عصمت تو اس کے ساتھ قبر میں جاتی ہے \_\_\_\_\_ سنا تو نے!

یہ مرد بہت بہت بڑا ہے رملی \_\_\_\_\_  
 اس کی بہت سی طاقتیں ہیں رملی \_\_\_\_\_  
 عورت کی بس ایک ہی طاقت ہے!  
 عورت کی بس ایک ہی پونجی ہے۔  
 وہ لٹ جائے تو عورت کنگال ہو جاتی ہے۔ مفلس ہو جاتی ہے۔ قلاش ہو جاتی ہے۔  
 شکر کر تو کنگال ہونے سے بچ گئی۔ تو نے اپنے خزانے کی حفاظت نہیں کی تھی \_\_\_\_\_  
 مگر قدرت کو تجھ پر ترس آ گیا تھا۔  
 کردار کی ناداری سب سے بڑی بد نصیبی ہے۔

اور تیرا وجود برف کی ڈلی نہیں کہ پانی تلے رکھنے سے گھل جائے۔ آنکھیں کھول کے چل۔۔۔ اس ٹھوکر سے سنبھل \_\_\_\_\_

اور پھر چانک اسے شان بھائی یاد آ گئے۔ اور وہ رات بھی \_\_\_\_\_  
 وہ اور بھی شدت سے رونے لگی۔ اسے اپنی جہالتوں پر رونا آنے لگا۔ سمجھنے کے لئے تو وہ ایک رات بھی کافی تھی۔ آخر اس کی آنکھیں کیوں نہ کھلیں۔

رملی تیرے چہرے پر کیا لکھا ہے \_\_\_\_\_؟  
 اس نے زور زور سے اپنے چہرے کو رگڑا \_\_\_\_\_ اور پانی کی تیز و تند دھار کے نیچے رکھ دیا۔ جیسے آج وہ اس پانی میں اپنے چہرے کے سارے نقوش بہا دینا چاہتی ہو \_\_\_\_\_  
 اور پھر اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی یاد آئی اور اس کے ساتھ وابستہ ہر بات بھی یاد آئی۔  
 اپنی شادی شدہ زندگی کے پچھلے دو سال یاد کر کے اس کا دل چاہا۔ اسی پانی میں ڈوب کر مر جائے۔ جس پانی کو اس نے ہمیشہ اپنا نجات دہندہ جانا تھا۔



میں آپ کے لئے چائے لاؤں \_\_\_\_\_؟

لاؤ بھی۔۔۔۔۔ چائے لاؤ۔۔۔۔۔ چاہت لاؤ۔۔۔۔۔ کچھ بھی لاؤ۔۔۔۔۔

معاذ ہنسنا \_\_\_\_\_ رملی نے مڑتے مڑتے دیکھا۔ اس کے سفید دانت نمایاں ہوئے تھے۔ اسی انداز میں جب کبھی وہ پہلے ہنستا تھا۔ تو اسے کتنی کراہت آتی تھی۔ جیسے کالے دیو کے سفید دانت نظر آ رہے ہوں۔ مگر آج اسے ایسا محسوس نہیں ہوا۔ بلکہ معاذ کے چہرے پر جو ایک خوشی کا رنگ بکھر گیا تھا۔ وہ رملی کو بہت اچھا لگا۔

دوڑ کر چائے لے آئی۔

ویسے ہوتم بڑی خدمت گذار بیوی \_\_\_\_\_ معاذ نے پیالی اس کے ہاتھ سے پکڑ لی \_\_\_\_\_ اچھی ہو یا رتم بھی \_\_\_\_\_ بس ذرا لئے دیئے میں رہتی ہو۔ اصل میں مجھے شوخ و شنگ اور باتونی عورتیں پسند ہیں۔ میں دفتر سے آؤں تو سارا وقت میرے کان کھاتی رہے۔ اپنے بیڈروم میں جب تک بیوی بے شمار لامعنی باتیں نہ کرے تو بیڈروم میں سنانے کا گمان ہوتا ہے۔ مرد ایک تھکے ہوئے نیل کی طرح گھر آتا ہے \_\_\_\_\_ یہ ملازمت سارا ابو جوڑ لیتی ہے۔ پھر دل صرف سننے کو چاہتا ہے۔ جب تم نہیں بولتی ہو تو پھر میں موسیقی سننے لگتا ہوں۔

رملی چپ کھڑی رہی۔

اس کا دل چاہا \_\_\_\_\_ کہہ دے معاذ میں اب بولنے کی کوشش کروں گی۔ اب چپ نہیں رہوں گی۔ چپ کا سناٹا اندھیری راہوں پر لے جاتا ہے۔ مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ اس نے سوچا کاش کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوتا جو دل میں اٹھنے والے تمام جذبات کو ادا کر سکتا یا اسے تھوڑی بہت گفتگو کی عادت ہوتی۔ اس وقت کچھ تو کہہ سکتی۔

اتنے میں معوذ پاؤں پاؤں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا اور معاذ پیالی چھوڑ کے اس کی طرف

لپکا \_\_\_\_\_ معاذ کی جان اپنے بیٹے میں پھنسی رہتی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی بے تاب ہوا تھا۔ گو معوذ ابھی باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ مگر بے جی کی کوششوں سے وہ ابو ابو کہنے لگا تھا۔ وہ بھی معاذ کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپک کر آتا۔ تب رملی سوچا کرتی۔ یہ ماں باپ کی محبت بھی کیسی شے ہے \_\_\_\_\_؟ نہ تو بچے کو والدین کی بد صورتی کا احساس ہوتا ہے اور نہ والدین کو بچہ بد صورت لگتا

ہے۔ ایک ہی رشتہ ہے جس میں پیارا نہ ہوتا ہے۔ مگر آج وہ ان دونوں کو اور ہی زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ محبت کی نگاہ دنیا میں سب سے وسیع نگاہ ہے۔ اگر محبت کی

اسے معلوم تھا جو کچھ ہو چکا ہے۔ اسے بھول جانا ہے وہ بھول بھلیوں سے باہر نکل آئی۔ اب توبہ کر کے سیدھی ڈگر پر چلنا ہے۔ اس لئے سارا دن وہ اپنے آپ کو نابل رکھنے کی کوشش کرتی رہی۔ آج پہلی بار اس نے معوذ کو بہت پیار سے نہلایا۔ اس کے ساتھ کھیلتی رہی۔ باتیں کرتی رہی۔ بار بار بے جی کے پاس جا کر بیٹھی۔ ہمسایوں کے بارے میں ڈھیر سارے سوالات کرتی رہی۔ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس حادثے سے گزر کر سنبھلنے کا ہر داؤ استعمال کیا۔

شام کو جب معاذ آیا۔ تو وہ بہت اچھی طرح سے تیار تھی۔ مگر نظر اٹھا کے معاذ کی طرف دیکھنے کا اسے حوصلہ نہیں ہوا۔ معاذ نے پہلی نظر اس پر ڈال کر پوچھا۔

کیا کہیں جا رہی ہو \_\_\_\_\_؟

نہیں تو \_\_\_\_\_ اس نے نظریں جھکا لیں۔ معاذ نے اسے شرم سے تعبیر کیا۔

معاذ اسے تھوڑی دیر بڑی گرم نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

اس طرح بن ٹھن کر رہا کرو۔ مجھے اچھی لگتی ہو \_\_\_\_\_

رہوں گی۔۔۔۔۔ آج کے بعد رہوں گی۔۔۔۔۔ رملی کے دل سے آواز نکلی مگر اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ صبح والا واقعہ نظروں میں گھوم گیا۔ وہ دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی جیسے اس واقعے کو کھرچ کر پھینک دینا چاہتی ہو۔

اس طرح ہونٹ نہ کاٹو۔ معاذ نے شرارت سے کہا۔ رات ابھی بہت دور ہے۔

تب بے اختیار رملی کا دل چاہا معاذ کے کندھے پر سر رکھ کر رونا شروع کر دے۔

اور اک کے در پیچے ٹھوکر لگنے پر ہی کیوں کھلتے ہیں؟ باتیں تو معاذ ہمیشہ سے ایسی ہی کرتا تھا۔ آج اس کی باتیں سمجھ میں کیوں آ رہی تھیں۔ وہ اس کی صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر آنکھوں میں دو آنسو مجرم بنے کھڑے تھے۔ اس لئے ذرا سی پلک اٹھا کے گرائی اور بولی۔

نظر گہری نہ ہوتی تو بس دنیا میں صرف حسین لوگ ہی چاہے جاتے اور پھر اسے تعجب بھی ہو رہا تھا کہ ایک دن میں ہی اس کا نقطہ نظر بدل گیا تھا۔

شام حسب معمول لوگوں کے آنے جانے میں گزر گئی۔ وہ معمول کے مطابق ہر کام کرتی رہی۔ معوذ جب بے جی کے کمرے میں سو جاتا تھا تو وہ بلا ناغہ اسے ایک نظر دیکھنے جاتی تھی۔ بے جی سے دو چار باتیں کر کے آ جاتی تھی۔ آج بھی جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو رات کے دس بج رہے تھے۔ معاذ کپڑے بدل کر بستر میں لیٹ چکا تھا۔ مگر سائیڈ لیپ جلا کے ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ پہلے رملی نے کمرے میں پھیلے ہوئے معوذ کے کھلونے اور کپڑے اٹھا کر سلیقے سے الماریوں میں رکھے۔

پھر سونے کے لئے آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ معاذ نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا تو وہ خود ہی مسکرا دی۔ معاذ کی نگاہ میں جو کچھ تھا۔ اس کا مفہوم اس نے پالیا تھا اور سوچ رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ پیش قدمی کرے گی۔ آج کے بعد معاذ کو گلہ نہیں رہے گا اس کی بے حسی کا۔ گو اس مقام سے گذرنا اس کے لئے بہت مشکل تھا مگر ہر مشکل کو پہلی بار دل کڑا کر کے عبور کیا جاتا ہے۔

آج تو کتنی ہی باتوں نے اس کے دل میں ہلہ بول دیا تھا۔ آج اس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے آج وہ بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس پل صراط سے جلدی گذر جانا چاہتی تھی۔

معاذ نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی طرف رخ پھیر لیا۔ اور پھر اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ بڑے دھیمے دھیمے لہجے میں اس کے لہجے کا سوز رملی پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔ اور تک تک اس کے چہرے کو دکھ رہی تھی اس نے ایک پل کے لئے بھی معاذ کے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ یہی وہ چہرہ ہے۔ جس کی جانب دیکھنے سے وہ کتراتے تھی۔ خوف کھاتی تھی۔ اسے ابکاٹی آ جاتی تھی مگر آج اس نے اپنی پلک نہیں جھپکی اور بڑی توجہ سے اس کی باتیں سننے لگی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ تو معاذ نے کہا۔ جاؤ رملی تم سن کے آؤ۔ اگر میرا فون ہوا تو کہہ دینا میں سوچ چکا ہوں۔ رملی جانتی تھی معاذ نے ایسا کیوں کہا ہے۔ اس لئے ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی گئی اور ٹیلی فون کا ریور اٹھایا۔ بھاگ کر آئی تھی۔ اس لئے اپنی سانسوں پر قابو پا کر بولی۔ ہیلو

ہیلو۔۔۔۔۔

اس کے بعد دو دفعہ ہیلو کہنے کے بعد ادھر سے ایک بڑی گھمبیر اور پراسرار آواز آئی۔

رملی۔۔۔۔۔

رملی سن ہو گئی۔

اس آواز کو وہ پہچانتی تھی۔ ایک بار اس آواز نے اس کا سکون دل لوٹا تھا۔ اب یہ آواز اس کا گھر اجاڑنا چاہتی تھی۔

رملی۔۔۔۔۔ وہ عجیب انداز میں بولا۔

تم سمجھتی ہوگی۔ تم میرے چنگل سے بچ کر نکل گئی ہو۔ مگر یہ صرف تمہارا خیال ہے۔

اگر اپنا دوپٹہ لینا چاہتی ہو تو ایک بار آؤ۔ دوپٹے کی قیمت ادا کرو۔ ورنہ یہ دوپٹہ اپنی قیمت آپ چکالے گا اور تم پسند نہیں کرو گی کہ یہ دوپٹہ اپنی داستان تمہارے شوہر کو سنائے۔۔۔۔۔ رملی کو ایسا محسوس ہوا۔ اچانک اس کے چاروں طرف شعلے نکل آئے ہیں اور وہ بچاؤ کے لئے کسی کو پکار بھی نہیں سکتی۔

اس کو چپ دیکھ کر وہ بولا۔

میں اپنا قرض معاف نہیں کیا کرتا۔۔۔۔۔ سیدھے سیدھے سمجھو تہ کر لو۔ ورنہ تمہاری زندگی جہنم بنا دوں گا۔

رملی کا سارا جسم لرزنے لگا۔ جیسے کھڑے کھڑے کسی نے اس کا لہو نچوڑ لیا ہو۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بس اس نے آہستہ سے ریور رکھ دیا۔ اسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اور جا کر معاذ کو جواب دینا تھا۔ معاذ جو شوق کی شمع جلائے اس کا منتظر تھا۔ وہ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے کمرے میں آئی۔

معاذ نے پوچھا۔

کس کا فون تھا۔۔۔۔۔؟

بولی۔۔۔۔۔ رائگ نمبر تھا۔

یہ کہتے وقت اس نے آواز اس طرح نکالی جیسے ذبح ہوتی ہوئی مرغی آخری بار حلق سے آواز نکالتی ہے۔

معاذ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ رملی کا رنگ بلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور اس نے ٹھیک

اس نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو سنبھالے۔ اس وقت رو کر جاتی تو  
 معاذ پوچھ لیتا کہ کیا ہوا؟  
 معاذ باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔  
 معاذ کے دل میں آج اس نے آگ لگائی تھی۔  
 محبت کو پہلی آنچ دکھائی تھی۔  
 زیادہ دیر اندر بھی نہیں رہ سکتی تھی۔  
 اپنے آپ کو آمادہ بھی کرنا تھا۔ باہر بھی نکلتا تھا۔ پھولوں کی تیج بھی سجانا تھی مگر دل میں الاؤ  
 سلگ رہے تھے۔  
 لمحے بھر کو اس کے دل میں خیال آیا کہ ساری بات معاذ کو بتا دے۔ شوہر سے بڑھ کر کوئی  
 نہیں ہوتا۔ اس وقت معاذ ہی اسے اس مصیبت سے بچا سکتا ہے۔  
 لیکن پھر اسے شروع سے لے کر آخر تک سارے واقعات بتانے پڑیں گے۔  
 کتنی شرم آئے گی سب بتاتے ہوئے۔  
 پھر اس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ شوہر اس معاملے میں بڑے متعصب ہوتے ہیں۔ خود تو  
 بڑے سے بڑا گناہ کر کے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ مگر بیوی کی ذرا سی خطا بھی معاف نہیں  
 کر سکتے۔  
 میں کیا کروں؟  
 میں کیا کروں؟  
 کشکش نے رملی کو ادھ موا کر دیا۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں دیکھا۔ اسے غسل  
 خانے میں بیٹھے آدھ گھنٹہ ہو گیا تھا۔  
 اف  
 وہ گھبرا کر گھڑی ہو گئی۔  
 جلدی سے پورا رل کھول دیا اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ منہ دھو کر تو لیے  
 سے صاف کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔  
 معاذ نے بتی بجھا دی تھی۔ اور تکیے پر چہرہ رکھ کر اونڈھا لیٹا ہوا تھا۔ ڈرتی ڈرتی رملی آئی اور  
 بالکل سیدھی لیٹ گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا۔

طرح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔  
 بولی \_\_\_\_\_ راگ نمبر تھا۔  
 یہ کہتے وقت اس نے آواز اس طرح نکالی جیسے ذبح ہوتی ہوئی مرغی آخری بار حلق سے  
 آواز نکالتی ہے۔  
 معاذ نے نظر اٹھا کر دیکھا رملی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور اس سے ٹھیک طرح  
 سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔  
 وہ اسے حیران ہو کر دیکھتا رہا۔ اور رملی گھسیٹتی ہوئی غسل خانے میں گھس گئی۔ اندر سے چٹنی  
 جڑ ہالی اور اپنا پیٹ پکڑ کے بیٹھ گئی۔ پیٹ میں ایک دم مروڑ اٹھنے لگے تھے۔ دل ڈوب جا رہا تھا۔  
 اپنی بربادی کا نقشہ سامنے نظر آ رہا تھا اور کوئی راہ نجات نہ تھی۔ ہاں ایک راستہ تھا۔ جو وہ کمینہ انسان  
 خود دکھا رہا تھا۔ کیا اس راستے پر چل کر وہ اپنی ازدواجی زندگی بچالے گی؟ اس خبیث کے ہاتھ میں  
 آلہ کار بن کے کیا وہ اپنے شوہر کو منہ دکھانے کے قابل رہے گی۔ ایک دوپٹے کی خاطر کیا وہ اپنی  
 عزت کا سودا کر لے؟  
 مگر یہ بھی تو دیکھ تیری بات کا کون اعتبار کرے گا۔ اگر وہ ذلیل انسان یہ دوپٹہ ثبوت کے طور  
 پر پیش کر دے تو کون اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ جبکہ دوپٹے کے بارے میں امی جان نے  
 بھی پوچھا او بیے جی نے بھی استفسار کیا تھا۔ اور معاذ اچھی طرح سے پہچانتا ہے کہ یہ  
 دوپٹہ تیرا ہی ہے۔ اور اسی نے تجھے لاکر دیا تھا۔  
 کون تیری بے گناہی کا یقین کرے گا؟  
 کس کس کے آگے قسمیں کھائے گی؟  
 اور پھر شوہر  
 جو ہمہ وقت بدگمان ہونے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔  
 معاذ کو تو اس نے کبھی اپنی محبت کا ثبوت ہی نہیں دیا تھا۔ معاذ نے تو ہمیشہ اس کی گم صم کیفیت  
 پر اعتراض کیا تھا۔ معاذ تو اس کی بے حسی کا شکار رہا تھا؟  
 اپنی پاک دامانی ثابت کرنے کا اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا؟  
 ایک طرف کھائی تھی ورنہ دوسری طرف اندھا کواں  
 موت دونوں طرف یقینی تھی۔



سنہلتے ہی اس نے دیکھا۔ معاذ اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اور بہت غصے سے اسے گھور رہا تھا۔ اسی بات سے وہ ڈرتی تھی۔ اس کی نفرت کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہی بات ہو کر رہی۔

معاذ نے اس کے ہاتھ سے تار کھینچ کر ایپ کو سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس کے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیے اور اسے اس طرح جھنجھوڑا جیسے وہ کوئی تناور درخت ہو جسے وہ جڑوں سمیت اکھیرنا چاہتا ہو۔ اس ایک جھٹکے میں رملی کو معاذ کی فولادی قوت کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں معاذ کے غصے سے تنے ہوئے چہرے اور پھنکارتی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ پتہ نہیں ان آنکھوں میں اس وقت کیا تھا۔ ایک بد صورت آدمی ستارے کی طرح ٹوٹا اور جا کے اس کے دل میں جا گریں ہو گیا۔ چھ گیا۔ بیٹھ گیا۔۔۔ پھانس کی تازہ تازہ چھین جان نکال لیتی ہے۔

ہمیں بدنام کرتی ہو۔ ہمیں رسوا کرتی ہو۔ تاکہ تم تو قبر میں جا کے سو جاؤ۔ اور میں زندگی بھر بھگتتا رہوں۔

معاذ نے غرا کر کہا۔

بتاؤ کیا ہوا ہے؟

اور وہ رات کو کس کا فون آیا تھا۔ جس کے بعد تمہاری ایسی حالت ہو گئی ہے کہ ایک پل کو تمہیں قرار نہیں آیا۔

وہ بد صورت آدمی جسے اس نے کبھی درخود اعتنا نہ جانا تھا۔ تمام تر بدگمانیوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ بدگمان ہوا تو کتنا دور۔ کتنا اجنبی نظر آیا۔ اسی لمحے رملی کو خیال آیا کہ بس یہی ایک انسان تو دنیا بھر میں اس کا اپنا تھا۔ جسے اس نے کبھی اپنا نہ جانا تھا۔ آج یہ ہمیشہ کے لئے کھو جائے گا۔ تو اس کے کھو جانے پر دل میں درد سے کیوں جاگ رہے ہیں۔ تم نے اسے کیا دیا ہے۔ جو وہ آج کی رات لوٹائے گا؟

رملی سسکیاں بھر بھر کے رونے لگی۔

ابھی تک معاذ نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اسے پکڑا ہوا تھا۔ پھر اسے پکڑ کے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ باہر گیا۔ ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا بھر کر لایا۔ اسے پلایا۔ رملی نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ چہرہ صاف کیا۔ اور معاذ کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔

پھر بولی۔

بیٹھ جائیں میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔

معاذ اسی طرح تانا ساسا منے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

رملی اس طرح بولنے لگی۔ جس طرح پھانسی کے تختے پر جانے والا مجرم تھوڑی دیر پہلے اپنی آخری خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

میں جو کچھ آپ کو بتاؤں گی۔ اس میں میرا اپنا قصور ہے۔ آپ معاف کر سکیں تو کر دیں کیونکہ آپ عالی ظرف ہیں اور ایک عظیم ماں کے بیٹے ہیں۔ مجھے بچانا چاہیں تو اس مصیبت سے بچالیں۔ لیکن میرے لئے طلاق کی سزا تجویز نہ کریں۔ اسی خوف سے میں اپنے آپ کو ختم کرنے لگی تھی۔ کہ میرے ماں باپ میری طلاق کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ خصوصاً جس دن میری ماں نے سنا مجھے طلاق ہو گئی ہے۔ وہ مر جائے گی۔ میں اپنی ماں کو اپنی وجہ سے مارنا نہیں چاہتی۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ آپ جو بھی سزا تجویز کریں مجھے منظور ہوگی۔

معاذ چپ بیٹھا رہا۔

رملی نے پھر اسے غور سے دیکھا۔

ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔ اس کے چہرے سے کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اور آج اس کی زندگی کا فیصلہ اس مکر وہ صورت آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ جو اس کی تقدیر بنا بیٹھا تھا۔

معاذ!

رملی نے اس طرح اس کا نام لیا۔ جیسے مرتا ہوا آدمی اپنے اللہ کو پکارتا ہے۔

معاذ! میں صرف آپ کی گنہگار ہوں۔۔۔۔۔

اور پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی معاذ کو سنادی۔

(رات تو کہیں سے تھوڑا سا زہر بھی مل جاتا تو میں پھاہک لیتی بے جی)  
رملی صرف زبردستی مسکرا کر رہ گئی۔

کیسی سوچ رہی ہیں تیری آنکھیں۔۔۔۔۔ جاٹھنڈے پانی سے نہا کے آ۔ اور اپنے  
بال سمیٹ۔۔۔۔۔ بے اختیار بے جی کا ہاتھ اٹھ گیا۔ اور انہوں نے پیشانی پر سے رملی کے  
بال پیچھے ہٹانے شروع کر دیے۔ جونہی پیشانی کو چھوا چونک گئیں۔

اے دوہٹی! تیری تو پیشانی تپ رہی ہے۔

رملی نے اپنے ہاتھ کی پشت اپنی پیشانی پر رکھی تو اسے کچھ بھی احساس نہیں ہوا۔ ایک آگ  
اس کے دل میں لگی ہوئی تھی۔ اس لئے باہر کی تیش اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔  
بے جی نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اندر بستر پر لے گئیں۔

تجھے تو سخت بخار ہے دوہٹی۔۔۔۔۔

میں معاذ سے کہہ کر ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔ تو لیٹ جا۔

رملی پھر سیدی کی سیدی بستر پر دھم سے گر گئی۔ ایک رات کی دہشت اتنی زیادہ تھی کہ اسے  
بخار آ گیا تھا۔

یہ بخار پچیس دن تک رہا۔

پچیس دن معاذ نے اس کی خوب تیمارداری کی۔ اور بے جی دم درد کر کے اسے پھونکتی رہیں۔  
پچیس دن میں جب کبھی ہوش کی گھڑی آئی۔ اس نے مرنے کی دعا کی پچیس دن بہت تھے  
پچھتانے اور غم کرنے کے لئے۔۔۔۔۔ گذرے دنوں کا ماتم کرنے کے لئے۔  
اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو کوٹنے کے لئے۔۔۔۔۔؟

اس روز اس کا جی اچھا تھا۔

اٹھ کر نہائی دھوئی کپڑے بدلے۔ کنگھی بھی کی اور آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت بھاگتا ہوا  
معوذ آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ رملی کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا پچیس دن اس نے اپنے بچے  
کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اگر بے جی نہ ہوتیں تو اس کے بچے کا کیا حشر ہوتا۔ یہ سوچتے ہی اس نے معوذ  
کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھر اس کے منہ چومنے کے لئے جب اس کا چہرہ اٹھایا۔ تو ایک  
دم اس کی چیخ نکل گئی۔ معوذ کے چہرے پر بے شمار چھوٹے چھوٹے دانے نکلے ہوئے تھے۔

دودھ کا گرم پیالہ لے کر اندر آتی ہوئی بے جی نے اس کی چیخ سن لی تھی۔ دوڑ کر آئیں اور

رملی کی آنکھ کھلی تو اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ بیٹھی تو سر کو زور سے چکر آیا۔ اس نے پاؤں نیچے لٹکا  
دیے۔ تو یوں لگا۔ صدیوں سے ہواؤں میں دوڑتی آ رہی ہے۔ اس کے پاؤں اس حد تک پھول  
گئے ہیں کہ اب زمین پر نہیں ٹک سکتے۔۔۔۔۔ شکستہ پائی کے احساس سے مغلوب ہو کر اس  
نے جھک کر اپنے دونوں پاؤں دیکھے اور پھر یاد کرنا چاہا کہ وہ رات بھر کہاں سرگرداں رہی۔ تو اسے  
رفتہ رفتہ سب یاد آنے لگا۔ اس نے رورور اور چیخ چیخ کر ہڈیانی انداز میں اپنی نادانی کی ساری سر  
گذشت معاذ کو سنادی تھی۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر اس طرح روئی تھی کہ جیسے اپنے آپ کو ختم کر  
دینا چاہتی ہو۔ پھر معاذ نے اسے دلییم کی ایک گولی کھلا دی تھی اور اسے اس کے بستر پر ڈال دیا تھا  
اس کے بعد اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

نظر اٹھا کر اس نے دروازے سے باہر دیکھا سارے صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور معوذ  
بھاگ بھاگ کر مرغی کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا جب کہ بے جی رات کی باسی روٹیاں کتر کتر  
کے مرغیوں کے آگے ڈال رہی تھیں وہ ہمت کر کے کھڑی ہو گئی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی  
اسے دیکھ کر بے جی کا ہاتھ رک گیا۔

بسم اللہ۔۔۔۔۔ دوہٹی اب کیسی ہے تو۔۔۔۔۔؟

آنکھیں ملتی ہوئی نیچے پاؤں چلتی ہوئی رملی آ کر بے جی کے پاس آلتی پالتی مار کے فرش پر  
بیٹھ گئی۔

صبح معاذ مجھے بتا کے گیا تھا کہ تمہارے پیٹ میں تمام رات درد رہا ہے۔ تم ساری رات نہیں  
سو سکیں۔ اس لئے جب تک تم خود نہ اٹھو تمہیں میں نہ جگاؤں۔۔۔۔۔؟

رملی نے بس اثبات میں سر ہلایا۔

مجھے جگایا ہوتا دوہٹی۔ آخر کیوں ہوا ایسا ظالم درد۔۔۔۔۔ میری چھوٹی الماری میں ہر وقت  
اجوائن پڑی رہتی ہے۔ اگر اس میں تھوڑا سا نمک ملا کے پھاہک لیتیں تو فوراً آرام آ جاتا۔

بولیں۔

کیا ہوا ہے دوہٹی؟

بے جی۔ رملی نے بڑے خوف زدہ اور دردناک لہجے میں کہا۔

یہ دیکھیں معوذ کا چہرہ دیکھیں۔۔۔۔۔

ہاں دیکھ رہی ہوں۔ انہوں نے اطمینان سے کہا۔

کہیں۔۔۔۔۔ کہیں۔۔۔۔۔ میرے بچے کو بھی چیچک نہ نکل آئے۔ کہیں اس کا چہرہ بھی

پھر وہ کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔ وہ کیا کہنے چلی تھی پگلی۔

بے جی نے دودھ کا پیالہ اس کی تپائی پر رکھ دیا۔ اور معوذ کو پکڑ کے اپنے دوپٹے سے اس کا

چہرہ صاف کر دیا۔

پھر اسے گود میں لے کر سامنے صوفے پر جا بیٹھیں۔ بے جی کے چہرے پر ایک سانولا بادل

ابرایا تھا۔ بے جی نے شاید رملی کے خدشہ کو پالیا تھا۔ ان کے لہجے میں کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

انہوں نے معوذ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اور کہنے لگیں۔

ڈرو نہیں۔۔۔۔۔ یہ چیچک کے دانے نہیں ہیں۔ پرسوں رات سپرے نہیں کرایا تھا۔ تو

مچھروں نے اسے کاٹ لیا۔ صبح اٹھ کر اس نے کھجالیہ اس لئے دانوں کی صورت اور ہو گئی ہے ان

دانوں کو چھینرنا نہیں چاہیے۔ خود بخود سوکھ جائیں گے۔

شرمندہ سی رملی نے دودھ کا پیالہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ پینے لگی۔

معوذ چھلانگ لگا کر بے جی کی گود سے اتر اور باہر بھاگ گیا۔ بے جی تھوڑی دیر رملی کا اترا

ہوا چہرہ دیکھتی رہیں۔ پھر بڑی اداس لے میں کہنے لگیں۔

دوہٹی! ہمارا زمانہ مجبوریوں کا زمانہ تھا۔ میری ساس بہت سخت گیر خاتون تھیں۔ اللہ بخشے گھر

میں ان کا ڈنڈا چلتا تھا۔ جب معاذ پیدا ہوا اور ہم نے اسے چیچک کا ٹیکہ لگوانا چاہا تو انہوں نے سختی

سے منع کر دیا۔ وہ ٹیکوں اور اسپتالوں کے سخت خلاف تھیں۔ انہوں نے حکم دیا کہ اتنی چھوٹی جان کو

کوئی ٹیکہ نہیں لگوا دیا جائے گا۔ جب بڑا ہوگا تو دیکھا جائے گا میری عمر بھی چھوٹی تھی۔ ان باتوں کی

کچھ سمجھ بھی نہ تھی نہ اتنی تعلیم تھی۔ اور میں ان سے ڈرتی بھی بہت تھی۔ اس لئے دوبارہ خیال ہی نہ

آیا۔ اسی زمانہ میں ہمارے گاؤں میں چیچک کی وبا پھیلی اور میرے بیٹے کو بھی نکل آئی۔

رملی نے سر نہیں اٹھایا۔ آہستہ آہستہ دودھ پیتی رہی۔

بے جی نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔

اور دوبارہ گویا ہوئیں۔

دوہٹی! ویسے تو ہر ماں کو اپنا بچہ چاند ہی لگتا ہے۔ مگر جب میرا معاذ پیدا ہوا تھا۔ تو بالکل

موجود کی طرح تھا۔ (بے جی معوذ کو پیار سے موجد کہتی تھیں) گورا چٹا۔ خوبصورت صحت مند

مگر تمام اتفاقیہ حادثے اس کی قسمت میں لکھے ہوئے تھے۔ اسے چیچک اتنی بری

طرح سے نکلے۔ آنکھوں کے اندر باہر اتنے دانے نکل آئے کہ آنکھیں سکڑ گئیں۔ رنگ جل کر سیاہ

ہو گیا۔ شیطان بھی بہت تھا۔ معاذ ایک بار کھلتا کھلتا ایک کنوئیں میں گر گیا تھا اور کئی دن تک بے

ہوش رہا۔ بچپن میں اس پر کئی بیماریوں نے حملہ کیا۔ دوبار اسے ٹائیفائیڈ ہوا تھا۔ میں تو

بس اللہ سے ہمیشہ اپنے بچے کی زندگی مانگتی رہی۔ اور میرے مولا نے ہر بار بچہ مجھے لوٹا دیا

وہ کھڑی ہو گئیں۔

اور ماں کو بچے کی صورت کب نظر آتی ہے؟

میں جانتی ہوں دوہٹی میرا بیٹا بد صورت ہے۔ مگر میں نے اس کی تربیت اتنے اچھے انداز

میں کی ہے کہ صورت کا اس پر کبھی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ میں جانتی ہوں میرا بیٹا کیا ہے؟

رملی نے دودھ کا پیالہ خالی کر کے واپس تپائی پر رکھ دیا تھا۔ اور شرم کے مارے اس کی گردن

جھک گئی تھی۔

بے جی نے آگے بڑھ کر پیالہ اٹھالیا۔ اور کہنے لگیں۔

لیکن تو نے تو ابتدا ہی میں موجود کو ٹیکہ لگوا لیا تھا؟

جی۔

رملی نے بہت آہستہ سے کہا۔

پھر اتنی خوفزدہ کیوں ہے؟

رملی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

انشاء اللہ یہ اسی طرح خوب صورت رہے گا۔ اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔ اور خواہ مخواہ کے وہم

بھی دل میں نہ رکھا کر۔۔۔ صورت تو بالکل ایک عارضی چیز ہے دوہٹی۔ انسان کے دل سے پیار

کرنا سیکھو۔  
بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ مگر مملی کیا کرتی۔ اس کا خدشہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔  
بے جی کو پتہ نہیں کیا سوچھا۔ دوبارہ بیٹھ گئیں۔  
اور کہنے لگیں۔

وہی! تم لوگ خوش قسمت ہو۔ اس زمانے کی پیداوار ہو۔ اور آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہو۔ جو چاہو کر سکتی ہو۔ ہمارے زمانے میں ہر قسم کی پابندیاں تھیں اور گھروں میں بزرگوں کا سکہ چلتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ مجھے روایتی ساس بننے سے ہمیشہ نفرت رہی۔ میرا خیال ہے کہ بزرگوں کو اپنی نسل کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اس لئے تو میں ہر بات سیکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ زمانے کا ادراک رکھتی ہوں۔

نئے تقاضوں کو قبول کر لیتی ہوں۔ مجھے خواہ مخواہ کا بزرگ بننے سے نفرت ہے۔

اچھا اب تم آرام کرو۔ وہ پھر کھڑی ہو گئیں۔  
اور خواہ مخواہ اپنے دل کو پریشان نہ کرو۔ کوئی بات ذہن کو پراگندہ کر رہی ہو تو مجھے بتا دیا کرو۔ اپنے آپ کو بیمار نہ کرو۔ اس عمر میں لگے ہوئے روگ ساری عمر نہیں جاتے۔  
بے جی باہر نکل گئیں۔

اور مملی کے کانوں میں ان کے آخری فقرے کی بازگشت رہ گئی۔

اس عمر میں لگے ہوئے روگ ساری عمر نہیں جاتے۔۔۔۔۔

پتہ نہیں روگ کیا ہے۔  
مملی نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا تو ڈرینگ ٹیبل کے آئینے میں اسے اپنی صورت نظر آ گئی۔  
کس قدر بدل گئی تھی مملی۔ جس طرح کسی کے رنگ کے دوپٹے کو دھونے سے اس کا رنگ اتر جائے اور وہ بدرنگ ہو جائے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ رخسار زرد ہو گئے تھے ہونٹ سیاہ پڑ گئے تھے۔ اس کی صورت ہی بدل گئی تھی۔

اسی صورت پر اسے ناز تھا۔

بے جی سچ کہتی تھیں۔ صورت ایک عارضی شے ہے۔ جس چیز پر کسی کا اختیار نہ ہو۔ اس پر

کوئی اترائے کیوں؟

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بستر پر لیٹ گئی۔ سوچنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس رات کے بعد کیا ہوا؟

کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم دل میں معاذ کو دیکھنے کی خواہش چل رہی تھی۔ یہ تو اس نے بیماری ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ معاذ دفتر سے آ کر اس کی بہت تیمارداری کرتا تھا۔ اور رات کو کئی بار اٹھ کر اسے دیکھنے آتا تھا۔ کیونکہ جب سے وہ بیمار ہوئی تھی۔ معاذ نے اپنا بستر سٹڈی میں لگا لیا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہو؟

اسے تو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اپنی ساری ہمت راستے میں ہی لٹا بیٹھی ہے۔

اور آج تو بے جی کو بھی پتہ لگ گیا تھا کہ اسے معاذ کی صورت پسند نہیں۔

اور یہ کہ۔۔۔۔۔ وہ جی کو کوئی روگ لگائے بیٹھی ہے۔

وہ لٹی سوچوں کے دوش پر اڑ رہی تھی کہ ایک دم بے جی کی آواز اس کے کان میں آئی۔

وہی! تمہارا فون ہے۔ اگر آ کر سن سکتی ہو تو آؤ۔

مملی کھڑی ہو گئی۔ پاؤں میں چپل پہنے۔ چلنے کو قدم بڑھایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ شاید بہت دن بعد چلنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے چند قدم چلنے سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور چہرے پر پسینہ آ گیا۔ کرسی کی پشت پکڑ کے اس نے ریسور اٹھا لیا۔

ہیلو۔ اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

مملی

ادھر سے ایک آواز سنائی دی۔

اور بس ایک آواز سن کر ہی مملی کے ہاتھ سے ریسور گر گیا۔ دور سے بے جی نے ریسور گرتا ہوا دیکھا۔ جب تک وہ قریب آئیں۔ مملی بے ہوش ہو کر فرش پر ڈھیر ہو چکی تھی۔



معاذ کی فطرت کا حسن فوراً کھل جاتا تھا۔ وہ اس حسن کو ڈھونڈنے کے قابل کیوں نہ ہوئی۔  
پچھلے ہفتے جب وہ فون کی آواز سن کر بے ہوش ہو گئی تھی تو بے جی نے فوراً معاذ کو دفتر فون کر کے بلوایا تھا۔ وہ ڈاکٹر لے کر آ گیا تھا۔ اور بے جی نے اسے ساری بات بتادی تھی۔  
ہفتہ بھر وہ پھر بستر پر لیٹی رہی۔ اس دوران بے جی نے اسے دوسرے آکر بتایا کہ تمہاری سہیلی جیدہ تمہیں فون پر بلا رہی ہے۔ مگر رملی نے صاف کہہ دیا۔

اس سے کہہ دیں۔ ابھی میں چل کر نہیں آ سکتی۔ جب طبیعت ٹھیک ہوگی تو خود فون کر لوں گی۔  
اور بے جی نے نہایت مصومیت سے اسے بتا بھی دیا تھا۔ کہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے رملی بیمار ہے۔ اور بستر پر ہے۔

رملی کو اپنے بیمار ہونے پر بھی شرم آتی۔ حالانکہ گھر میں کوئی اس کی بیماری پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

آج پھر اس نے چلنے پھرنے کی کوشش کی۔ موبو کی انگلی پکڑ کر باہر نکل گئی۔  
مرغیوں کے بچوں کو دیکھا۔ کوارٹروں تک گئی۔ نوکروں کا حال پوچھا۔  
تھوڑی دیر چلنے سے طبیعت کو بہت تقویت ملی۔  
پھر اندر آ کے تخت پر بیٹھ گئی۔

ابھی سانس درست کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ اس کی آواز سے رملی پھر ڈر گئی۔ اس کا دل دھڑ دھڑانے لگا۔ رنگ اڑنے لگا۔ مگر اس میں ہمت نہیں ہوئی ریسور اٹھانے کی جب گھنٹی بہت دیر تک بجتی رہی تو پھر بے جی نے اپنے کمرے سے نکل کر جھانکا۔ رملی فون کے پاس بیٹھی تھی۔

اس لئے وہ واپس چلی گئیں۔

رملی نے مرے ہوئے ہاتھوں سے ریسور اٹھا لیا۔

ہیلو۔۔۔۔۔ اس سے بھی مری ہوئی آواز میں بولی۔

ہیلو رملی میں جیدہ بول رہی ہوں۔

یہ سنتے ہی رملی نے ریسور واپس رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی پھر بجنے لگی۔ اسے معلوم تھا یہ جیدہ ہی ہے۔ اگر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی تو یقیناً بے جی فون اٹھا کر اسے بلائے آ جاتی اور اب وہ فون تک نہ آ سکتے کا بہانہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ جیدہ نے اس کی آواز سن لی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر رملی کا دل کیوں ڈوبنے لگتا ہے۔ اور وہ بار بار بے ہوش کیوں ہو جاتی ہے۔ اس بات پر رملی کو کئی بار غصہ آیا تھا۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی تھی کہ وہ سب کچھ اپنے شوہر کو بتا چکی ہے۔ اب کس بات کا ڈر ہے؟ مگر اب بھی اسے شوہر کے رد عمل کا تو پتہ نہیں تھا۔ وہ تب سے بیمار پڑی تھی۔ معاذ اور بے جی ہر وقت اس کا دھیان رکھتے تھے۔ ڈاکٹروں کو دکھایا جا رہا تھا۔ باری باری سب بہنیں اور امی اب بھی دیکھنے آئے تھے۔ امی جان نے بہت مجبور کیا تھا۔ کہ وہ چل کر کچھ دن ان کے پاس رہے۔ مگر رملی نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور تو اور کچھ باجی کا پنڈی سے فون آیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے پنڈی آنے کی دعوت دی تھی مگر وہ کہیں نہیں جاسکتی تھی۔ امی کے ہاں یاور رہتا تھا اور پنڈی میں شان بھائی تھے اور وہ ان رستوں سے گزرتا نہیں چاہتی تھی۔ جہاں یہ دونوں تھے۔ اپنے گھر میں کتنا سکون تھا۔ کتنا آرام تھا۔ طمانیت تھی۔ اپنائیت تھی۔ اپنے گھر کا احساس اسے پہلی بار ہوا تھا۔ یہاں ہر چیز اس کی اپنی تھی۔ اپنی صرف اس لئے کہ اس گھر کے آدمی سے اس کا ایک اٹوٹا ناتا تھا۔ وہ اس گھر کا ایک مہرہ تھی۔ اس دیوار کی ایک اینٹ تھی۔ اس چھت کی ایک کڑی تھی۔ اس گھر کے مقابلے میں اسے امی کا گھر بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس گھر میں وہ مہمانوں کی طرح جاتی اور چلی آتی۔ مگر اس گھر سے اسے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا تھا۔

حیران ہوتی کہ اس بات کی سمجھ اتنی دیر بعد کیوں آئی؟ لیٹے لیٹے جب معاذ کے بارے میں سوچتی تو گذری ہوئی تمام باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگتیں۔  
تو وہ اپنے آپ پر نفرین بھیجے لگتی۔

اس نے اپنی کسی بات سے معاذ پر ثابت نہیں کیا تھا کہ وہ اسے پسند کرتی ہے۔ محبت کرنا تو دور کی بات ہے۔

اور اس روز بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ انہوں نے معاذ کی تربیت بہت اچھے انداز میں کی تھی

عشوہ طراز عورت کو کئی تیرے جیسے مل جاتے۔ جو اپنے چہرے پر معصومیت کا نقاب چڑھا کے رہتی

سے غلطی ہو گئی تھی۔ اس نے خمیازہ بھگتا تھا۔ وہ اور خمیازہ بھگتنے کو بھی تیار تھی۔ وہ چاہتی تھی جیدہ آن

ہی اپنے غصے اور اپنی نفرت کا اظہار کر دے تاکہ اسے پھر کبھی فون کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔  
کہتے ہیں۔ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے اور تجھے مجھ پر رحم نہ آیا۔ تو نے میرے ہی  
گھر کو توڑا۔ تو نے میری بیچ اجاڑ دی۔ میں پہلے کون سی خوش تھی۔

یہ کہتے ہی جیدہ کی آواز ٹوٹ گئی۔ شاید اس پر بھی آنسوؤں نے حملہ کر دیا۔ غصے اور رنج کے  
موقع پر بھی اسی طرح آنسو نکلے چلے آتے ہیں۔ اس نے پھر اپنی آواز پر قابو پایا۔

حرافہ! تو اس روز بچ کے آگئی۔ پتہ نہیں کس طرح بچ کے آگئی۔ \_\_\_\_\_؟ ورنہ میں  
بھی تیرے سلگنے کا تماشا دیکھا کرتی۔

رملی کو جھرجھری آگئی۔ تو اس منصوبے میں جیدہ بھی شامل تھی۔ اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو یہ  
دن مل کر اسے کس طرح بلیک میل کر رہے ہوتے؟

جیدہ تھوڑی دیر روتی رہی۔ کیونکہ وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

مگر اب میں نے سوچا ہے۔ شاید تیری تقدیر مجھ سے اچھی ہے۔ شاید اللہ کو تیری بہتری  
مقصود ہے۔ شاید تجھ پر تیرے ماں باپ کی دعائیں سایہ فگن ہیں۔ شاید تیری سانس تجھ پر دم  
پھونکتی رہتی ہے۔ اس لئے تجھ پر آج نہ آئی اور حال تڑا کر باہر نکل آئی۔

رملی نے فوراً گردن موڑ کر دیکھا۔ بے جی پالک کے پتے اٹھا کر سامنے برآمدے میں آ  
بیٹھی تھیں۔ اور ایک ایک پتے سے ڈنڈی الگ کر رہی تھیں۔ اور معوذ بھی ان کی دیکھا دیکھی پتے  
توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بے جی نے ایک بار نظر اٹھا کر دیکھا۔ رملی ریسیور کان سے لگائے توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ  
پھر اپنے کام میں لگن ہو گئیں۔

جیدہ کو رونے سے شاید قرار آ گیا تھا۔

دوبارہ بولی تو اس کی آواز میں قدرے نرمی تھی۔

رملی! میں نے تجھے جو کچھ کہا ہے۔ اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔ اگر تو میری جگہ ہوتی تو  
بتا کیا کرتی۔ سوچ ذرا سوچ۔

سن رہی ہے یا نہیں۔ \_\_\_\_\_؟ اس نے پھر پوچھا۔

سن رہی ہوں۔ رملی نے جواب دیا۔

پھر جواب کیوں نہیں دیتی۔

کیا جواب دوں جیدہ! تجھے حق پہنچتا ہے۔ جو بھی کہہ لے۔ میں تو ڈیڑھ مہینے سے  
اپنے آپ کو ہر طرح کی اذیت دے رہی ہوں۔ لیکن جس طرح تیرا دل خوش ہوتا ہے تو بھی کر لے

رملی نے اتنی آہستہ آواز میں کہا۔ جسے بے جی نہ سن سکیں۔

رملی۔ جیدہ بولی۔

ہر شے کی حقیقت وہ نہیں جو تجھے نظر آتی ہے۔ گو میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتی تھی سے  
سخت نفرت کرتی ہوں۔ مگر آج تجھے اپنی زندگی کی چند باتیں ضرور بتاؤں گی۔ صرف تمہیں۔ کیونکہ  
مجھے معلوم ہے تم طبعاً شریف النفس ہو اور اس واقعے کے بعد مجھے تم سے کوئی خطرہ بھی نہیں۔

بے جی ٹرے اٹھا کے ذرا اور قریب آگئی تھیں۔ کیونکہ برآمدے میں دھوپ آگئی تھی اس  
لئے رملی نے بہت محتاط انداز میں کہا۔

ہاں ضرور کہو۔ \_\_\_\_\_ جسے بے جی نے بھی سن لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ اس طرف  
سے کوئی بات سنائی جا رہی ہے۔

رملی تو نہیں جانتی میری شادی کس طرح ہوئی تھی۔ \_\_\_\_\_؟ میں جب یاور کے جال  
میں پھنسی اس وقت میری عمر سترہ سال کی تھی۔ یاور نے اپنے اوپر ایک دلکش شخصیت کا ماسک چڑھا  
رکھا ہے۔ یہ میں نہیں جانتی تھی۔ مجھے بس دنیا میں یاور کے سوا کوئی نظر بھی نہیں آتا تھا۔ میرے ماں  
باپ نے یاور کے ساتھ میری شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن یاور کے کہنے پر ایک روز میں یاور  
کے ساتھ بھاگ گئی۔ یاور نے اپنے چند دوستوں کی موجودگی میں مجھ سے نکاح کر لیا۔ پھر ہم شہر  
گھومتے رہے۔ اور ایک دن ملک سے باہر چلے گئے۔

انگلینڈ جا کر مجھ پر یاور کی فطرت کھلی۔

یہاں پر رک کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی اور کہنے لگی۔

لیکن اس وقت کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یاور کا آلہ کار بننا پڑا۔ اس کے اشاروں پر ناچنا پڑا۔  
اس کی کارکردگیوں میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔

جانتی ہو کیوں۔ \_\_\_\_\_؟

تھوڑی دیر رک گئی۔ پھر بولی۔

اس لئے کہ یاور نے سچ سچ میرے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ سارا فراڈ تھا۔ اب

چاپ اس کی چھپیں سنتی رہی

پکڑ لیا۔ اور خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

جیدہ۔۔۔۔۔ جیدہ! وہ خوفزدہ انداز میں کچھ کہنے لگی تھی۔ مگر اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔  
ہاں میں چاہتی تھی کہ تو اس کے جال میں نہ پھنسے۔ میں تیرے والدین کو جانتی ہوں مگر میں مجبور ہو گئی تھی۔ یاد رکھئے قتل کی دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔ اس لئے ہم تیرے ارد گرد جال بنتے رہے۔ اور تو اتنی بے وقوف ہے۔ احق ہے۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔ رملی نے بس اتنا کہا اور پھر اپنی گلوگیر آواز پر قابو پا لیا۔

یہ شادی والی بات بھی میں نے یاد رکھنے پر تم سے کہی تھی۔ کیونکہ تم کسی طرح بھی زیادہ قریب آنے پر راضی نہیں ہو رہی تھیں اور جب تم شادی کی بات سن کر بدک گئیں تو اس دن یاد رکھئے دوسرا منصوبہ بنایا۔ مجھے سے تمہیں فون کروا دیا۔ اور پھر مجھے گھر سے باہر بھیج دیا۔

اور اس روز میرے ضمیر نے مجھے بہت کچھ کے لگائے۔ اس روز میں نے بھی اللہ سے بہت دعائیں کی تھیں کہ تم گھر سے نہ نکل سکو۔ حتیٰ کہ یہ دعا بھی مانگی تھی کہ راستہ میں تمہارا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔ اور تم یاور تک نہ پہنچ سکو۔ یاد رکھئے میں ایک کیمرہ فٹ کیا ہوا تھا۔ وہاں ٹیپ ریکارڈر بھی موجود تھا۔ وہ بلیک میل کرنے کے سارے ہتھکنڈے جانتا ہے۔ بڑا کمینہ اور خطرناک انسان ہے۔

رملی کا دل چاہا یاور ہاتھ سے رکھ دے اور ابھی یہیں سجدے میں گر جائے کہ اللہ نے اسے ایک خبیث انسان کی خباثت سے بچا لیا تھا۔

رملی۔ جیدہ پھر بولی۔

شاید تجھے یقین نہ آئے میں جب جلتی کڑھتی واپس آئی اور مجھے پتہ چلا کہ تو بچ کے چلی گئی ہے۔ مجھے روحانی خوشی نصیب ہوئی۔ سینکڑوں لڑکیاں ہم نے تباہ کی ہوں گی۔ مگر تیرے بچ جانے سے نیرادل بہت مسرور تھا۔ اگر تو پھنس جاتی تو شاید میں اپنے آپ کو معاف نہ کر سکتی۔۔۔۔۔

بعد میں کہا ہوا کچھ مدت پوچھو۔ یاد اپنی شکست برداشت نہیں کر سکتا میں نے اسے بہت سمجھا یا تھا کہ تیرا خیال چھوڑ دے۔ اب تو ہاتھ نہیں آئے گی۔

مگر اس نے بھی قسم کھائی تھی کہ تجھے تباہ کر کے رہے گا۔

رملی کو خوف سے ایک جھرجھری آ گئی۔ سر کو چکر آیا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔  
بڑی دیر کے بعد رملی اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

جیدہ۔۔۔۔۔ جیدہ۔۔۔۔۔

اب تجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے رملی۔ جیدہ بولی۔

پہلے میں بھی تجھ سے نفرت کرتی تھی۔ مگر کل رات میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تجھے فون کر کے سب کچھ بتا دوں گی۔ اس لئے کہ خود قدرت کو تیری بہتری منظور ہے۔ تجھ پر اللہ کا کوئی خاص کرم ہے۔ شاید تو اس کے پسندیدہ بندوں میں سے ہے۔ اس لئے وہ تجھے صاف بچا لے جاتا ہے؟

رملی کچھ بھی نہیں بول سکی۔ بے جی سامنے بیٹھی تھیں۔

تو جیدہ دوبارہ گویا ہوئی۔

رملی تجھے تو علم نہیں ہو گا۔ کل رات تیرا شوہر ہمارے گھر آیا تھا۔

کیا۔۔۔۔۔ رملی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پہلے ساری بات سن لے۔

کل رات دس بجے کے قریب باہر کی گھنٹی بجی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو معاذ وہاں کھڑا تھا۔ اس نے اپنی رعب دار آواز میں صرف اتنا پوچھا۔ یاد رکھاں ہے۔ میں نے کہا بیڈروم میں ہے۔ نہ اس نے اجازت طلب کی اور نہ مزید کچھ کہا۔ آگے بڑھ کے یاد کے کمرے میں گھس گیا یاور بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے یاد کا گریبان پکڑ کے اسے کھڑا کر دیا۔ اور پھر کے اور ٹھہر مار مار کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔ یاد اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ویسے بھی جرائم پیشہ لوگوں میں دم ختم تو ہوتا نہیں۔ اور جب یاد کی اچھی طرح مرمت کر چکا تو ایک فیصلہ کن انداز میں بولا۔

میری بیوی کا دو پٹہ دے دو۔ میرا خیال ہے تمہارے لئے آج اتنا ہی کافی ہے۔

یاد نے اپنی مقل الماری میں سے دو پٹہ نکال کے اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

معاذ نے دو پٹہ چھٹ کر لیا اور پھر غرا کر کہنے لگا۔

رملی ایک غیر متند آدمی کی بیوی ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد میں اس سے بدگمان ہو جاؤں گا۔ اور وہ تمہاری آلہ کار بن جائے گی۔ تو بالکل غلط خیال ہے۔ میں تمہیں قانون کے حوالے بھی کر سکتا ہوں۔ تم جیسوں کو مزہ چکھانا خوب جانتا ہوں۔ مگر اس طرح تمہارے نام کے ساتھ میری بیوی کا نام بھی آجائے گا۔ اس کو اس روحانی اذیت سے بچانے کے لئے آج میں خود آ گیا ہوں۔ مجھے امید ہے آج کے بعد تم اپنی گندی زبان سے رملی کا نام بھی نہیں

لوگے اور کبھی فون کرنے کی جسارت نہیں کرو گے۔ بلکہ یہ شہری چھوڑ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔  
- ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔

یہ کہا اور اس طرح گردن اٹھا کر باہر نکل گیا۔ جس طرح وہ دنیا کا طاقتور ترین اور ناقابلِ تسخیر مرد ہے۔ اس کے قدموں کے دھپ دھپ مجھے دیر تک سنائی دیتی رہی۔ یا اور اپنے جبرے پکڑ کر بیٹھ گیا اور میں دروازے کا پٹ پکڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔

جیدہ رونے لگی۔۔۔۔۔

رملی پہلی بار میں نے تجھ سے حسد محسوس کیا۔ مجھے زندگی میں پہلی بار اندازہ ہوا کہ غیرت مند اور عظیم مرد کیا ہوتا ہے۔ \_\_\_\_\_؟ گو یا اور معاذ سے ہر لحاظ سے خوبصورت ہے مگر کتنا مکروہ اور قابلِ نفرت انسان ہے \_\_\_\_\_؟

جیدہ کے آنسو بہتے رہے۔ \_\_\_\_\_ وہ رک رک کر بولتی رہی۔ رملی کا ہاتھ کانپتا رہا۔  
اس کے ہونٹ پھڑکتے رہے۔۔۔۔۔ مگر وہ ہونٹ کاٹ کاٹ کر اپنے آنسو ضبط کرتی رہی۔

رمو! جیدہ اپنی بیگلی آواز میں یوں بولی جس طرح کوئی اپنی ہمدرد سہیلی کے گلے لگ جاتا ہے۔  
تو شاید نہیں جانتی جس مرد کا کردار نہیں وہ مرد نہیں۔ مرد کی شکل و صورت ثانوی چیز ہے جو بات مرد کو مرد بناتی ہے۔ وہ اس کا اونچا کردار ہے۔

میں ساری رات روتی رہی۔ اور اللہ کے آگے فریاد کرتی رہی کہ اے کاش! میرا شوہر اندھا ہوتا۔ \_\_\_\_\_ لولہ لنگڑا ہوتا۔ مفلوج ہوتا۔ مگر شریف آدمی ہوتا رزق حلال پہ یقین رکھتا۔  
مجھے اپنی آبرو سمجھتا اور مجھے پریشان کرنے والے کا گلا گھونٹنے چلا آتا۔ \_\_\_\_\_

جیدہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

اب رملی کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کا دل پھڑو بنے کو تیار ہو رہا تھا۔ موجھیلیٹا کھیلتا اس کے پاس آ کر فون کی تاریخ چنے لگا۔

رمو!

جیدہ نے اچھی طرح رو کر کہا۔ میں پھر شاید تمہیں زندگی میں کبھی نہ مل سکوں۔ فون بھی نہیں کروں گی۔ کیونکہ مجھے لگ رہا ہے یا اور یہ شہر چھوڑ جائے گا۔

ویسے بھی وہ کافی عرصے سے امریکہ جا کر بسنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ \_\_\_\_\_ مگر میری عبرتِ خاک زندگی کو پیش نظر رکھنا۔ انہونی باتوں کے خواب دیکھنے والی لڑکیوں کا انجام بہت

دردناک ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور معاذ جیسے شوہر۔۔۔۔۔

اچانک موجودے تار زور سے کھینچی۔ ٹیلی فون کٹ گیا۔ اور جیدہ کی آواز ڈوب گئی رملی کچھ اور سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس میں کچھ اور سننے کی تاب بھی نہیں تھی۔ اس کے اندر عجیب سے طوفان اٹھ رہے تھے۔

بڑی مشکل سے انھی اور اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی آ کر بستر پر دھم سے گر گئی۔ دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اور آنکھیں پھلکنے کو بے قرار تھیں ندامت کے ساتھ احساسِ شکر گزاری اسے ادھ موا کیے دے رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ پیٹ پر رکھ لیا۔ اور دوسرا آنکھوں پر \_\_\_\_\_

اسی وقت بے جی اندر آ گئیں۔ بڑے تردد سے آ کے اس کے سر ہانے کھڑی ہو گئیں۔  
رملی نے سایہ سامحوس کر کے جھٹ ہاتھ اٹھا لیا۔ اور بے جی کو دیکھ کر ڈر گئی۔

کیا بات ہے دو ہنسی۔  
وہ گھوم کر سامنے آ گئیں۔

کچھ نہیں بے جی۔۔۔۔۔ رملی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

آج تو جیدہ نے بڑی لمبی بات کی۔ تو اتنی دیر نہیں بیٹھ سکتی۔ تو کیوں بیٹھ کر سنتی رہی۔  
بس بے جی۔ \_\_\_\_\_ رملی دوبارہ لیٹ گئی۔

اس نے بات ہی ایسی شروع کر دی تھی۔ یہ کہہ کر وہ خود گھبرا گئی۔

کیا بات شروع کر دی تھی۔؟ بے جی کے لہجے میں اصرار تھا۔

وہ جی۔۔۔۔۔ بس بے جی۔ رملی نے جلدی سے بات بنائی۔ بڑی بد نصیب ہے۔ جیدہ!  
آج اس نے مجھے اپنی شادی کی ساری کہانی بتائی ہے۔ اس کا شوہر بڑا کمینہ آدمی ہے۔ بچاری چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ بس کیا بتاؤں بے جی آپ کو۔ اس وقت میرا دل بہت برا ہو رہا ہے۔ اس نے مجھے بھی بہت رلایا۔

ہاں۔ \_\_\_\_\_ جس دن میں نے اس کے شوہر کو دیکھا تھا۔ وہ مجھے اور طرح کا لگا تھا۔  
بالکل اور طرح کا \_\_\_\_\_ مگر ڈر کے مارے بولی نہیں کہ تم نو جوان لوگ جانے کیا کہہ دو

بچاری کو اپنے گھر بلا کے تسلی دینا تھی۔

نہیں بے جی۔ \_\_\_\_\_ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان سے ملا جائے۔ پھر بولی۔

ہمیں کیا ضرورت ہے میاں بیوی کے جھگڑے میں پڑیں۔ اس کے نصیب \_\_\_\_\_  
ہاں بچاری کے نصیب \_\_\_\_\_؟ ماں باپ سب کچھ دیتے ہیں۔ لڑکی کو نصیب نہیں  
دے سکتے۔۔۔ چہ چہ۔۔۔۔۔

بے جی افسوس کرتے ہوئے جانے کو مڑیں۔ مگر رک رک کر بولیں۔ تیرا رنگ بالکل ہلدی کی  
طرح زرد ہو رہا ہے۔ تجھے گرم دودھ کی ایک پیالی لا دوں؟

کبھی احساس سو جاتا ہے۔ کبھی دل سو جاتا ہے۔ سونے جاگنے کی کیفیت ہمیشہ زندگی پر طاری رہتی ہے۔ بے درپے عجیب و غریب حالات رونما ہونے لگیں تو انسان اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتا ہے۔ دہلی کے ذہن نے مزید سوچنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے وہ دم سادھے یوں پڑی رہی، جس طرح وہ صدیوں کی بیمار ہے۔ اور اس گھر میں کتنا اچھا دستور تھا۔ بے جی روایتی ساس نہیں تھیں۔ بہت سی ننڈیں، دیورانیاں اور جھانیاں وقت بے وقت دخل اندازی نہیں کرتی تھیں۔ کوئی اس کے گم صم موڈ اور ہر دم روتی آنکھوں کا راز جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ دن اور رات معمول کے مطابق بیت رہے تھے۔

اور رملی گزرتے دن رات کا کوئی سراپکڑ کے ساتھ چلنے کے بارے میں ہی سوچتی رہ جاتی۔ اس روز صبح ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو دم سادھے لیٹی رہی ٹیلی فون کا خوف جاتا رہا تھا۔ کالی گھنائیں جو قسمت کے آسمان پر نمودار ہوئی تھیں اپنے آپ چھٹ گئی تھیں اور ہر خوف اپنے آپ دور ہو گیا تھا ہاں اب ضمیر کی خلش بے چین رکھتی تھی۔ بے جی نے فون اٹھایا۔ تھوڑی سی بات کی اور پھر آکر اس کے سر ہانے کھڑی ہو گئیں۔ رملی اپنا منہ نرم تکیوں میں چھپائے لیٹی تھی۔ تھوری دیر بعد اسے احساس ہوا کوئی سر ہانے کھڑا ہے۔ تکیے ہٹا کے جلدی سے دیکھا۔ تو بے جی تھیں۔ بے جی چپ تھیں اور ان کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

رملی اٹھ کر بیٹھ گئی۔  
 بے جی نے آرام سے اپنا ہاتھ رملی کے سر پر رکھ دیا۔  
 رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر بے جی کا کانٹا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ڈری سہمی آواز میں پوچھا۔  
اب کیا ہوا ہے بے جی \_\_\_\_\_؟

بے جی نے اس کی مضطرب آنکھوں میں اپنی بوڑھی آنکھیں پھنسا دیں اور ولیوں والے

رملی تہار بننا چاہتی تھی۔ بالکل تنہا!  
بے جی دودھ گرم کر کے لائیں اور پیالہ اس کے پاس رکھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد رملی بستر سے اٹھی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔ دھڑکتے دل سے الماری کھولی  
\_\_\_\_\_ سامنے ہی وہ سرخ پھولوں والا دوپٹہ پڑا تھا۔ دوپٹے کا گولہ بنا ہوا تھا۔  
توجیدہ کی ہر بات کی تصدیق ہو گئی۔  
معاذ نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ معاذ کو صرف یہ پتہ چلا تھا کہ ٹیلی فون سن کے رملی  
\_\_\_\_\_ ہمیشہ بے ہوش ہو جاتی ہے  
آج رملی کو اتنی شرم آئی۔ اتنی شرم آئی کہ اس کا دل جاہا۔ دہ زمین کے اندر جا کے چھپ جائے۔





ہے انہیں \_\_\_\_\_؟

شان بھائی کے جانے کے بعد کچھ باجی پھر آ کر عورتوں میں بیٹھ گئیں اور زار و قطار رونے لگیں۔

سب عورتوں آگے بڑھ کر انہیں تسلی دینے لگیں \_\_\_\_\_ ان کی صورت دیکھ کر رملی نے

بھی دوبارہ رونا شروع کر دیا \_\_\_\_\_ اب پورے ہجوم میں صرف کچھ باجی اور رملی رہی

تھیں اور ساری رشتہ دار عورتیں بلائیں لے لے کر انہیں چپ کر رہی تھیں۔ روتے روتے رملی کو

خیال آیا۔ ماں کا دکھ تو اپنی جگہ ہے اور اس دکھ کو عذر دے کر وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں کو رو رہی

تھیں۔ ماں تو انہیں رونے کا بہانہ دے گئی تھی۔ اب کون جانے کہ کس کس زخم کے ٹانگے کھل گئے

تھے۔ اک زار اور دکھ ہوا چلتی ہے۔ تو محرومیوں کے کئی درتچے واہو جاتے ہیں۔ عورتیں اپنے دکھ

اپنی جھولیوں میں بھر کے یونہی بو جھل بو جھل پھرتی رہتی ہیں۔ پھر اک دن۔۔۔ کوئی سا بہانہ بنا

کے اپنے اپنے آنسو بہا دیتی ہیں۔ کون کسی کے لئے روتا ہے \_\_\_\_\_؟ ہر کوئی اپنے لئے روتا

ہے ہر کوئی رونے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ ہر کوئی آنکھوں میں ندیاں چھپائے پھرتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد رملی اٹھ کے کچھ باجی کے پاس جا بیٹھی اور جب دونوں بہنوں کی نظریں

ملیں تو رملی ایک دم کچھ باجی سے لپٹ گئی۔ اور دونوں بہنیں پھر چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ دیکھنے

والے تو صرف یہ جانتے تھے کہ زخم تازہ ہے۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے کا درد جان رہی تھیں۔

روتے روتے رملی نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ معاذ ہر ایک کو بڑی محبت سے اندر لا کر بٹھا رہا تھا۔

کسی کو پانی پلا رہا تھا۔ کسی کو تکیہ لگا کے دے رہا تھا۔

رملی روتی روتی ٹھنک گئی۔ اور غور سے معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آج پہلی بار ات معاذ کا

چہرہ بالکل بد صورت نہیں لگا تھا۔ وہ کتنا اچھا لگ رہا تھا اسے \_\_\_\_\_ ہمدردی اور محبت کی تصویر

بنا ہوا۔ ہر ایک سے جھک جھک کے انکساری سے مل رہا تھا \_\_\_\_\_ ہر ایک کو تسلی دے رہا تھا۔

سارے گھر کو اپنے بازوؤں میں لے لینا چاہتا تھا۔ اور اسی طرح بے جی بھی محبت اور مروت کی

تصویر بنی ہوئی سب بہنوں کو باری باری پیار کر رہی تھیں۔ رملی کو آنسواں کے رخساروں پر ٹھٹھک

گئے۔ اور وہ سوچنے لگی۔ جینے کے لئے انسانی ہمدردی درکار ہے۔ یا حسن یوسف کی ضرورت ہے

\_\_\_\_\_؟

اس بات کی سمجھا سے سوئم کے روز آئی کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ شان بھائی کے جانے کے بعد

کچھ باجی کی حالت نیم نکل سی ہو گئی تھی۔ ہر رشتے دار استفسار کر رہا تھا کہ تیرا شوہر اتنی جلدی کیوں

چائے پینے کے بعد شان بھائی ایک دم سے کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔

کسری میرا سوٹ کیس بند کر دو میں واپس جا رہا ہوں۔

ابھی سے \_\_\_\_\_؟ کچھ باجی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

کیوں اب کیا رہ گیا ہے \_\_\_\_\_؟ انہوں نے اس طرح پوچھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

تمہاری ماں کو دفنانے کے بعد دنیا میں کون سا کام رہ گیا ہے۔ اور میرا یہی احسان کیا کم ہے؟

ابھی تو ساری برادری بیٹھی ہے۔ کچھ باجی نے آہستہ سے کہا۔

تو میں کیا کروں \_\_\_\_\_؟ انہوں نے رعونت سے کہا۔ تمہاری برادری کو تو ابھی پلاؤ کا

انتظار ہوگا۔ مگر میں اب اس بک بک سے گھبرا گیا ہوں۔ کل رات سے جاگ رہا ہوں۔ گھر جا کے

آرام کروں گا۔

بس آج کی رات ٹھہر جاؤ شان \_\_\_\_\_۔ کچھ باجی نے لجاجت سے کہا۔ کل صبح بے

شک چلے جانا۔

آج رات ٹھہر کر میں کیا کر لوں گا۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ میں الٹی سیدھی رسوں کا قاتل

نہیں ہوں۔

لیکن سوئم پر آپ کا ہونا بہت ضروری ہے۔

سوئم تو پرسوں ہے۔ پرسوں دیکھا جائے گا۔

شان بھائی کھڑے ہو گئے اور خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھا کے کپڑے درست کرنے لگے۔

کچھ باجی نے ان کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ اور کپڑے ٹھیک کر کے لگانے لگیں۔

رملی یہ منظر نہ دیکھ سکی۔ اٹھ کر ایک دم باہر آ گئی۔ اسی وقت معاذ گھر کے اندر داخل ہوا۔ اس

نے اباجی کو سہارا دے رکھا تھا۔ انہیں لا کے ان کے کمرے میں لٹا دیا۔ اور جس وقت ان کے

کمرے سے باہر نکلا تو شان بھائی اپنا سوٹ کیس اٹھا کے باہر جا رہے تھے۔ معاذ نے آگے بڑھ

کر پوچھا \_\_\_\_\_

یار اتنی جلدی جا رہے ہو \_\_\_\_\_؟

مگر شان بھائی نے کوئی جواب نہ دیا۔ رعونت سے گردن اٹھائی اور چلے گئے۔ رملی کو شان

بھائی کے اس انداز پر بے حد غصہ آیا \_\_\_\_\_ پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں جیسا بھی ہے

معاذ اس کا شوہر ہے اور انہیں اس کے ساتھ عزت سے پیش آنا چاہیے۔ پتہ نہیں کس بات کا غور

چلا گیا۔ اور ہر رشتے دار کے آگے وہ بچاری کوئی عذر تراش کے رکھ دیتی۔ کسی کو کہتی ان کے طبیعت بہت خراب تھی۔ کسی سے کہتی کل سے انہیں شدید بخار تھا۔ کسی سے کہتی اشد ضروری میٹنگ تھی۔ مگر وہ یہ بات کسی کو نہ بتا سکی کہ اس کا خوبصورت شوہر یہاں ایک پل ٹھہرنے کا روادار نہیں تھا۔ اور پتہ نہیں وہ اسے کس طرح منت سماجت کر کے ساتھ لائی تھی۔ وہ دن کچھ باجی شان بھائی کو چیکے چیکے فون کر کے اصرار کرتی رہیں کہ وہ سوئم کے روز ضرور آجائیں۔ پھر آخر وقت تک راہ دیکھتی رہیں۔ مگر وہ نہیں آئے۔ باہر عورتوں کے درمیان بیٹھی بظاہر وہ گھٹلیوں پر کلمہ طیبہ پڑھ رہی تھیں۔ مگر نظریں باہر والے دروازے پر لگی تھیں۔ کسی موٹر کی آواز آتی تو منتظر ہو بیٹھتیں کہ جیسے ابھی کوئی آگے کے بتائے گا شان بھائی آگئے۔ مگر شان بھائی نہیں آئے۔ پھر گھٹلیوں کے ساتھ ساتھ ان کے آنسو سفید چادر پر گر گئے۔ اور وہ سوچتیں۔ یہ کیسا رشتہ ہے خدایا کہ دنیا داری کی خاطر بھی شوہر بیوی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ بعض عورتیں ایسے میں کچھ لگانے سے باز نہیں آتیں۔ اور جو کوئی منہ پھیر کے پوچھ لیتی۔

اسے تیرا شوہر آج بھی نہیں آیا۔  
تو وہ اپنی گیلی پلکیں جھکا کر پھر من گھڑت کہانیاں انھیں سننے لگتیں۔ کہ چھٹی نہیں مل سکی۔  
دفتر میں ایک ضروری میٹنگ تھی وغیرہ وغیرہ۔  
تب رملی نے سوچا ساری نیک عورتیں تمام عمر اپنے شوہروں پر پردے ڈالتی رہتی ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟  
میکے آکر صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ آپ نے جو شوہر مجھے ڈھونڈ کر دیا تھا وہ نہ میرے میکے آنا پسند کرتا ہے اور نہ میکے کے رشتہ داروں سے ملنا پسند کرتا ہے۔  
مگر آپ کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ اس لئے میں نے کلیجے سے لگا کے رکھا ہوا ہے۔

اسی رات شان بھائی کا فون آ گیا۔ انہوں نے کسری باجی کو حکم دیا کہ وہ علی الصبح چنڑی کے لئے روانہ ہو جائیں۔ کسری باجی نے بہت کہا۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ پتہ نہیں انہوں نے فون پر اور کیا کہا کہ کسری باجی اپنا سامان سینے لگیں۔ دوسری صبح جاتے ہوئے وہ ہلکے ہلکے کر رہی تھیں۔ وہ یہاں سوا مہینہ رہنا چاہتی تھیں۔ ایک بڑا صندوق کپڑوں کا بھر کر لائی تھیں۔ مگر انہیں اب ماں کے گھر رہنے کی اجازت نہ تھی۔ انہیں رونے اور دل کی بھڑاس نکالنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے وہ چلی گئیں اور جاتے جاتے رملی کی آنکھیں بھی کھول گئیں۔

تھوڑی دیر بعد بے جی اور معاذ نے گھر جانے کی اجازت چاہی تو رملی بے اختیار بولی۔

آج میں بھی گھر چلوں گی بے جی۔ کل پھر آ جاؤں گی۔  
ابھی تم رہو دو ہنسی۔ بے جی نے پیار سے کہا۔ تمہارے سارے رشتہ دار یہیں ہیں۔ نہیں بے جی میرا جی کچھ اچھا نہیں۔ یہاں تو رات کو ایک پل بھی نیند نہیں آتی۔ آج گھر جا کے اطمینان سے سو جاؤں گی۔ کل صبح آ جاؤں گی۔ اور پھر معوذ بھی آپ کو تنگ کرتا ہوگا۔ پہلے دن ہی بے جی معوذ کو اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ یہ کہہ کر کہ بچہ یہاں تمہیں تنگ کرے گا۔ میں اسے رکھ لوں گی۔

معاذ چپ چاپ کھراساس اور بہو کا مکالمہ سنتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد رملی بھی آ کے موٹر میں بیٹھ گئی۔ جس وقت رملی اپنے میڈروم میں داخل ہوئی۔ اس کے ذہن پر کچھ باجی کا اداس مرجھایا ہوا اور رنجیدہ چہرہ تھا۔ لڑکیاں کتنی مجبور ہوتی ہیں وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ اور اب اسے سمجھ آ رہی تھی کہ شوہر کا گھراتی جلدی چھوڑ دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اور اولاد کتنی بڑی مجبوری ہوتی ہے۔ اور جب معاذ اس کے کمرے میں آیا۔ تو بے اختیار بولی۔

یہ جوشان بھائی ہیں نا؟ بڑے عجیب آدمی ہیں۔ معاذ نے حیران ہو کر رملی کی طرف دیکھا۔ تو جو کچھ شان بھائی نے ان دنوں کیا تھا۔ رملی نے سب کہہ سنایا۔ غالباً پہلی مرتبہ وہ معاذ سے بیویوں والے انداز میں کوئی ذاتی بات کہہ رہی تھی۔  
اور معاذ برابر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

ساری بات سنا کر آخر میں بولی۔

آخر اتنا غور کیوں ہے شان بھائی کو اپنے آپ پر۔ مرد کا خوبصورت ہونا ہی تو ایک خوبی نہیں۔

معاذ ذرا مسکرایا۔

رملی اپنے ہی فقرے سے چونک گئی۔ کب۔ کس وقت۔ کس نے یہ فقرہ اس کے ذہن میں ڈالا تھا۔؟ یہ فقرہ شاید اندر سے آگاہ تھا اور اس فقرے کو اندر آگاہنے کے لئے وہ کتنے مرحلوں سے گزری تھی۔ رملی نے خود ہی شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

سر جھکایا تو معاذ کے رویے پر غور کرنے لگی۔

معاذ تب سے خاموش تھا مگر اور ہی طرح خاموش تھا؟

کتنی باتوں کا احساس جاگا۔ وہ سر جھکا کے آنسو بہانے لگی۔ اسی وقت بے جی موجود ہو

تھامے ہوئے اندر آئیں۔

ہائے وہی تو پھر رو رہی ہے۔ انہوں نے قریب آ کے اسے چکارا۔ رات کے وقت نہیں روتے مرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(جو جیتے جی مر گئے ہوں بے جی۔ وہ رات کے وقت کیا کریں۔  
کہ رات ہی تو ادراک بن کر آتی ہے۔)

رملی سسکیاں لینے لگی۔ معاذ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

بے جی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

میں جانتی ہوں ماں کی کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ مگر پتر اب ان کے بغیر جینا سیکھ۔ اللہ بخشے بہت نیک تھی تیری ماں۔ پڑھ پڑھ کر اسے ثواب پہنچایا کرو۔ اولاد کی طرف سے یہی تحفہ وہاں کام آتا ہے۔ آنسو بہا کر اپنے آپ کو بیمار کر لوگی۔ اور انہیں تکلیف پہنچاؤ گی۔

روتے روتے رملی نے اپنا چہرہ اٹھایا۔ اور پھٹ پڑی۔

بے جی آپ میری ماں بن جائیے۔ بے جی آپ میری ماں بن جائیے۔

میں تیری ماں ہی ہوں پلگی۔ بے جی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

نہیں بے جی آپ میری غلطیاں معاف کرنے والی ماں بن جائیے۔ میں نے آپ کو کبھی نہیں بتایا کہ میں کیا کیا غلطیاں کرتی ہوں۔ کیا کیا بے ہودگیاں کرتی ہوں۔ اب میری ماں نہیں رہی۔ اب کون مجھے معاف کرے گا۔ آپ۔۔۔۔۔ آپ میری ماں بن کے میری ہر غلطی کو معاف کر دیا کریں۔

معافیاں بتا کر نہیں دی جاتیں بیٹی۔ بزرگوں کا کام چھوٹوں کو معاف کرنا ہے۔

اور بزرگ چپ چاپ یہ سب کرتے رہتے ہیں۔ آج کے بعد تو میری بیٹی ہی ہے۔ یہ کہہ کر بے جی نے رملی کو گلے سے لگا لیا۔

رملی نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور آ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ معاذ بڑے انہماک سے اپنا کام کر رہا تھا اور دھیمی موسیقی کمرے میں زندگی کا حساس دلا رہی تھی۔

رملی کو دیکھا تو معاذ نے پنسل ہاتھ سے رکھ دی۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کے موسیقی بند کر دی۔

رملی عام طور پر کام کے دوران معاذ کی سٹڈی میں نہیں آیا کرتی تھی۔ آج اس کو یوں آتے دیکھا تو معاذ فکر مند سا ہو گیا۔

رملی آ تو گئی۔ مگر آ کر ٹھٹک گئی۔ اس کا ارادہ بھی اندر آنے کا نہیں تھا۔ پتہ

نہیں کون سی طاقت اسے کھینچ کر اندر لے آئی تھی۔ کتنے دنوں سے یہ ہو رہا تھا۔ وہ رات کے تک

بستر پر لیٹی ملکی ملکی موسیقی کی آوازیں سنتی رہتی اور کروٹیں بدلتی رہتی۔ زندگی کے ورق

اتنی جلدی پلٹ رہے تھے۔ کہ ایک پل بھی سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اب جب زندگی میں ایک

بار پھر ٹھہراؤ آ گیا تھا تو اچانک اسے اندازہ ہوا۔ انجانے میں جیون کی راہیں بدل گئی تھیں۔ گو

ساتھی نہیں بدلے تھے۔ جب رملی کو بے ہوشی کے دورے پڑنے شروع ہوئے تھے۔ معاذ نے اپنا

بستر سٹڈی میں لگا لیا تھا۔ وہیں سے راتوں کو اٹھ کر رملی کو دیکھا کرتا تھا۔ یوں تو وہ ہمیشہ سے

رات گئے تک اپنی سٹڈی میں بیٹھ کر کام کرنے کا عادی تھا۔ مگر وہ اپنی راتیں بھی وہیں بسر کرنے

لگے گا۔ رملی نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

جن دنوں امی جان فوت ہوئیں۔ وہ ماڈل ٹاؤن آتی جاتی رہی۔ ابا جی شدید بیمار رہے۔

عجیب طرح زندگی کے ورق بکھرے رہے۔

چاروں طرف سوائے پریشانیوں کے کچھ نہ تھا۔ اس لئے اسے معاذ کے رویے پر غور کرنے

کا موقع ہی نہ ملا۔ مگر معاذ کے رویے میں کوئی غیر معمولی تبدیلی آتی تو وہ غور بھی کرتی۔ وہ ہمیشہ کی

طرح مستعد مشفق اور نرم خوتھا۔ امی جان کی فوتگی پر اس نے اس کے منبے والوں کی جس طرح

دلہدی کی تھی اور ابا جی کو جس طرح سہارا دیا تھا۔ سارا زمانہ عیش عیش کر رہا تھا۔ روز ایک ڈاکٹر لے کر

جاتا۔ رات گئے تک وہاں بیٹھا رہتا۔ جب رملی میکے جانا چاہتی۔ فوراً لے کر پہنچ جاتا۔ اس کی بہنوں کی بے حد عزت کرتا۔ اب تو رملی کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ اب وہ انسانوں کا فرق جان چکی تھی۔ اب وہ معاذ کی منفرد طبیعت کو سمجھ رہی تھی۔ اب اسے پتہ چل رہا تھا کہ مرد مرد میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مگر اس ادراک کی تہہ میں ایک خلش بھی تھی۔ آخر کچھ جاننے کے لئے کچھ لٹانا کیوں ضروری ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر شے کی کوئی قیمت کیوں ہے۔

کئی راتوں سے وہ سکون سے نہیں سو سکی تھی۔ اس کی زندگی میں جو تبدیلی آگئی تھی اس کا بری طرح سے احساس ہو رہا تھا۔ کئی راتوں سے اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ معاذ کے کمرے میں جائے۔ جھانک کر دیکھے وہ کیا کر رہا ہے۔ اس کے اس رویے کی وجہ جانے۔ مگر ہر بار شرم اس کے قدم پکڑ لیتی۔ وہ تو اپنے آپ کبھی اس کے کمرے میں نہیں جایا کرتی تھی۔ اب وہ کیا کہے گا؟

اور پھر کس برتے پر جائے۔

لیکن آج جانے کس جذبے کے تحت اٹھی۔ اور ایک دم دروازہ کھول کے اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ معاذ نے جب موسیقی بند کر کے استفسار انداز میں اس کی جانب دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ جو کچھ سوچ کر آئی تھی ذہن سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر معاذ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب وہ کچھ نہیں بولی۔ تو پھر خود ہی پوچھا۔

خیریت۔

جی۔ رملی شرمندہ سی ہو گئی۔

بہت دیر ہو گئی آپ کو کام کرتے ہوئے۔ چائے یا کافی کی ضرورت ہو تو لا دوں۔

معاذ زور سے ہنس پڑا۔

بہت دن ہو گئے مجھے اس طرح کام کرتے ہوئے۔ تم نے پہلے کبھی چائے یا کافی کا نہیں

پوچھا تھا؟

رملی اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ معاذ نے بالکل سادگی سے یہ بات پوچھی تھی۔ مگر رملی کو نہ

جانے کیوں یہ سب طنز لگا۔

اسے چپ دیکھ کر معاذ خود ہی بولا۔

نہیں رملی تمہارا شکریہ۔ میں کام کرتے وقت کچھ بھی کھانا پینا پسند نہیں کرتا۔

کس قدر کھر در انداز تھا۔ شکر یہ ادا کرنے کا۔ اس انداز میں نرمی غیر تھی رملی دکھ کے

اندھیرے میں اترتی گئی۔ مگر نہ جانے کیوں وہیں کھڑی رہی۔ وہاں کھڑے ہونے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اور جو بات کہنے آئی تھی۔ باوجود کوشش کے کہی نہ جا رہی تھی۔ معاذ سر جھکا کے کام کرنے لگا اور وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کمرے میں ہمیشہ ایک دیوان پڑا رہتا تھا۔ جس پر لیٹ کر کبھی کبھار معاذ مطالعہ کرتا تھا۔ اب اسی دیوان پر معاذ نے اپنا بستر لگا رکھا تھا۔

رملی اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی۔ اتنی ہمت کر کے آ تو گئی تھی۔ مگر آگے بات نہیں چلائی۔ جا رہی تھی۔ اگر ان دو سالوں میں معاذ سے کھل کر بولنے اور لڑنے کی عادت پڑ جاتی تو کم از کم اس وقت لڑ کر ہی دل کی بھڑاس نکال لیتی۔ مگر اسے تو لڑنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔ اور لڑتی بھی تو کیسے؟ معاذ تو لڑائی کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔

کافی دیر بعد جب معاذ نے سر اٹھایا تو وہ وہیں دروازے پر جی تھی۔ معاذ کے کچھ پوچھنے سے پہلے بولنا چاہا۔

آپ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ وہ ہٹکائی۔۔۔۔۔ آپ اب اس کمرے میں سویا کریں گے؟

ہاں۔۔۔۔۔ معاذ نے سر جھکا لیا۔ آج کل کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔

پہلے بھی جب کام زیادہ ہوتا تھا۔ آپ کام ختم کر کے ادھر آ جاتے تھے۔

معاذ نے اپنی تیز نظریں رملی کے چہرے پر گاڑ دیں اور ایک ٹک اسے دیکھنے لگا وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

معاذ تھوڑی دیر تک اسے اس انداز میں دیکھتا رہا۔ اسے اس چہرے میں کوئی تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ ہنس کر بولا۔

پہلے مجھے بہت سی باتوں کا پتہ نہیں تھا۔

رملی کا دل دھڑکنے لگا۔ معاذ سر جھکا کے پھر سے لکیریں کھینچنے لگا۔ رملی دلیز پکڑے کھڑی رہ گئی۔

آپ۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہمت کر کے بولی آپ۔۔۔۔۔ مجھ سے ابھی تک خفا ہیں۔

نہیں۔۔۔۔۔ معاذ نے اپنا سر پھر اٹھایا۔ خفا نہیں ہوں رملی۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں سے

ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ ابھی تمہاری عمر کیا ہے۔ رفتہ رفتہ زندگی کو سمجھ جاؤ گی۔

میں تمہیں زندگی کو سمجھنے کا وقت دینا چاہتا ہوں۔ میں جلد باز آدمی نہیں ہوں۔ مگر۔۔۔۔۔ وہ

ذرا رکا۔ پھر گویا ہوا۔ یہ جان کر کہ تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو۔ میں تمہارے قریب نہیں آنا چاہتا۔ خواہ

خواہ تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ جتنا تنگ کیا وہ لا علمی میں کیا۔

رملی کے گلے میں پھر ایک گولاسا لٹک گیا۔ اس نے بے اختیار ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

اگر گلے میں گرداب بن جائے تو آنکھوں میں بے اختیار پانی امنڈ آتا ہے۔ یہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ وہ دروازہ پکڑے کھڑی رہی۔

کہنا چاہتی تھی۔  
مجھے عقل کی لاشی تھما کے خود انجان بننا چاہتے ہو۔ بے نیاز بننے کی کوشش کر رہے ہو۔

(بے نیاز اور انجان تو تو بھی بنی رہی رملی)۔  
مگر اس کے ہاتھ لرزتے رہے۔ رنگ اڑتا رہا۔ دل دھڑکتا رہا۔ اور وہ دروازہ پکڑے کھڑی

رہی۔  
دو صورتیں اس کے سامنے تھیں۔ آگے بڑھ کے میز کے اوپر بیٹھ جاتی۔ اس کے گھنے بالوں والا جھکا ہوا سر بالوں سے پکڑ کے اٹھا دیتی۔ اور بے اختیار اسے اپنے کلیجے سے لگا لیتی۔ اور کہتی  
محبت کرنے کے انداز مجھے نہیں آتے تھے۔

انسانوں کی شناخت مجھے نہیں تھی۔  
اور بعض دفعہ بینائی درست کرنے کے لئے ایک آپریشن کی ضرورت ہوتی ہے۔  
یا پھر آگے بڑھ کے اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیتی۔ اور کہتی

عورت کی زبان نہیں ہوتی۔  
عورت کسی زبان میں اظہار محبت نہیں کر سکتی۔

عورت ساری زندگی جس مرد کے لئے مرنی جیتی رہتی ہے۔  
زمانے کے ستم سہتی ہے۔ اس سے ساری زندگی یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ  
اس سے محبت کرتی ہے۔ عورت کے محبت کرنے کے انداز مبہم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

آنسوؤں کی رم جھم میں مسکراتے رہنا اور بھری بہار میں اپنا دل چیر کے رکھ دینا عورت کی  
محبت کے ادنیٰ سے انداز میں۔

یہی تو اس کی ریت ہے۔

بہت دکھی ہو تو رو پڑتی ہے۔

بہت خوش ہو تو اپنا آپ پیش کرتی ہے۔

تم تیار ہو دو ہنسی۔

بے جی نے آ کے رملی کے کمرے میں جھانکا۔

جی بے جی۔

رملی موجود کے کپڑوں کی ٹوکری اٹھا کر باہر آ گئی۔ بے جی نے سارا سامان برآمدے میں  
رکھ چھوڑا تھا۔ اسی وقت موٹر پورچ میں کھڑی کر کے معاذ باہر نکل آیا اور نوکر کی مدد سے سامان ڈگی  
میں رکھنے لگا۔

آج رملی بے جی اور معاذ کے ساتھ پہلی بار ان کے گاؤں جا رہی تھی۔ اس نے بے جی  
سے ان کے گاؤں کے بہت قصبے سن رکھے تھے۔ ایک آدھ بار معاذ بھی بے جی کے ساتھ گاؤں گیا  
تھا۔ مگر رملی کو تو نہ ان کے ساتھ جانے کا شوق تھا اور نہ گاؤں دیکھنے کا۔ پچھلے ہفتے بے  
جی نے رملی کو بتایا کہ ان کا ایک ہی بھائی ہے اور اس کے بیٹے کی شادی پر انہوں نے گاؤں جانا  
ہے۔ تو رملی بھی تیار ہو گئی۔ کہنے لگی۔ بے جی مجھے آپ کے گاؤں جانے کا بہت شوق ہے۔ پلیز  
مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔

معاذ نے سنا تو اس سے آ کر کہنے لگا۔

رملی تم گاؤں میں رہ لوگی۔

رملی نے بڑی شفقت سے نظر اٹھائی اور مسکرا کر بولی۔ کیوں نہ رہ لوں گی۔  
گاؤں میں کیا ہوتا ہے۔

گاؤں میں شہری سہولتیں نہیں ہوتیں۔

مگر وہاں بے جی اور آپ تو ہوں گے۔

کہنے کو تو رملی نے کہہ دیا۔ مگر ایک دم اس کا منہ سرخ ہو گیا۔ پھر جلدی سے بولی۔ ہم کون سا  
ساری عمر رہنے کے لئے جا رہے ہیں۔ چند دنوں کی تو بات ہے۔

مڑے اسے نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ادھر ادھر ہو گئے۔ بلکہ دبک گئے۔ معاذ تیز قدم

دھوتیوں والے، شلواریوں والے۔ سافے بندھے ہوئے، بے باک منہ پھٹ اور اجڑا جسم

ایک دم رملی کے دل میں پرانے درد جمع ہونے لگے۔  
ٹھیک ہی تو ہوا تھا اس کے ساتھ \_\_\_\_\_ اگر بیوی شوہر کو شوہر نہ جانے تو ہر بدینیت  
قریب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی کی عزت کی حفاظت کوئی اور کیوں کرے؟ اور  
عورت اتنی ہلکی کیوں ہو جائے کہ جو بھی چاہے ہاتھ بڑھا کر اٹھالے \_\_\_\_\_  
رملی واپس آ کر موٹر میں بیٹھ گئی۔

اس کے دل پر انجانی اداسیوں کا مینہ برسنے لگا۔ اداسیوں میں پچھتاوے بھی شامل تھے۔  
چار گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد حبیب نگر کی حدود شروع ہو گئیں۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت اور  
چمکی پگڈنڈیاں دیکھ کر رملی کی طبیعت ایک دم بتاش ہو گئی۔ سامنے ایک بورڈ پر بڑے بڑے  
حروف میں لکھا تھا۔ حبیب نگر۔

بے جی \_\_\_\_\_ رملی نے اک دم سر موڑ کر پوچھا۔  
اس گاؤں کا نام بہت خوبصورت ہے۔ کس نے رکھا تھا یہ نام \_\_\_\_\_؟  
بے جی صرف مسکرائیں۔ مگر جواب معاذ نے دیا۔ بڑی نرم آواز میں بولا۔

یہ نام ہمارے والد بزرگوار نے رکھا تھا \_\_\_\_\_  
اس نے ایک کچا موٹر گاڑا تو ساری دھول اڑ کے موٹر کا طواف کرنے لگی۔ ذرا آگے موٹر نکال  
کے وہ پھر بولا۔ ہمارے والد صاحب بڑے رومانٹک آدمی تھے۔ یہ گاؤں انہوں نے خود آباد کیا  
تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ زرا جنگل تھا۔ تمہیں معلوم ہے۔ بے جی کا نام حبیب ہے \_\_\_\_\_؟  
معاذ نے رملی کی طرف دیکھ کر کہا۔

اچھا اچھا \_\_\_\_\_ رملی کو جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ بے جی نے شرما کر سر جھکا لیا۔  
ہمارے ابا جی نے شادی کے بعد یہ گاؤں آباد کیا۔ اور اس کا نام حبیب نگر رکھ کر بے جی کو  
تحفے میں دے دیا تھا۔

رملی نے مڑ کر دیکھا۔ بے جی کا چہرہ ایک دم بچھ گیا تھا۔ ماضی کی یادوں نے شاید ان پر  
یلغار کر دی تھی۔ وہ بڑی حسرت سے موٹر سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بھی آنکھوں میں ننھے ننھے  
ستارے ٹٹمارہے تھے \_\_\_\_\_ معوذہ دہ بی کے ان کی گود میں سو گیا تھا۔ پھر ایک بو جھل سی  
خاموشی چھا گئی۔ جیسے توڑنے کی کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔

اسی وقت آسمان پر اچانک کالے کالے اور میالے بادل نمودار ہوئے۔ سورج پردے میں

اٹھاتا اس کے برابر آ گیا۔ رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ چلچلاتی دھوپ میں ننگے سر جا رہی تھی اور  
اچانک ایک ٹھنڈا میٹھا سا سناں اس کے سر پر آ گیا ہے۔ معاذ نے ابھی تک کالی عینک لگائی ہوئی  
تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا چہرہ تمنا یا ہوا تھا۔ وہ کالا کلونا آدمی جسے اس نے کبھی قابل التفات نہ  
جانتا تھا۔ اس کے ساتھ قدم ملا کے چلنے لگا۔ تو زمانے کی ہوسناک نگاہیں پیچھے ہٹ گئیں۔ معاذ کے  
چہرے پر سختی تھی۔ اس کے قدموں میں وزن تھا۔ وہ اس کے پہلو میں ایسے چل رہا تھا۔ جیسے کسی  
عورت کا مالک چلتا ہے۔ سارے مالکانہ غرور کے ساتھ کہ دیکھو یہ میری عزت ہے۔ اور میں اس کی  
حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔  
رملی بے خوف ہو گئی۔

شوہر آسمان ہوتا ہے بیوی زمین ہوتی ہے۔ ہر زمین کا ایک آسمان ہوتا ہے۔ اور کوئی زمین  
آسمان کے بغیر نہیں ہے۔ زمین و آسمان کا جنم کا ناتا ہے۔ زمین و آسمان کا نام ساتھ ساتھ آتا  
ہے۔ زمین جب نرم اور بھری بھری ہو جاتی ہے تو آسمان اس پر جھک آتا ہے۔ کیا آسمان کی  
حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے \_\_\_\_\_؟

رملی نے معوذے کے کپڑے اتار کر اسے کھڑا کر دیا تو معاذ دوسری طرف سے آ کر ہینڈ پمپ  
چلانے لگا۔ اس وقت وہ صرف ایک باپ تھا۔ ایک عورت کا شوہر تھا۔ اس کے چہرے سے بالکل  
یہ ظاہر نہ ہو رہا تھا کہ وہ ایک ذہین و فطین بہت بڑا افسر ہے اور کئی لوگ دن میں اسے کئی بار سلام  
کرتے ہیں۔

رملی نے معوذ کی ٹانگیں اچھی طرح دھو کر اسے تولیے میں لپیٹا اور معاذ کی طرف بڑھا دیا۔  
معاذ نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ اور پھر اس کے گیلے گیلے منہ پر بے اختیار پیار کر لیا۔ عجیب چیز ہے یہ  
بچہ بھی \_\_\_\_\_

انسانوں کو انسان بنائے رکھنے کا ایک سبب \_\_\_\_\_  
معاذ موجد کو لے کر موٹر کی طرف چلا گیا۔ اور رملی نے بہتر سمجھا کہ اس کا گندہ نیپکن دھو کر  
ہی جائے۔ اس لئے وہ ایک ہاتھ سے ٹل چلائی رہی اور دوسرے ہاتھ سے دھوتی رہی \_\_\_\_\_  
اور عجیب بات یہ ہوئی کہ کسی بھی واہیات مرد نے ادھر ادھر سے آ کر نہ اسے جھانکا نہ اس پر آوازہ  
کسا \_\_\_\_\_ چند قدم اس کے ساتھ چل کر معاذ انہیں بتا گیا تھا کہ اس عورت کا میں کون ہوں  
\_\_\_\_\_؟

آ گیا۔ اور سارا ماحول شرمیلا شرمیلا ہو گیا۔ عین دوپہر کے وقت سورج کے چھپ جانے سے سارا ماحول اچانک شرمیلا شرمیلا ہو جائے تو سرکش تمنائیں جاگ اٹھتی ہیں اندر کی آرزو بیدار ہوتی ہے۔

اب موٹر کھیتوں کے پتوں بیچ کچی سڑک پر جا رہی تھی۔ اس لئے دھچکے زیادہ لگ رہے تھے۔ رملی نے ماحول کو محسوس کر کے چہرہ گھما کے معاذ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح کالی عینک لگائے موٹر چلا رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی فولادی آدمی ہے۔ اور اس کے دل میں جذبات نہیں بس ایک کمپیوٹر ہو چکا ہے۔

رملی پلکیں جھپکے بغیر معاذ کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پہلے وہ جان بوجھ کر معاذ کے چہرے پر نظریں نہ ڈالتی تھی۔ مگر اب \_\_\_\_\_ جب اس نے یاد رکھا کہ چہرہ غور سے دیکھ لیا تھا۔ اور شان بھائی کے اندر جھانک لیا تھا۔ دن میں کئی بار معاذ کے چہرے کو غور سے دیکھا کرتی تھی۔ غور سے دیکھتی اور سوچتی۔ آخر کیا تھا اس چہرے میں جو وہ ہمیشہ اس چہرے سے نفرت کرتی رہی۔ یہ ضرور ہے کہ معاذ کا رنگ کالا تھا۔ مگر اب صبح و شام اس کو دیکھ کر وہ اتنی عادی ہو گئی تھی کہ معاذ کا رنگ اتنا کالا نہیں لگتا تھا۔ وہ سوچتی دنیا میں ایک حبشیوں کی قوم بھی ہے۔ کالا رنگ بھی تو خدا نے ہی بنایا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معاذ کے چہرے پر چچک کے داغ تھے۔ اب شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد۔ ذہنی اور جسمانی آسودگی نے اس کا چہرہ بھر دیا تھا۔ اب وہ کنوڑیاں اتنی نمایاں محسوس بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس کی آنکھیں رملی کو ہمیشہ وحشت زدہ لگا کرتی تھیں۔ مگر اس نے ان آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ معاذ کے پورے چہرے پر اس کی آنکھیں ہی تو بہت خوبصورت تھیں \_\_\_\_\_ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ وہ ان آنکھوں سے باتیں کرنے کا فن بھی جانتا تھا۔ بڑی متحرک، بڑی نوکدار \_\_\_\_\_ دل میں چھید کر دینے والی آنکھیں تھیں۔ ہونٹ موٹے تھے۔ مگر دانت بہت خوبصورت تھے۔ اوپر والے ذرا سے ابھرے ہوئے۔ ہنستا تو ایک دم اپنا سا لگتا۔ مضبوط اور بھر بھر اس جسم تھا۔ اور اسے ایک دم یاد کی اس دن کی جسارت یاد آگئی۔ اف جب یاد کرنے سے پکڑا تھا تو کیسے کچلے اور زنانے سے اس کے ہاتھ محسوس ہوئے تھے۔ ایک دم اسے ابکاٹی سی آگئی۔ اور بے اختیار اس نے معاذ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو اس وقت اسٹیرنگ پر تھے۔

کیا برائی تھی ان ہاتھوں میں \_\_\_\_\_ بس ذرا کالے تھے نا؟ مگر محبت کی گرمی سے چور تھے۔

پھر اسے اچانک پنڈی کا وہ سفر یاد آ گیا۔ جب معاذ اسے کسریٰ باجی کے ہاں چھوڑنے جا رہا تھا۔ جس وقت وہ لوگ جہلم کی حدود میں پہنچاڑیوں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ تو شام گہری ہو گئی تھی۔ سڑک کالی ہوئی تو معاذ نے آرام سے اپنا بازو رملی کے کندھے پر رکھ دیا۔ رملی کو بہت برا لگا۔ تڑپ کر بولی۔

یہ کیا کر رہے ہیں آپ \_\_\_\_\_؟ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا \_\_\_\_\_؟

کون دیکھے گا اس سڑک پر \_\_\_\_\_؟

دیکھیں نا کیسے خفیہ موٹر میں یہاں، اچانک کوئی موٹر یا ٹرک سامنے سے نکل کر آسکتے ہیں۔

تو آجائے ٹرک یا موٹر \_\_\_\_\_ لوگ یہی کہیں گے۔ کوئی پاگل آدمی ہے۔ ایک

خوبصورت لڑکی کو بھگائے لئے جا رہا ہے۔ اور سر راہ رنگ رلیاں منارہا ہے۔

یہ سوچنا کوئی اچھی بات ہے۔ رملی نے برامان کر کہا۔

میرے اوپر یہ الزام لگے۔ مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر وہ والہانہ انداز میں بولا بھلا دنیا

میں کوئی شخص اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے اس حد تک عشق کرتا ہے۔ مگر

میں نے تو سارا عشق ہی اپنی بیوی کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

رملی نے بے دلی سے اس کا بازو پکڑا اور کندھے سے ہٹا دیا۔

وہ دیکھیں ایک ٹرک آ رہا ہے۔

معاذ زور سے ہنسنے لگا۔

لڑکیاں واقعی اتنی ڈرپوک ہوتی ہیں؟

پھر مڑ کر دیوانوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

سامنے دیکھ کر چلائے۔ یہ بڑے خطرناک موٹر ہیں۔

میں بھی اس وقت بڑی خطرناک موٹر پر ہوں۔

معاذ نے پہاڑوں کا ایک نازک موڑ کاٹا۔ پھر اس کی ڈری سبھی صورت کو شام کی تاریکی

میں غور سے دیکھ کر بولا۔

پتہ ہے میرا جی اس وقت کیا چاہ رہا ہے؟

تمہیں بازو سے پکڑ کر سر پر منک کی طرح لادلوں اور دوڑ کر اس اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں

۔ پھر \_\_\_\_\_ وہ تھوڑا سا رکا \_\_\_\_\_ شرارت سے رملی کی طرف دیکھا اور مستی میں کہنے





وہ بالکل ایسی ہی شکل بنا کر رہا کرتی تھی۔ شاید اسے بھی کوئی دکھ ہے۔ رملی نے سوچا۔

پھر اس کا دل چاہا بڑھ کر اس سے دوستی کر لے۔

اسی وقت بے جی نے خفصہ کی طرف چہرہ کر کے پوچھا۔

اب تیرا جی ٹھیک ہے پتر۔ اب تو پڑھائی کا غم نہیں ستاتا۔

خفصہ نے چہرہ جھکا لیا۔

بے جی نے پھر کہنا شروع کر دیا۔

کیا کرنا تھا اتنا زیادہ پڑھ کے \_\_\_\_\_ آخر عورت کو گھر داری کرنا ہوتی ہے۔ اور

بچے پالنے ہوتے ہیں۔ یہی عورت کے اصلی کام ہیں۔

مگر بے جی \_\_\_\_\_ اس عورت نے چہرہ اٹھایا۔ وہ رورہی تھی۔

بس ڈاکٹر بننے میں میرے دو سال رہ گئے تھے۔ میں نے بہت محنت کی تھی۔ میری زندگی کی

آرزو تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں اور انسانیت کے کام آؤں \_\_\_\_\_

پتر انسانی بھلائی کے لئے تو آدمی کئی کام کر سکتا ہے۔ اور ہر عمر میں کر سکتا ہے۔

لیکن کیا حرج تھا بے جی اگر مجھے دو سال کی اور مہلت دے دی جاتی۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

یہ بچپن کے نکاح بڑے وابہات ہوتے ہیں۔ خفصہ روتی ہوئی بولی مراد نے صاف کہہ دیا۔

اگر میں نے پڑھائی نہ چھوڑی تو وہ نکاح توڑ دے گا۔ یہ ظلم نہیں بے جی۔ \_\_\_\_\_؟

اب اس طرح نہ سوچا کر \_\_\_\_\_ بے جی بولیں۔ اب تو ایک بچے والی ہو گئی ہے

خوش رہا کر۔

انسان کی ہر خواہش انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ تو ایسا کرنا اپنی لڑکی کو ڈاکٹر بنالینا۔

ہاں \_\_\_\_\_ وہ تڑپ کر بولی۔ اپنی بیٹی کے لئے تو مراد ابھی سے کہتے ہیں۔ اسے

اعلیٰ تعلیم دلو آؤں گا۔

بے جی کیا ہم کسی کی بیٹیاں نہیں ہوتیں \_\_\_\_\_؟

سب ایسے ہی چلتا ہے۔ بے جی نے اس کے سر پر ہاتھ بھیر کر کہا۔ کسی زمانے میں مجھے بھی

بہت خواہش تھی۔ ڈاکٹری پاس کرنے کی مگر میں تو سکول کی شکل ہی نہ دیکھ سکی تھی۔ لیکن بعد

میں میں نے اپنا یہ شوق اپنی بیٹی کی صورت میں پورا کر لیا۔ اب اپنی بیٹی کو ڈاکٹر کے ڈھوپ میں دیکھ

کراتا ہی جی خوش ہوتا ہے۔ جب تیری بیٹی بڑی ہو گئی تو دیکھنا تیرے شوہر کے خیالات کتنے بدل

چکے ہوں گے۔

ہاں میں جانتی ہوں۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر خفصہ پھر رونے لگی۔ میں کوئی ناچ گانے کی تربیت تو

نہیں لینا چاہتی تھی بے جی۔ \_\_\_\_\_ کوئی برا کام تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ صرف علم ہی حاصل

کرنا چاہتی تھی۔ نا؟ کیا علم کسی کو نقصان دیتا ہے۔؟

پتر حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا نام ہی علم ہے۔ ایک ایسی خواہش جو پوری نہ ہو سکی اس

کی خلش میں اپنی خوشیاں ختم کر دینا اور اپنے گھر کو جہنم بنائے رکھنا علم کی توہین ہے۔ ایک علم وہ بھی

ہے۔ جو انسان روزمرہ کی زندگی میں ہر روز حاصل کرتا ہے۔ دنیا میں اور بھی کروڑوں لوگ ہیں۔

جن کی دلی حسرتیں پوری نہ ہو سکیں مگر وہ بڑے کامیاب انسان بن کر ابھرے۔ \_\_\_\_\_

خفصہ دوپٹے سے اپنے بہتے ہوئے آنسو پوچھنے لگی۔ بے جی نے اس کی بیٹی زبیدہ کو پکڑ

کے اپنے گھٹنوں پر بٹھالیا۔ اسے چکارا اور بولیں۔

چپ کر جا۔ دیکھو تمہاری بیٹی ہمیں دیکھ کر بسور رہی ہے۔ اپنی ذہنی کیفیت اپنی بچی اور شوہر پر

ظاہر کر کے تم انھیں خوش نہیں رکھ سکتیں۔ خوش رہا کرو۔ وہ لوگ بڑے بد نصیب ہوتے ہیں۔ جو

جوانی تو ذرا ذرا سی بات کے لئے روتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اور بڑھاپے میں جوانی کی تمنا کر

تے ہیں۔

مریم تیرا کیا حال ہے؟ کیا تیری بیٹی کی سگائی ہو گئی۔؟

انہوں نے دوڑ بٹھی ہوئی عورت کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جی آپ کی دعا سے ہو گئی بے جی۔ \_\_\_\_\_؟

کب رخصتی ہے \_\_\_\_\_؟

جی اگلے ساون میں \_\_\_\_\_

اچھا اللہ مبارک کرے۔ شادی سے پہلے میرے پاس شہر آتا۔

آؤں گی جی۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

نہن تیری ساس کو آرام ہے؟

کہاں جی \_\_\_\_\_ نہن بسور کر بولی۔ اسی طرح وخت ڈالا ہوا ہے اس

نے \_\_\_\_\_؟

کرتی ہے۔ اپنی عقل سے عورت بدترین اور بگڑے ہوئے مرد کو بھی راہ راست پر لے آتی ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے کہ تم ایک عقل مند عورت ہو۔ شاباش \_\_\_\_\_ خوش خوش رہا کرو۔ اور مستقبل کے بارے میں اچھی باتیں سوچا کرو \_\_\_\_\_  
 نصفہ اٹھ کر چلی گئی تو کچھ اور عورتیں قریب آ گئیں۔ باتیں کرتے کرتے بے جی نے ایک دم نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا۔ وہ جمائیاں لے رہی تھی۔ بولیں۔  
 دوپٹی پتر تواب جا \_\_\_\_\_ سو جا جا کے \_\_\_\_\_ لباسفر کر کے آئی ہے۔  
 تھک گئی ہوگی۔

رملی نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

موجود تو میرے کمرے میں سو گیا ہے۔ تو اوپر چلی جا \_\_\_\_\_ شاید تمہارے بستر انہوں نے چھت پر لگا دیئے ہیں۔

درحقیقت رملی بہت تھک گئی تھی۔ مگر بے جی کی دلچسپ باتیں سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر اس کو یہ آس بھی تھی کہ معاذ بھی اندر آئے گا۔ اور اسے سولہ سنگھار میں دیکھ کر خوش ہوگا۔ لیکن وہ شاید باہر اس طرح مصروف ہو گیا تھا۔ جس طرح بے جی اندر عورتوں میں گھری بیٹھی تھیں۔

رملی سب کو خدا حافظ کہہ کر آ گئی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بے جی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔۔۔۔۔

عورت عقل ہے اور مرد علم ہے۔ عورت کے پاس عقل ہوتی ہے اسے عقل کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔۔۔۔۔

بے جی کسی کتب میں نہیں پڑھی تھیں۔ پرانے وقتوں کی گھریلو پڑھی لکھی خاتون تھیں مگر بے جی کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا تھا۔ شاید علم کا دوسرا نام تجربہ ہے۔ تجربہ ہمیشہ علم میں اضافہ کرتا ہے۔ شاید تجربے کے بغیر یہ زندگی اندھیرا کنواں ہے۔

تجھے کہا نہیں تھا۔ اسے لے کر شہر آ جاؤ۔ میں ہسپتال میں داخل کرادوں گی۔

اب جی یہ تو مردوں کے کام ہیں۔

صبح وحید سے بات کروں گی۔

بالی تو کیوں اتنی زرد ہو رہی ہے۔

انہوں نے ایک عورت سے پوچھا جو چادر میں اپنا آپ چھپائے بیٹھی تھی۔

عورت نے جواب نہیں دیا بس شرما کر سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

کیا بات ہے \_\_\_\_\_؟ بے جی نے ساتھ بیٹھی عورت کو اشارہ کیا۔

جی یہ پھر \_\_\_\_\_ دوسرے جی سے ہے \_\_\_\_\_

ہائے زینب۔۔۔۔۔ بے جی نے ہمدردی سے کہا۔ یہ ساتواں بچہ ہے۔

جی \_\_\_\_\_ وہی عورت بولی۔

زینب تیری صحت تباہ ہو گئی ہے۔ نہ رنگ روپ رہا اور نہ طاقت۔ پچھلی بار جب میں آئی

تھی۔ میں نے تجھے کہا تھا نا کہ شہر آ تا میں تیرا آپریشن کرادوں گی۔

جی سلطان مانتا ہی نہیں۔ زینب نے صبر اٹھا کر بڑے کرب سے کہا۔

ہائے ایک تو ان مردوں کو ان کی انا مارے ڈالتی ہے۔ چھوٹے کی کیا عمر ہے \_\_\_\_\_

جی دس مہینے کا ہے۔

بس تواب تو میرے ساتھ چلے گی۔ دیکھتی ہوں سلطان کیا کر لے گا۔ تیرے اندر طاقت نہ

رہی تو ان سات بچوں کو کیسے پالے گی؟

اسی طرح بے جی رفتہ رفتہ سب عورتوں سے ان کے نجی معاملات پوچھ پوچھ کر ان کو

مشورے دیتی رہیں۔ اور ہمدردی کا اظہار کرتی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد نصفہ نے جانے کی اجازت چاہی تو بے جی نے کہا۔

عورت کو اتنا زیادہ علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے پتر۔ عورت کے پاس عقل ہوتی

ہے اسے عقل کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ زیادہ علم تکلیف دیتا ہے۔

میری بات یاد رکھو۔ عورت عقل ہے اور مرد علم ہے۔ مرد زندگی کے سارے فیصلے اپنے علم

کے زور پر کرتا ہے۔ اور عورت اپنی ساری زندگی عقل کے ساتھ گزارتی ہے۔

علم اور عقل مل کر ازدواجی زندگی کو خوشگوار بناتے ہیں۔ جہاں علم کام نہیں کرتا وہاں عقل کام

نہیں یہ تو محض فریب نظر تھا۔ چاند اپنی جگہ پر ساکت تھا۔ سیاہ بدلیاں ادھر ادھر تیر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ایک بدلی مستی بھری ادا کے ساتھ آگے بڑھی اور چاند کو اپنی آغوش میں ڈھک لیا۔ کالی بدلی کی آغوش میں دیکا ہوا چاند بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ جیسے کسی حسینہ نے کالے دوپٹے سے گھونگھٹ کاڑھ لیا ہو۔ شاید چاند کی برسات کے لئے سیاہ بدلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پتہ نہیں سوتیا کی خوشبو کہاں سے آئے اس کے پاس ٹھہر گئی تھی۔ گاؤں کی کچی منڈیریں سرگوشیاں سننے کی تمنا میں سانس روک کے کھڑی تھیں۔ دور سے مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی جانور کی آواز ان آوازوں کے ساتھ مل کر ماحول کو بہت قدرتی اور بہت پر اسرار بنا رہی تھی۔

گاؤں کی ایک ایک اپنی خوشبو ہوتی ہے۔ جو آدھی رات کو کچے اور خوابیدہ گھروں سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جاتی ہے۔ یہ خوشبو زندگی سے قریب ہوتی ہے۔ اس لئے زندگی کو بھڑکا دیتی ہے۔ اس خوشبو میں زندگی کے سارے اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں۔ کھلے آسمان تلے لیٹی ہوئی رملی نے اپنے دل میں ایک عجیب سادہ محسوس کیا اور مڑ کر معاذ کی طرف دیکھا جو اس کی طرف پیٹھ موڑے بے سدھ سو رہا تھا۔ اس کے گھنے بالوں کی گجٹلک ٹوکری اس کی گردن تک ڈھلک آئی تھی۔ اور وہ اپنے بالوں کی گچھا میں گم \_\_\_\_\_ جانے کن بادلوں میں تیر رہا تھا۔ رملی کے دل میں اس کی گردن پر انگلیاں پھیرنے کی شدید تمنا جاگی ان بالوں میں اپنا تنفس گم کر دینے اور پھر زندگی بھر نہ ڈھونڈنے کو دل چاہا۔

رملی کا دل چاہا وہ اسے جھنجھوڑ کر جگا دے۔ اور پھر اس سے کہے میں نے چاند کو جی بھر کر دیکھ لیا ہے۔ اس میں بھی داغ ہے۔ اس میں کیا ہے کہ لوگ اس پر مرتے ہیں۔ اور ان کو چاند کا داغ نظر نہیں آتا۔

میں نے تمہارے چہرے کے داغ بھی جی کے بھر کے دیکھے ہیں۔ اور ان کے اندر جو روشنی ہے وہ بھی مجھے نظر آگئی ہے۔ پھر کیوں مجھ سے منہ موڑے سو رہے ہو \_\_\_\_\_؟

یہ سوچتے ہی رملی کے دل میں ہوک اٹھی اور وہ زار و قطار رونے لگی۔ اور روتے روتے اسے بھول گیا کہ وہ کھلی چھت پر لیٹی ہے۔

اس کی چٹکیاں سن کر معاذ ایک دم جاگ گیا۔ پھر پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اٹھ کر اس طرف آ یا اور بولا۔

رملی چھت پر آگئی۔ اوپر موٹے رنگین پایوں والے دو پلنگ لگے ہوئے تھے۔ جن پر کھڑی کے بنے ہوئے خوبصورت کھیس بچھے ہوئے تھے۔ اور یہ دیکھ کر رملی کو سخت حیرت ہوئی کہ معاذ نہ جانے کب آ کر گہری نیند سو گیا تھا۔

کسی گاؤں کی کچی منڈیروں والی چھت پر رملی کے سونے کا یہ پہلا موقع تھا اس نے چھت پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ آسمان پر تیرھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ کھلا آسمان اس قدر خوبصورت ہوتا ہے۔ اور کھلے آسمان پر چاند کی یہ شان ہوتی ہے۔ بڑے شہر میں رہنے والی رملی نے پہلی مرتبہ محسوس کیا۔ جگمگاتے چاند کی اوٹ سے آسمان کو دیکھا تو دور و نزدیک کالی کالی بدلیاں ڈھیر کی صورت پڑی تھیں۔ جن میں سے شریں ستارے داغوں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس وقت اس نے سوئے ہوئے معاذ کو غور سے دیکھا۔ سفید وائل کے کڑکڑاتے کرتے اور چار خانے والے تہمند میں وہ بے سدھ سو رہا تھا۔ اس نے اوپر آ کر رملی کو بلایا نہیں تھا۔ کھلی ہوا اور چاندنی نے اسے گدگدایا نہیں تھا۔ وہ رات کو کبھی بیگانہ بن کے سونے کا عادی نہیں تھا۔ رملی کا دل چاہا وہ آرام سے جا کر معاذ کے بستر پر بیٹھ جائے اور ٹھنڈی ہوا کے ساتھ مل کے اس کے گھنے خوبصورت بالوں کو منتشر کر دے۔

مگر وہ جلدی سے اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اور تکیہ اٹھا کے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ چاند کی روشنی اتنی واضح تھی کہ اس نے تکیے پر کڑھا ہوا شعر بھی صاف پڑھ لیا۔ لکھا تھا \_\_\_\_\_

تجھ پہ اے تکیے میں کیا تکیہ کروں

مجھ کو تکیہ ہے خدا کی ذات پر

ارد گرد خوب چڑیاں طوطے بنے ہوئے تھے۔ تکیہ وزنی بھی کافی تھا۔ تھوڑی دیر وہ تکیے پر

ہاتھ پھیرتی رہی پھر چت لیٹ گئی۔

چاند چلتا چلتا بادلوں میں آ گیا۔



میں کچھ کام ضروری ہیں۔ مگر اپنے گھر میں بے جی کے بغیر رہنے کے خیال سے ہی رملی کو ہول اٹھ رہے تھے۔ بے جی اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہو گئیں تھیں کہ وہ ایک دن بھی ان کے بغیر رہنے کا نہ سوچ سکتی تھی۔ لیکن جب گھر آئی اور آ کے گھر کو سنبھالا تو سارے کس بل نکل گئے۔

پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اسے گھر داری کرتے ہوئے۔ اس ایک مہینے میں اسے احساس ہوا۔ ذمہ داری کیا ہوتی ہے۔ صبح اٹھ کر پہلے معاذ کے لیے ناشتہ بناتی اور اسے دفتر روانہ کر دیتی۔ اتنے میں معوذ اٹھ کر آ جاتا۔ اس کے ننھے ننھے کام کرتے ہوئے وہ سوچتی دوپہر کو کیا کچے گا۔ رات کے کھانے میں کیا ہونا چاہیے۔

یوں تو وہ پچھلے کئی ماہ سے دبکھتی آ رہی تھی کہ بے جی کیا کچھ پکاتی ہیں۔ اور کس طرح سے دیتی ہیں۔ لیکن جب سب کچھ کرنا پڑا تو اسے بہت مشکل لگا۔ مثلاً یہی کہ آج کیا کچے گا۔ وہی گوشت سبزی وہی دال بھاجی۔ جو انسان روزمرہ کھانے کے عادی ہیں مگر اس میں بھی ہر روز تنوع پیدا کرنا۔ بے جی اکثر کہا کرتیں۔

اچھی گرہستن وہ ہوتی ہے۔ جو اسی گوشت سبزی کو ہر روز نئے سلیقے سے پیش کرے ایک ہی چیز ہر روز کھا کھا کر گھر کے مردا کتا جاتے ہیں۔

رملی کو ہر روز سوچنا پڑتا کون سی چیز کس طرح پکائے۔ اس گھر میں ایک نوکرائی بھی تھی جو صبح شام آتی تھی۔ برتن مانجھ دیتی یا آٹا گوندھ کے پھلکے بنا دیتی۔ باقی سارا کام بے جی خود کرتی تھیں۔ یہ کام رملی کو کرنا پڑا تو اسے احساس ہوا بڑھاپے میں بے جی اتنا کام کیسے کر لیتی تھیں اور تو اور صبح اٹھ کر دودھ بھی بلو لیتی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے شہر میں ایک بھینس رکھ چھوڑی تھی رملی نے بہت کوشش کی مگر اسے دودھ بلوانا نہ آیا۔ اس کام کے لئے وہ نوکرائی کا انتظار کیا کرتی۔ دوپہر کا کھانا معاذ کے دفتر جایا کرتا تھا۔ اس کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ شام کی چائے وہ گھر آ کر پیتا تھا۔ اور رات کے کھانے پر کبھی کبھی دوست کو بھی بٹھالیتا تھا۔ ایک صرف کھانا پکانا ہی تو کام نہیں ہوتا۔ رملی کو احساس ہونے لگا کہ ایک ہنستے بستے گھر کے پیچھے ایک مکمل عورت ہوتی ہے۔ مرد تو گھروں میں مہمان خصوصی کی مانند رہتے ہیں۔ دن چڑھے نکل گئے اور ایک خاص وقت پر واپس آ گئے۔ گھر کو صاف ستھرا رکھنا۔ چادریں اور تکیے کے غلاف بدلنا۔ باقاعدگی سے ہر ہفتے دھو بی کو کپڑے دینا۔ سودا سلف منگوانا۔ آنے جانے والوں کی تواضع کرنا۔ تقریبات میں جانا بچوں کے ساتھ راتوں کو جاگنا۔ دن کو انہیں اسکول چھوڑنے جانا۔ ہر وقت گھر کا دھیان رکھنا۔ ہر وقت یہ

معاذ صرف تین دن کی چھٹی لے کر آیا تھا۔ اور ان تین دنوں میں اس نے گاؤں کے بہت سے بکھیرے نمٹائے تھے۔ صبح ان لوگوں نے واپس جانا تھا۔ مگر بے جی نے آ کر کہا

میں ابھی تم لوگوں کے ساتھ نہ جاسکوں گی۔

کیوں بے جی۔ رملی پریشان سی ہو گئی۔

پتر یہاں میری عدم موجودگی میں بہت سے کام خراب ہو گئے ہیں۔ پہلے میں ہر چھ ماہ کے بعد آ کر یہاں کچھ دن رہا کرتی تھی۔ پچھلے دو تین سالوں سے میں شہر میں ہی مصروف ہو گئی ہوں۔ اب کچھ دن یہاں رہ کر سب کام ٹھیک کرنا چاہتی ہوں۔

بے جی آپ کتنے دن بعد آ جائیں گی۔

پتر آ جاؤں گی جب کام ختم ہو جائیں گے۔ تم معاذ کے ساتھ اپنے گھر جاؤ۔۔۔۔۔

مگر ہم وہاں اکیلے کیسے رہیں گے۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

ماشاء اللہ تم تین افراد ہو۔ اکیلے کیسے ہو۔۔۔۔۔!

بے جی۔۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔۔ آپ کے بغیر رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

لپگی ! بے جی نے اسے سینے سے لگا لیا۔ بڈھوں کے ساتھ اتنا دل نہیں لگاتے۔ وہ تیرا گھر

ہے۔ اللہ اسے آباد رکھے۔ میں بھی آ جاؤں گی۔

لیکن معوذ کیسے رہے گا۔ آپ کے بغیر بے جی۔ رملی نے آخری پتہ پھینکا۔

اسے میں یہاں رکھ دوں۔ مگر مجھے شاید زیادہ دن لگ جائیں۔ پھر یہ اپنے باپ کے لئے

اداس ہو جائے گا۔ اس لیے اسے ساتھ ہی لے جاؤ۔

رملی نے بہت زور لگایا۔ مگر بے جی وہیں گاؤں میں رک گئیں۔ رملی جانتی تھی کہ گاؤں

کبھی اس کی شکل و صورت کے بارے میں نہ سوچتی۔ زندگی تو ہر قسم کے معمول کی عادی ہو جاتی ہے اور زندگی کو بھلا نا کون سا مشکل ہے؟

اندر ہی اندر سے وہ تنہا کرتی کہ بے جی جلدی سے آ جائیں اور سارے گھر کو سنبھال لیں۔ وہ پہلے کی طرح ہلکی پھلکی ہو جائے اب اسے اندازہ ہوتا کہ لوگ بزرگوں کو گھر کی برکت کیوں کہتے ہیں۔ اور گھر میں کسی بزرگ ہستی کے ہونے کے کیا فائدے ہیں؟ اور لوگ بے جی سے مل کر اسے خوش قسمت کیوں کہتے تھے؟

ایک دن اس نے باتوں باتوں میں معاذ سے کہا بھی کہ وہ بے جی کو بلا لے۔ تو وہ بڑے سکون سے بولا۔

میں نے بے جی کو ان کی مرضی کے خلاف کبھی مجبور نہیں کیا۔ وہ جب جانا چاہیں انہیں بھیج دیتا ہوں اور جب تک خود بخود آنے پر آمادہ نہ ہوں میں بلاتا نہیں۔ جب ان کا دل چاہے گا وہ خود ہی آ جائیں گی۔

پھر مملی کو اپنے رویے پر خود ہی شرم بھی آئی تھی۔ وہ گھر کے کام کرنے کے لئے بے جی کو بلا رہی تھی۔ حالانکہ یہ ذمہ داریاں اس کی اپنی تھیں۔ اور جو سہولتیں اسے بے جی نے دے رکھی تھیں اور جتنا آرام اسے بے جی نے پہنچایا تھا۔ وہ کتنی عورتوں کے مقدر میں ہوتا ہے؟ اسے اپنے ماضی پر شرم آنے لگتی۔ اللہ نے اسے بے شمار نعمتیں دے رکھی تھیں سسرال میں پہنچ کر اسے کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ اسے ایک ذرا شوہر کی صورت اس کی پسندیدہ نہ تھی تو اس نے کتنے غلط قدم اٹھائے؟

کیا اس دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے؟

نہیں۔

جو لوگ یہ سوچتے ہیں وہ احمق ہیں۔ دنیا میں ہر خوشی اور ہر تنہا پوری نہیں ہوتی جو نصیبوں سے مل جاتا ہے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا نام ہی دنیا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا منصف ہے وہ اپنی نوازشیں برابر بانٹ دیتا ہے۔ کسی کو کچھ دیتا ہے کسی کو کچھ۔

مگر افسوس انسان کو دوسروں کی نعمت تو نظر آتی ہے۔ مگر اپنی صرف محرومی ہی نظر آتی ہے۔ مملی پر جب احساسِ ندامت حملہ کرتا تو وہ پھر تندہی سے گھر کے کاموں میں جت جاتی اپنے آپ کو اتنا زیادہ مصروف کر لیتی کہ ضمیر کے کچوکے اسے تنگ نہ کر سکیں۔

سوچنا گھر میں کوئی چیز ختم نہ ہو جائے۔ ہر وقت خدمت کے لیے تیار رہنا کتنے جان جو کھم کام تھے۔ معاذ بہت دوست نواز آدمی تھا۔ گھر میں بہت لوگ آتے تھے۔ بے جی سارا دن تواضع کرتی نہ تھکتیں۔ جتنے مہمان آتے رہتے۔ چائے کے ساتھ نئی نئی چیزیں بھیجتی رہتیں۔ شروع شروع میں مملی کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ دوسری بار ڈرائنگ روم میں چائے بھیجنا پڑتی تو وہ گھبرا جاتی۔ بار بار برتن دھونے پڑتے۔ بار بار ٹرائی لگانی پڑتی۔ بیچ میں موجود آگ کے تنگ کیا کرتا اور وہ جھلائے ہوئے انداز میں اس کو تھپڑ مار دیتی۔ پہلا ایک ہفتہ کٹھن تھا۔ اسے یوں لگتا وہ کسی امتحان میں پھنس گئی ہے۔ بے جی پتہ نہیں کس طرح ہر وقت سارے گھر کو صاف ستھرا رکھ کر تھیں۔ کئی بار بے جی نے اسے کہا تھا۔

ووہنی! غسل خانے میں میلے کپڑوں کا ڈھیر مت لگایا کرو۔ بہت برے لگتے ہیں۔ ان کو سمیٹ کے ایک تھیلے میں ڈال کے رکھا کرو۔

تب اسے بہت عجیب لگتا تھا کہ اگر میلے کپڑے غسل خانے میں ڈھیر نہ ہوں گے تو کہاں ہوں گے۔ لیکن اب اسے اپنے آپ سمجھ آ گئی تھی کہ گھر میں ہر چیز کی ایک جگہ ہوتی ہے۔ ہمہ وقت یہ خیال بھی رہتا کہ بے جی کے نہ ہونے سے معاذ کو کوئی واضح فرق محسوس ہو۔ پہلے ہفتے تو اسے یہ سب کچھ بہت مصیبت لگا۔ کئی بار وہ اندھے منہ بستر پر گر گئی اور رونے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ ہر کام سے مانوس ہوتی گئی۔ رات اس طرح تھک ٹوٹ کر سوتی کہ بس صبح سویرے ہی آنکھ کھلتی۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ شادی کے فوراً بعد اس نے بڑی عیش کی زندگی بسر کی ہے۔ اگر ابتدا میں ہی اس پر اتنی ذمہ داریاں پڑ جاتیں تو کس قدر گھبرا جاتی۔ اس وقت جب معاذ کو دیکھتے ہی اس پر نفرت کے بادل چھا جاتے تھے۔ اگر اسے گھر کے یہ سارے کام کرنے پڑتے تو اس کا کیا حال ہوتا؟

بے جی نے اسے بے شمار ذمہ داریوں سے بچا لیا تھا۔ گھر میں شہرادیوں کی طرح رکھا تھا۔ اور تو اور بچے کی بہت ساری ذمہ داریاں بھی انہوں نے بانٹ لی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ رات بھر آرام سے سوتی رہتی۔ اب احساس ہوتا کہ وہ تو ایک جنت میں رہتی تھی۔ اس قدر آرام میں اسے فضول قسم کی باتیں سوچنے کا موقع ملتا رہا۔ اور وہ ایک خیالی جنت آباد کرتی رہی۔ ظاہر ہے اگر کسی کے پاس اتنا فالتو وقت ہوگا تو وہ فضول باتیں سوچے گا۔ اگر شروع دن سے ہی اس پر اتنی ذمہ داریاں پڑ جاتیں تو اسے معاذ کے بارے میں اتنا زیادہ سوچنے کا موقع نہ ملتا۔

اب وہ اتنی مصروف رہتی کہ معاذ کی کوئی بات قابلِ اعتراض نہ لگتی۔ وہ گھر میں بھی ہوتا تو وہ

اس رات معاذ نے اپنے بہت سے دوستوں کو کھانے پر بٹھالیا تھا۔ رملی نے جلدی سے دو چار چیزیں اور بنالیں۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو وہ برتن سمیٹنے لگی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے جنہیں معاذ نے پڑھ لیا تھا۔

اس کا چہرہ دکھ کر بولا۔

آج کل بے جی یہاں نہیں۔ تمہارا کام تو بڑھ گیا ہوگا؟

نہیں نہیں۔ رملی جلدی سے بولی۔ کام کا کیا ہے۔ یہ تو میرے گھر کا کام ہے۔

معاذ نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔

تم تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ تمہارا چہرہ اتر گیا ہے۔ آرام کیا کرو۔

رملی اداسی سے مسکرائی تو وہ بولا۔

کل رات کا کھانا باہر کھائیں گے اور کوئی پکچر بھی دیکھنے چلیں گے۔ کیا خیال ہے

؟

تم تھوڑی سی تفریح بھی کیا کرو۔

رملی برتن سمیٹنے لگی۔

اور برتنوں کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھوں میں بھر بھر آنے والے نیر بھی سمیٹتی رہی۔ معاذ کا

رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے شفقانہ تھا۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھتا۔ بڑی نرمی سے بات کرتا۔ بڑی

محبت سے اس کا حال پوچھتا۔ یاد دہانی کے واقعے کے بعد اس نے ایک دن بھی تو اسے طعنہ نہیں دیا

تھا۔ اسے ایک بار بھی تو سختی سے نہیں بولا تھا۔ بہانے بہانے اس کی عیب جوئی نہیں کی تھی۔

کاش وہ اسے طعنہ دے لیتا۔ برا بھلا کہہ لیتا۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی انا کو مجروح کرتا۔ اس کے

کیریکٹر پر بار بار حملے کرتا۔ تو رملی کے ضمیر کا بوجھ کچھ تو اتر جاتا۔

مگر وہ کتنے آرام سے کہہ رہا تھا۔

تمہارا چہرہ اتر گیا ہے؟

اس چہرے کا کیا ہے؟ رات اپنے بستر پر لیٹ کر رملی نے سوچا۔

یہ تو اترتا ہی رہا۔

پہلے نفرت کی سطح پر اترتا۔ پھر جھوٹی محبتوں کے سمندر میں غرق ہوا۔ پھر تمہارے

دل سے اترتا۔ آج کل پچھتاؤں کی خندق میں اترتا ہوا ہے۔

اس چہرے کا کیا پوچھتے ہو؟

اس نے کبھی دل کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے یہ نہ سمجھو کہ یہ روزمرہ کام کی تھکاوٹ ہے۔

یہ تو روح کی تھکاوٹ ہے۔

ذہن کی تھکاوٹ ہے۔

چہرہ ایک چراغ کی مانند ہوتا ہے۔

اس میں خوشی کا تیل نہ ڈالو تو بجھ جاتا ہے۔



چاقو سے اپنے ہاتھ نہ زخمی کر لے۔ اس عمر میں بچہ اس گولے کی طرح ہوتا ہے جو کسی کے ہاتھ میں نہیں آتا۔ اور ان چند مہینوں میں ہی رملی کے ہوش اڑ گئے تھے۔

اور بھی موجود کو لبو لبان دیکھ کر وہ بے اختیار رونے لگی۔ معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔  
تم تو چپ کر رملی۔ میں موجود کو سنبھالوں یا تمہیں۔ جاؤ تھوڑا سا گرم پانی لاؤ اور روئی سے اس کا چہرہ صاف کرو۔ دیکھیں کہاں کہاں چوٹ لگی ہے۔

رملی دوڑ کر نیم گرم پانی اور روئی لے آئی۔ مگر قریب آ کر رک گئی۔ اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ کہنے لگی۔ میں اپنے بچے کا خون صاف نہیں کر سکتی۔ مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا۔ خدا کے لئے اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔

لے چلتے ہیں۔ معاذ نے بہت آہستہ سے کہا۔ اور روئی گیلی کر کے اس کا چہرہ صاف کرنے لگا۔ کھڑے کھڑے رملی کو یوں محسوس ہوا۔ کوئی اس کے دل پر نشتر چلا رہا ہے۔ ہر بار جب معاذ روئی سے اس کا چہرہ صاف کرتا۔ رملی کے دل میں سوئی چھ جاتی۔

اف ماں بچے کا یہ تعلق ہوتا ہے۔ رملی کے زار و قطار نیر بہتے رہے۔  
موجود کے چہرے سے بہت خون نکل رہا تھا۔ معاذ نے روئی سے صاف کر کے دیکھا تو اس کا ایک اوپر والا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ ابھی چند ہفتے ہی تو ہوئے تھے۔ موجود کے اوپر والے سارے دانت نکل آئے تھے۔ اور وہ ہستا ہوا بہت پیارا لگتا تھا۔ شاید میری نظر لگ گئی۔ رملی نے دل میں سوچا۔ اور ساتھ ہی اوپر والا ہونٹ بھی پھٹ گیا تھا۔ معاذ نے احتیاط سے اس کو اٹھایا اور بولا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا۔

رملی بھی دوڑ کے اس کے پیچھے گئی۔ اور اگلی سیٹ پر بیٹھ کے موجود کو گود میں لے لیا۔ اور معاذ بڑے سکون سے موٹر چلانے لگا۔

معاذ نے عام شوہروں کی طرح غصے میں پھنکا رہتے ہوئے رملی کی بے پروائیوں کو بالکل نہیں کوسا۔ بلکہ رملی خود ہی لرزتی ہوئی شرمندہ سی آواز میں کہنے لگی۔

سارا دن اس کا خیال رکھتی ہوں۔ بھاگ بھاگ کر پیچھے جاتی ہوں۔ پتہ نہیں کس وقت باہر نکل جاتا ہے۔

کوئی بات نہیں۔ معاذ نے بڑی ملائم آواز میں کہا۔ بچوں کو چوٹ لگ ہی جاتی ہے۔ اس عمر میں بچے ایک پل چین سے نہیں بیٹھتے۔

اس روز موجود میں اپنی ٹرائی سائیکل چلا رہا تھا۔ اچھل کر گر ا اور اس کا ایک اوپر والا دانت ٹوٹ گیا۔ رملی نے دوڑ کر اسے پکڑا اور جب اس کا لبو لبان چہرہ دیکھا تو چلا چلا کر رونے لگی۔ گھبرا کر اندر سے معاذ نکل آیا اس نے روتے ہوئے بچے کو بازوؤں میں لے لیا اور اندر لے گیا۔ رملی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اپنے بچے کے منہ پر لگا ہوا لبو دیکھتی تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت کیا کرے اسے شدت سے بے جی یاد آئیں۔ موجود بہت شیطان اور طرار بچہ تھا۔ جب سے اس نے چلنا سیکھا تھا۔ آئے دن اسی طرح چوٹیں لگوا لیا کرتا تھا۔ مگر بے جی جھٹ اسے سنبھال لیتی تھیں۔ پتہ نہیں کس طرح وہ اسے دوائی بھی لگا دیتیں اور چپ بھی کرا لیتی تھیں۔ رملی کو تو عام طور پر بعد میں پتہ لگا کرتا تھا۔ وہ تو ہمیشہ اپنے خیالوں کی جنت میں ہی سرگردان رہتی تھی اس نے بچے کے پالنے کے دکھ نہیں اٹھائے تھے پہلے اسے پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔ جنم دینے کی تکلیف تو بس ایک ہی بار ہوتی ہے مگر بچے کو پالنا ایک کرب مسلسل ہے۔ جس سے عورت بار بار گذرتی ہے۔ اور اس کرب سے بار بار گذر کے ہی وہ جلدی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ ایک بچے کی پیدائش کے بعد ہی۔ اس پر سے روپ کا خمار اتر جاتا ہے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کا کیف بچے پر لٹا دیتی ہے۔ نہ اسے اپنے رنگ روپ کا خیال رہتا ہے۔ نہ خوبصورت جسم کا۔ شادی کیا ہوتی ہے۔ عورت کے پنجاور ہونے کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے اپنے شوہر کی پسند میں ڈھلتی ہے اور جو بچ جاتا ہے اس کو بچوں پر وارد دیتی ہے۔ بے جی نے رملی کو اپنا آپ وارنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ بے جی ایک سخت گیر اور خود پسند ساس کے ہاتھوں سے نکلی تھیں۔ اس لئے وہ اپنی بہو کو اس آنچ سے دور رہی رکھنا چاہتی تھیں۔

اب گھر کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ دن رات رملی کو موجود کا خیال رکھنا پڑتا۔ اس کے پیچھے پیچھے بھاگنا پڑتا کہ کہیں باہر نہ نکل جائے۔ بجلی کے کسی سونچ میں انگلی نہ ڈال دے۔

مگر یہ تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی شوخ ہے۔

سب بچے ایسے ہوتے ہیں۔ معاذ پھر آہستہ سے بولا۔

بس اسے تو بے جی ہی قابو کر سکتی ہیں۔

رملی نے جان بوجھ کر بے جی کا ذکر چھیڑ دیا۔ تاکہ ان کو بلانے کی بات شروع کر سکے۔

معاذ تھوڑی دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔

تمہیں بے جی نے نہیں بتایا۔ میں بچپن میں بہت شریر ہوا کرتا تھا۔ ہر وقت مجھے چوٹیں لگتی تھیں۔

ایک بار کنوئیں میں بھی گر گیا تھا۔ ہر روز بے جی کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دیتا تھا۔

رملی نے اثبات میں سر ہلایا۔

بے جی مجھے سب کچھ بتاتی رہتی ہیں۔

اس لحاظ سے تو ہمارا موجد بڑا شریف بچہ ہے۔ دو سال میں یہ پہلی بڑی شرارت کی ہے اس

نے۔

رملی چپ رہی۔ کیوں کہ اسے تو موجود نے چند مہینوں میں ہی بیدم کر دیا تھا۔

پھر معاذ شرارت سے ہنس کر بولا۔

طبیعت کا یہ سکون اور یہ تھوڑی سی شرافت غالباً اس نے تم سے لے لی ہے۔۔۔۔۔

رملی کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ جانتی تھی۔ معاذ یہ سب کچھ خوش نیتی سے کہہ رہا ہے۔ مگر اپنے

آپ پر اسے شرم آئی۔ وہ طبعی شرافت کی وجہ سے لئے دیے میں نہ رہتی تھی۔ وہ تو اپنی نفرت کو

چھپانے کی خاطر چپ چاپ رہتی تھی۔

ڈاکٹر کے کلینک میں پہنچے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کا اوپر والا ہونٹ پھٹ گیا ہے اور ایک ٹانگا

لگانا پڑے گا۔

ابھی ڈاکٹر کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے کہ رملی کو یوں محسوس ہوا ڈاکٹر نے سوئی اٹھا

کے اس کے دل میں کھو دی ہے۔

رملی کا رنگ ہلکی طرح زرد ہو گیا۔

معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ رمو تم باہر جاؤ۔ اور جا کر موٹر میں بیٹھ جاؤ میں موجود کی پٹی

کروا کے آتا ہوں۔

رملی کی پلکوں پر دوا التجائی آنسو لرز رہے تھے۔ کانپتی آواز میں ڈاکٹر سے پوچھنے لگی۔

ڈاکٹر صاحب ٹانگا لگانے سے میرے بچے کو تکلیف تو نہیں ہوگی؟

نہیں ہوگی بی بی۔ ڈاکٹر ہنس کر بولا ہم جانتے ہیں بچے کو کس طرح ٹانگا لگانا چاہیے۔

پھر جاتے جاتے مڑی اور اچانک بولی۔

اس کے ہونٹ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا نا؟ کہیں میرا بچہ بد صورت تو نہیں ہو جائے گا۔

ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

محترمہ آپ تسلی رکھیں۔ کچھ دنوں تک اس چوٹ کا نشان بھی نہیں رہے گا۔

رملی باہر نکل آئی اور موٹر میں بیٹھ گئی۔ موٹر میں بیٹھتے ہی اسے خیال آیا کہ اس نے ڈاکٹر

سے کیسا بے ہودہ سوال پوچھ لیا تھا۔ کہیں میرا بچہ بد صورت تو نہیں ہو جائے گا۔

اسے معاذ کے سامنے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ آخر یہ بد صورتی کا احساس اس کے

اندر سے ختم کیوں نہیں ہو جاتا۔ اور کیا دیکھنا پاتی ہے۔۔۔۔۔؟

بس منہ سے بے خیالی میں ایسے جملے نکل جاتے ہیں۔ اس نے بے اختیار موٹر کے آگے

لگے ہوئے ننھے سے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھا؟

کیا تو پہلے جیسی ہے۔۔۔۔۔؟

پھر اس نے ارد گرد بازار میں آتے جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔

اس کی زندگی کا فلسفہ ہی بدل گیا تھا۔

کچھ دن پہلے وہ معاذ کے ساتھ اسی بازار میں آئی تھی اس روز انہیں موجود کے لئے نئے

جوتوں کی ضرورت تھی۔

معاذ تھکا ہارا گھر آیا۔ تو رملی نے آہستہ سے بتا دیا کہ موجود کے سب جوتے نوٹ گئے ہیں۔

تو معاذ نے فوراً کہا۔

چلو بازار چل کر لے آتے ہیں۔

پہلے آپ چائے پی لیں۔ منہ ہاتھ دھولیں۔ رملی نے جلدی سے کہا۔

کہیں دوکانیں تو بند نہیں ہو جائیں گی۔

نہیں۔ رملی بولی۔ دوکانیں تو آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہیں۔

ٹھیک ہے۔ معاذ نے کہا۔ پھر ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے۔ چائے پی اور ان دونوں کو لے

کر بازار آ گیا۔

جوتوں کی دوکان کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قد آدم آئینے پر رملی کی نظر ٹھہر گئی۔ اس نے اپنا سر اُپا دیکھا۔ اور اپنے آپ کو معاذ کے ساتھ اندر آتے ہوئے بھی دیکھا۔ وہ اپنا آپ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بالکل ایک عام سی عورت لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ رنگ میلا ہورہا تھا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ بالوں میں وہ پہلے جیسی چمک نہ تھی۔ اس میں پہلے جیسا بانگین نہ تھا۔ جس طرح ایک پھول شاخ سے لگا رہے تو خوب تر و تازہ نظر آتا ہے۔ شاخ سے توڑ کے گلہ ان میں لگا دیں تو اس کی رعنائی ماند پڑ جاتی ہے۔

کہاں گیا وہ روپ کا خزانہ \_\_\_\_\_؟

اس نے خاص طور پر غور کیا کہ وہ معاذ کے ساتھ چلتی ہوئی عجیب نہیں لگ رہی تھی اور معاذ بھی اب کچھ زیادہ برا نہیں لگتا تھا۔ پھر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ تو بہت سی عورتیں اپنے بچوں کو لے کر اپنے شوہروں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ سب میاں بیوی بس ایسے ہی تھے۔ شاید جب بچے ہو جاتے ہیں۔ تو میاں بیوی ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے۔ صرف بچوں کو دیکھتے ہیں۔ اور بچوں کو دیکھتے دیکھتے آرزوؤں اور خوابوں کی عمر گزر جاتی ہے۔

رملی کو اچانک محسوس ہوا کہ پچھلے صوفے پر بیٹھی ہوئی ایک سمارٹ سی عورت کو معاذ بار بار دیکھ رہا تھا۔ رملی نے بھی بطور خاص اسے دیکھا۔ کوئی خاص بات تو نہ تھی اس میں۔

مگر وہ اپنے شوہر سے باتیں کرنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے ارد گرد کا ہوش نہ تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے میں گم تھے۔ غالباً وہ بھی پہلے بچے کے لئے جوتے لینے آئے تھے۔ بچہ پاس ہی جوتوں سے کھیل رہا تھا۔ اس کا شوہر بھی بہت کالا تھا۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے میں میں مگن تھے شاید معاذ یہی سب دیکھ رہا تھا۔ پھر رملی نے محسوس کیا۔ سب شوہر بیوی بات بات میں ایک دوسرے سے مشورے لے رہے تھے۔ جب کہ وہ بالکل خاموش تھی۔ اور رملی کو یہ محسوس کر کے تعجب ہوا کہ اسے معاذ کا اتنی محویت سے ارد گرد کی عورتوں کو دیکھنا بہت برا لگا۔ کچھ حسد کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اسی وقت اس نے سوچا۔ جب عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو دلچسپی سے دیکھتی ہے۔ تو شوہر کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی؟

مرد تو اس قسم کے اقدام کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مرد عورت سے زیادہ اس عورت سے زیادہ غصہ دار اور عورت سے زیادہ تنگ دل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو صرف شک کی بنا پر ہی عورت کو قتل کر دیتا ہے۔ یہ سوچ کر رملی کو جھرجھری آ گئی۔ اور ساتھ ہی شرم بھی

پتہ نہیں معاذ نے یہ سب کیسے برداشت کیا ہوگا \_\_\_\_\_؟

کیا معاذ فرشتے ہے یا دیوانہ \_\_\_\_\_؟

اگر اس کی محبت بھری باتیں یاد کرتی تو وہ محض ایک دیوانہ سالگتا۔ اور اگر اس کے موجودہ رویے پر غور کرتی تو وہ ایک فرشتے کی مانند نظر آتا۔ مگر۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ راہ میں کہیں شیشے کی ایک دیوار اچانک آ گئی تھی۔

بالکل ایسے جیسے کام کرتے کرتے اس کی خوبصورت آنکھوں کے آگے پانی کی ایک دیوار آ جاتی تھی۔ اور دروازہ دیک کی ہر شے دھندلا جاتی تھی۔

وہ سیٹ پر سر رکھے۔ منہ اوندھائے بیٹھی تھی کہ معاذ موجود کو کندھے سے لگائے آ گیا۔ معاذ نے موٹر کا دروازہ کھولا تو رملی نے چونک کر سر اٹھایا۔ اور پھر ہاتھ بڑھا کر موجود کو پکڑ لیا۔ موجود پر اس وقت غنودگی سی طاری تھی۔ رملی نے گھبرا کر پوچھا۔

اسے کیا ہوا ہے \_\_\_\_\_؟

معاذ نے اسٹیرنگ تھامنے سے پہلے رملی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کی پلکوں کے آس پاس آنسوؤں کے خیمے لگے تھے۔ شاید وہ بے خیالی میں روتی رہی تھی۔ اور معاذ نے سمجھا کہ اپنے بچے کے لئے روتی رہی ہے۔

ڈاکٹر نے اسے ٹیکہ لگا دیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر سکون سے سویا رہے گا۔ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ معاذ نے جواب دیا۔

موٹر چلی تو رملی نے موجود کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

رمو۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر آگے چل کے معاذ نے کہا۔ فرض کرو کہ تمہارا بیٹا بد صورت ہو جائے۔ تو پھر تم کیا کرو گی \_\_\_\_\_؟

پھر اس نے ہنس کر گردن موڑی اور رملی کے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

رملی نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور شرمندہ سی آواز میں بولی۔

کچھ بھی نہیں۔

کیا مائیں اپنے بد صورت بچوں سے محبت کرنا چھوڑ دیتی ہیں؟ معاذ نے پھر پوچھا۔

رملی جان بوجھ کر خاموش رہی۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے معاذ کے سامنے ڈاکٹر

صاحب سے ایسا بودا سوال کیوں پوچھا۔

ایک ماں ہی تو ہے۔ جس کی محبت اس دنیا کی ایک بڑی سچائی ہے اور ماں ہی ہے۔ جو عیبوں سے بھرے مکر وہ صورت بچے سے بھی ٹوٹ کر پیار کرتی ہے۔

رملی نے ڈرتے ڈرتے معاذ کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر بڑی سنجیدگی تھی۔ اس سنجیدگی سے رملی کو ڈرانے لگا۔ اسے معاذ ہنستا کھیلتا ہی اچھا لگتا تھا۔ سنجیدہ ہو کے جانے کیوں خوفناک لگنے لگتا تھا۔ ماں کے علاوہ \_\_\_\_\_ رملی نے ڈرتے جھجکتے رک رک کر کہنا شروع کیا۔ اور رشتے بھی ہیں۔ جو سچی محبت کے مظہر ہوتے ہیں۔

اب معاذ بالکل خاموش رہا۔ غالباً اسے کسی روایتی سوال کی ضرورت نہ تھی۔

اس لئے رملی پھر اسی انداز میں ایک ایک کر بولنے لگی۔

جب کوئی انسان کسی انسان کے اندر کمال حسن یا نیکی دیکھ لیتا ہے۔ تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔

پھر اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری \_\_\_\_\_

اصل میں محبت کرنے کے لئے پہلے محبت کو سمجھنا بہت ضروری ہے ہم بادی النظر میں جسے

محبت کہہ لیتے ہیں۔ وہ محبت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔

درحقیقت محبت کے لیے کوئی بیانا مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو۔۔۔۔۔ یہ تو۔۔۔۔۔

اپنے ہی انداز سے بولکھلا کر رملی خاموش ہو گئی۔ جانے کیا کہنا چاہتی تھی۔ اور منہ سے کیا کچھ نکل رہا تھا۔ سیدھی سی بات تھی۔ وہ اگر کہہ سکتی تو کہہ دیتی کہ سچی محبت شکل و صورت سے ماوری ہوتی ہے۔ اور تم ٹھیک کہتے ہو۔ دنیا میں ماں ہی سچی محبت کی عظیم علامت ہے۔

مگر وہ اس کے علاوہ بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ یہ کہنا چاہتی تھی کہ سچی محبت نیکی کی طرح دھیرے دھیرے قریب آتی ہے۔ مذہبی کتاب کی طرح اپنے ورق آہستہ آہستہ الٹتی ہے۔

جس طرح منہ اندھیرے دے دے پاؤں چلنے والی ہوا۔ کلیوں پر شبم گرا جاتی ہے۔ اور طلوع ہوتے سورج کے ساتھ ساتھ کلیاں غنچوں اور پھولوں میں بدلتی جاتی ہیں۔ اور حب محبت اور اک کے دروازوں پر دستک دیتی ہے۔ تو شکل و صورت کے سارے عیب دب جاتے ہیں محبت اور کچھ نہیں ایک احساس ہے۔ نیکی کی طرح دل میں کسی لمحے اچانک پھوٹتا ہے \_\_\_\_\_

لیکن پھر اسے کچھ بھی کہنا نہیں آیا \_\_\_\_\_

اور گھر آ گیا۔

رات موجود کو اپنے پاس پلنگ پر سنانے کے بعد رملی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی ہتھیلی رخسار پر رکھے ہتھی تھی کہ معاذ کپڑے بدل کر اس کے قریب سے گزر گیا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ اور اس نے حسب عادت بیچ والا دروازہ بند کر دیا۔ رملی بڑی دیر تک اس دروازے کو دیکھتی رہی۔ اور پھر سوچنے لگی \_\_\_\_\_ کہ انسانی محسوسات حیرت انگیز طور پر بدل جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے جب معاذ اس کے قریب آیا کرتا تھا۔ تو اس کے جذبات نفرت کے مارے سکر جاتے تھے۔ اور وہ چاہتی تھی کسی طرح یہ آدمی دور چلا جائے۔ جا کر کسی دوسرے کمرے میں سو جائے۔ اس سے بات تک نہ کرے۔ مگر آج جب وہ بد صورت آدمی بیگاں سے اس کے قریب سے گزر کر دوسرے کمرے میں سونے کے لئے چلا گیا تھا تو اسے کتنا قلق ہوا تھا ایک چھری سی سینے میں اتر گئی تھی \_\_\_\_\_

وہ اپنے آپ موازنہ کرنے لگی \_\_\_\_\_ ایک بد صورت مرد کو برداشت کرنا مشکل تھا یا اس کی سرد مہری کا مقابلہ کرنا مشکل ہے \_\_\_\_\_؟

یقیناً یہ مشکل ترین صورت حال ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پتہ نہیں جو مشکل گذر جاتی ہے۔ وہ چھوٹی کیوں ہو جاتی ہے۔ \_\_\_\_\_ ہر نئی مشکل پہلے سے بڑی کیوں لگتی ہے \_\_\_\_\_؟

ایک ہی گھر میں رہنا۔ ایک ہی کمرے میں رہنا \_\_\_\_\_ مگر اتنے فاصلوں میں رہنا \_\_\_\_\_؟ یہ فاصلے کس نے پیدا کیے رملی \_\_\_\_\_؟

رملی بے اختیار رو رہی تھی۔ جب اس کے آنسو اگلے بستر کی سفید چادر پر بارش کی بوندوں کی طرح گرنے لگے۔ تو اسے اپنے آنسوؤں پر بھی غصہ آنے لگا۔ اس نے سوچا \_\_\_\_\_ اس پورے عرصے میں ایک ہی کام ہے۔ جو اس نے تواتر کے ساتھ کیا ہے۔ اور وہ ہے رونا \_\_\_\_\_

اپنے پاس سلا لیتا ہوں \_\_\_\_\_  
 رملی نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر معاذ کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو \_\_\_\_\_  
 اسے بھی \_\_\_\_\_ اسے بھی \_\_\_\_\_ اپنے پاس سلا لینا چاہتے ہو۔ میری راتیں  
 بالکل ویران کرنا چاہتے ہو۔ ہر چیز مجھے سے لے لینا چاہتے ہو۔  
 مگر وہ رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بولی۔

بھلا اپنے بچے کو اپنے ساتھ سلانے میں ماں کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی بدنصیب ماں  
 ہوگی۔ جو ایسا سوچے گی \_\_\_\_\_

اصل میں یہ تو شروع دن سے بے جی کے پاس سو رہا ہے نا؟ \_\_\_\_\_ معاذ جانے کے لئے مڑا۔  
 ہاں \_\_\_\_\_ رملی کھڑی ہو گئی۔ اور بولی۔ بے جی کب آئیں گی کب بلوائیں گے  
 آپ انہیں؟ \_\_\_\_\_

معاذ نے پلٹ کر اسے دیکھا \_\_\_\_\_ اور پوچھا۔ کیوں \_\_\_\_\_؟  
 ویسے ہی میرا دل بے جی کے لئے بہت اداں ہو گیا ہے اور یہ کہتے ہی رملی کے آنسو پھر  
 نکلنے لگے۔

میں نے تم سے کہا تھا نا رملی \_\_\_\_\_ معاذ جاتے جاتے واپس آ گیا۔ بے جی کسی کے  
 کہنے سے نہیں آیا کرتیں۔ اپنی مرضی سے جاتی ہیں اور اپنی مرضی سے آ جاتی ہیں۔  
 رملی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور بولی۔

آپ ایک بار مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔ میں خود ان کو لے آؤں گی۔  
 اس طرح بے جی سمجھیں گی شاید میں نے تمہیں کوئی تکلیف دے رکھی ہے \_\_\_\_\_؟  
 تکلیف \_\_\_\_\_؟ رملی نے اپنی زخمی آنکھیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں گاڑ

دیں۔ \_\_\_\_\_ نہیں \_\_\_\_\_ بے جی جانتی ہیں آپ ایسے نہیں ہیں میں انہیں صاف بتا  
 دوں گی کہ جس دن سے میری شادی ہوئی ہے۔ میں ان کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ میں ان سے  
 مانوس ہو گئی ہوں۔ ان کے بغیر نہیں رہ سکتی \_\_\_\_\_؟

معاذ مسکرایا۔۔۔۔۔

اس کا مطلب ہے بے جی بڑی خوش نصیب ہیں۔ اس سے تم بے جی سے ایسی باتیں نہ  
 کہنا۔ اس دنیا میں ایک میری ماں ہی تو میری اپنی ہے۔ ایسی باتیں کر کے تم اے بھی مجھے سے

اف \_\_\_\_\_  
 رونے کے سوا اس نے کیا کیا ہے \_\_\_\_\_؟  
 اور یہ ساری رونے کی ہی نحوست ہے۔  
 اے کاش وہ بات بات میں نہ رویا کرتی۔ تو زندگی اس منحوس دورا ہے پر نہ آ کر کھڑی ہو جاتی۔  
 جلدی سے وہ اپنی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔ اسی وقت نہ جانے کیسے  
 معاذ دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آ گیا اور اس کے قریب کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔  
 رملی روتے روتے ڈر گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔  
 موجود تو ٹھیک ہے نا؟ معاذ نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

جی بالکل ٹھیک ہے \_\_\_\_\_  
 پھر معاذ نے بے اختیار آگے بڑھ کر موجود کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس وقت بھی گہری  
 نیند سو رہا تھا۔ جس وقت معاذ نے آگے بڑھ کر موجود کو چھوا اس کے اندر سے اک گرم مگر جان لیوا  
 مہک نکلی جو سیدھی رملی کے متھنوں میں گئی \_\_\_\_\_  
 وہ بالکل اس کے قریب \_\_\_\_\_ اس کے سانسوں کے آس پاس موجود پر جھکا ہوا تھا۔  
 اس کے نفیس اور بے شکن کپڑے اس کی آنکھوں کے بالکل آگے تھے۔ اس کی مخصوص خوشبو رملی کا  
 گھیراؤ کر رہی تھی۔ اس وقت اچانک رملی کو یوں جان پڑا، جیسے خوشبو کی بھی زبان ہوتی ہے۔  
 خوشبو باتیں کرتی ہے۔ خوشبو ہنستی ہے۔ اور خوشبو ان کہی کہانیاں کہتی ہے۔  
 کبھی کبھی خوشبو کہتی ہے مجھے سے لپٹ جاؤ۔۔۔۔۔

رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔  
 اسی وقت معاذ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔  
 موجود تو اب بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ساری رات سکون سے سویا رہے گا۔ اس کے اس طرح  
 سونے سے ڈرنا نہیں اسے ڈاکٹر نے سونے کی دوائی دی ہے۔

جی اچھا \_\_\_\_\_ رملی نے آہستہ سے کہا۔

تم بہت پریشان لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے \_\_\_\_\_  
 کچھ نہیں \_\_\_\_\_ کچھ نہیں کہتے کہتے۔ رملی کی آواز بھرا گئی۔  
 تمہیں معاذ کو ساتھ سلانے کی عادت نہیں ہے۔ اگر تم رات کو بے آرام ہوتی ہو تو اسے میں



میرے اندر تھوڑا سا کینہ ہے یا غصہ ہے۔۔۔۔۔ یارنچ ہے کچھ ہے جسے میں باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے تھوڑا سا وقت دو رملی۔

مرد کو محض ایک جانور نہیں سمجھنا چاہیے۔۔۔۔۔ یا میں محض ایک جانور نہیں ہوں۔ محبتوں کے عمل محبتوں سے ہی زیب دیتے ہیں۔ اور پھر میں صاف دلی سے تمہارے قریب آنا چاہتا ہوں۔ اب جب کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہوں۔ میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کسی نئے فیصلے کا۔۔۔۔۔ کسی نئے جذبے کا۔

آج تم محض میری شکر گزار ہو۔ لیکن قربتیں جذباتوں کی تمنائی ہوتی ہیں۔ شاید میں جذباتی آدمی ہوں۔ بھوک کے بغیر کھانا نہیں کھاتا۔ اور بے وقت پانی بھی نہیں پیتا۔ میں تمہیں مناسب وقت دینا چاہتا ہوں۔ تم اپنے آپ کو سمجھو۔۔۔۔۔ اپنے آپ کو تلاش کرو اور سوچو کہ تم کیا چاہتی ہو۔ ایسی صورت میں جب کہ ہم دونوں ہی ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ خلق خدا میں اضافہ کرنے سے کیا فائدہ۔۔۔۔۔؟

رملی نے سر جھکا لیا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور سر کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ اب وہ کیا کچھ سمجھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ مگر کہنے کے قابل نہ ہوئی تھی اور کہتی بھی تو کس منہ سے؟

معاذ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے قریب آیا۔ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جھک کر اس کا ٹھنڈا رخ ہاتھ اپنے دونوں گرم ہاتھوں میں تھام لیا۔

اسی وقت رملی کو یوں لگا جیسے فیوز تاروں میں بجلی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ پہلے بھی بار بار اس نے رملی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ میں آتے ہی رملی کا ہاتھ مردہ ہو جاتا تھا۔ آج رواں رواں سوالی بن گیا۔

رمو! میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ بڑے پیار سے بولا اور یہ محض ایک عارضی دور ہے۔ یہ بھی گزر جائے گا۔ تم خوش خوش رہا کرو۔۔۔۔۔

اور ہاں۔۔۔۔۔ اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے بولا۔ کتنے دن ہوئے تم اباجی کی خبر لینے نہیں گئیں؟

ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے۔۔۔۔۔؟ رملی بسور کر بولی۔

نہیں ہمیں ہر دوسرے تیسرے روز جانا چاہیے۔ پہلا سال تنہائی کا ان کے لئے بہت اذیت ناک ہو گا۔ تم مجھے یاد دلادیا کرو۔ میں بعض اوقات کام کی زیادتی کی وجہ سے بھول جاتا ہوں۔ اچھا کل شام کو چلیں گے۔ اور کھانا ان کے ساتھ کھائیں گے۔۔۔۔۔

رملی نے صرف سر ہلایا۔

معاذ نے رملی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔

اچھا رمو۔۔۔۔۔ شب بخیر۔۔۔۔۔ اس نے ایک جھانکی لی اور چلا گیا۔

وہ تو رملی کا ہاتھ چھوڑ کر جا چکا تھا۔ مگر رملی کے ہاتھ پر اس کی ہتھیلی کی گرفت رہ گئی تھی۔

ابھی تک ایک گرم حلقہ تھا جس نے اس کے ہاتھ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ابھی تک ایک

عروج سی تمنا اس ہاتھ پر بیٹھی تھی۔

پھر ایک اجنبی سی خواہش نے دل کو گدگدایا۔۔۔۔۔ پھر کسی شناسا درد نے دل میں چٹکی لی

عجیب ہے یہ عورت ذات بھی۔ سارا دن ذرہ ذرہ چن کر اپنے آپ کو جوڑتی رہتی ہے اور رات کو ریت کی طرح کھرجانا چاہتی ہے۔

اپنی اس تبدیلی پر رملی کو بہت تعجب ہوا۔

معاذ کے چلا جانے سے اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔

آج اس کا دل بے اختیار چاہ رہا تھا۔ وہ معاذ کو روک لے۔ مگر جو کچھ معاذ

نے کہا تھا۔ اسے سننے کے بعد وہ پتھر کی طرح بوجھل بن کر بیٹھی رہ گئی۔ اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہ

سکی۔۔۔۔۔ مڑ کر دائیں جانب دیکھا۔۔۔۔۔ تو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنی ہی

صورت نظر آ گئی۔ وہ اپنے آپ کو یوں دیکھنے لگی جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ اپنے

چہرے کا اک اک نقش اجنبی لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں اپنا آپ کہاں رکھ کر بھول گئی تھی۔

کیا اس حسن پر تجھے ناز تھا۔۔۔۔۔؟ جسے وہ نظر انداز کر کے چلا گیا ہے؟

اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔۔۔۔۔

حسن تو اک سوز مسلسل ہے۔ حسن تو ایک کرب ہے۔۔۔۔۔ حسن تو ایک ناسور ہے۔

حسن تو ایک سزا ہے۔

پتہ نہیں لوگ حسن کی تمنا کیوں کرتے ہیں۔

شع کتنی روشن ہوتی ہے۔ مگر اس کا جگر ہمیشہ جلتا رہتا ہے۔ لوگ اس کے جلنے کو زندگی کی

علامت کہتے ہیں۔۔۔۔۔ خود جل کے دوسروں کو روشنی دینا کس قدر مشکل کام ہے۔

حسن کے نصیب میں عام طور پر آنسو آتے ہیں۔۔۔۔۔

حسن کو اپنا خراج ہمیشہ آنسوؤں سے ادا کرنا پڑتا ہے  
حسن کو اپنی قیمت اپنی کمرہ کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے  
وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اپنا سارا سراپا آئینے میں دیکھا اور سوچا  
باری تعالیٰ مجھے اتنا حسن نہ دیتا۔ مگر اچھے نصیب دے دیتا  
کتنی خوش رہتی ہیں یہ عام سی شکلوں کی لڑکیاں  
اچھی صورت کا سب سے بڑا عیب ہی یہ ہے کہ دیکھنے والے اسے منزل سے بھٹکا دیتے ہیں۔  
اس نے بتی بجھائی اور آ کر بستر پر لیٹ گئی۔  
لیٹتے ہی اسے معاذ کا خیال آیا۔ کل تک جس کے خیال سے اسے گھن آتی تھی۔ آج اس کا  
خیال دربان بنا احساس کے ہر دروازے پر کھڑا تھا۔ تب اس نے سوچا  
مرد کی خوبصورتی کیا ہوتی ہے۔ بھلا؟

اس کے پورے وجود پر جیسے آوازوں کی بارش ہونے لگی۔  
خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔ جو عورت کی بڑی سے بڑی خطا معاف کر دیتا ہے۔  
خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔ جو عورت کو روٹی کپڑا اور پناہ دیتا ہے۔  
خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو روٹی کپڑا اور پناہ دے کر احسان نہیں کرتا۔ بلکہ خود شکر  
گزار نظر آتا ہے۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔ جو وحشت کے گھوڑے پر سوار ہو کر عورت کی انا کی دھجیاں نہیں  
اڑا دیتا۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔ جو مانگے بنا عورت کو محبت دیتا ہے۔  
خوبصورت مرد ہوتا ہے۔ جو عورت کو نفسانی خواہش کا محض آلہ نہیں سمجھتا۔  
خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کی نیند کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا ہے۔  
خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو موتیا کا پھول سمجھتا ہے۔ موتیا کا پھول گرم سانس کی  
گرمی نہیں سہہ سکتا۔ وہ عورت کو اپنے مزاج کی تپش سے جلا کر رکھ نہیں کر دیتا۔  
خوبصورت مرد؟

افوہ! رملی نے سر کو تکیے پر ادھر ادھر دے مارا۔

ایک شام کام ختم کر کے رملی نے معوذ کو کھانا کھلایا پھر اسے کمرے میں سلا کے ٹی وی  
دیکھنے بیٹھ گئی۔ کوئی بہت ہی دلچسپ پروگرام ہو رہا تھا پروگرام دیکھتے دیکھتے اسے یوں محسوس ہوا  
خوشبوؤں کے معطر جھونکے کسی خاص سمت سے آرہے ہیں۔ کافی دیر بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے  
میں آئی تو دیکھا۔ معاذ آئینے کے آگے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔ اسے خوشبوئیں استعمال کرنے کی  
عادت تھی اور غالباً وہ خوشبوؤں کی زبان جانتا تھا۔ اس وقت اس نے ایسی خوشبو لگا رکھی تھی جو رات  
کی تنہائی میں آواز بن کر ہر جذبے کو جگا دیتی ہے۔ رملی حیران سی جا کر اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔  
اور اسے دیکھنے لگی۔ معاذ نے کتنی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اندر سفید سلک کی قمیض تھی۔ اور اسی  
رنگ کی پرنٹڈ ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ معاذ بہت اسماٹ لگ رہا تھا۔ اگر اس کے پورے سراپے پر  
نظر ڈالو تو وہ ایک دم خوش لباس مرد نظر آتا تھا۔ تب رملی کی سمجھ میں آیا کہ مرد کی وجاہت اس کے  
پورے سراپے میں ہوتی ہے۔ صورت اس کے لئے ثانوی شے ہے مگر اس کی صورت پر ایک گرم  
گرم آنچ تھی۔ جسے رملی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

کہاں جا رہے ہیں آپ؟ رملی ضبط نہ کر سکی اور ایک دم پوچھ لیا۔  
معاذ نے قرینے سے اپنے گھنے بال جمائے۔ پھر اسپرے کیا۔ ایک کریم لے کر اپنے  
چہرے پر لگائی۔ مڑ کر رملی کو دیکھا اور اپنے صحت مند ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہوئے  
صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

میں جھوٹا آدمی نہیں ہوں اور جھوٹ کو چھپانے کے لئے رنگ برنگے بہانے بھی نہیں تراشتا  
وہ ہاتھ نیچے کر کے جوتے کے تسمے کھول کر دوبارہ پھول بنانے لگا۔

اور نہ میں نے کبھی دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔۔۔۔۔

بد نصیبی یا خوش نصیبی سے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں ایک بد صورت آدمی ہوں۔

رملی لرز گئی اور اس نے اپنی شرمندہ سی نگاہ جھکالی۔



ایسا تو کسی الہامی کتاب میں نہیں لکھا کہ بد صورت مرد جذبات و احساسات سے عاری ہوتے ہیں۔ ممکن ہے ایک عام مرد سے زیادہ آگ ہے میرے اندر۔۔۔۔۔  
 کبھی کبھی مجھے باہر جانا پڑے گا۔۔۔۔۔ اس کی اجازت میں تم سے ضرور لوں گا۔

اور تم جانتی ہو۔ تم اس کی اجازت مجھے ضرور دو گی۔

پہلے تو میں تمہارے جذبات سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لئے انجانے میں تمہیں تنگ کرتا رہا۔ خیر اس کا ایک فائدہ بھی ہوا۔ ماشاء اللہ ہمارا ایک بچہ ہے۔ اب دنیا کی نظر میں ہم دونوں کامیاب میاں بیوی ہیں۔ میں اور تم بہت سے الزامات سے بری ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ میں جان گیا تھا تمہیں میرا قرب ناپسند ہے۔ پہلے بھی تم اپنی چیخیں اپنے گلے میں دبا کر میرے ساتھ بستر کرتی رہی ہو۔ میں تمہیں آزاد کر دیتا۔ مگر تم نے طلاق کو ناپسند کیا ہے۔ تمہارے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ ایک اور مجبوری بھی ہے۔ میری ماں تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ تمہارا باپ آج کل بہت دکھی ہے۔ تم منتشر اور کھوئی کھوئی رہتی ہو تم سے ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ تم بہت مصحوم ہو۔۔۔۔۔ میں چاہتا ہوں میں ہی بدترین آدمی بن جاؤں تاکہ تمہارے پاس میرے ساتھ نفرت کرنے کا جواز ہو۔

اس نے ایک بار پھر شیشہ دیکھا۔ سر سے پاؤں تک۔۔۔۔۔ پھر رملی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور بولا۔

تمہیں حیرت ہو گی کہ مجھ جیسا بد صورت انسان بھی بار بار شیشہ دیکھتا ہے۔ یہ کہتے وقت وہ ذرا بھی احساس کمتری میں مبتلا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ عجیب سا وقار تھا اس کے چہرے پر۔

بات یہ ہے کہ باہر کی عورت مرد کے ہر قسم کے وقار کو بحال کر دیتی ہے۔ اس کی انا کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ اسے جھوٹی تعریف کے استنہ ہار پہنا دیتی ہے کہ اسے اپنا اصل چہرہ نظر ہی نہیں آتا۔۔۔۔۔ جھوٹ بول بول کر ایک رات میں اسے اتنا سیراب کرتی ہے کہ صبح تک وہ ایک نیا مرد بن جاتا ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ہر انسان کو خوش ہمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ جیسے مرد بھی دکھاوے کا بناؤ سنگھار کر لیتے ہیں۔

اچھا خدا حافظ۔۔۔۔۔

اس نے چلتے چلتے کہا۔  
 ممکن ہے میں صبح آؤں۔۔۔۔۔ یا ذرا لیٹ آؤں۔۔۔۔۔ کچھ کہہ نہیں سکتا تم اطمینان سے سو جانا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود ہے۔  
 اور وہ باہر نکل گیا۔

رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پتھر کی طرح راہ گزر میں پڑی رہ گئی ہے۔ اور وہ اسے ٹھوکر لگا کے چلا بھی گیا ہے۔

تو گویا آج رات معاذ ایک دوسری عورت کے ساتھ گزارے گا۔ کون ہو گی یہ دوسری عورت۔ کیا اس سے زیادہ خوبصورت ہو گی۔۔۔۔۔؟

چھی چھی۔۔۔۔۔ ہو گی کوئی پیشہ ور طوائف۔۔۔۔۔ گندی عورت۔۔۔۔۔ ذلیل! اور اس گندی عورت کے ساتھ ساری رات وہ اچھی اچھی باتیں کرے گا اور وہ سب کہے گا جو رملی سے کہتا رہا ہے۔

چھی۔۔۔۔۔ کتنا واہیات ہوتا ہے یہ مرد۔۔۔۔۔ جھوٹا اور کمینہ!

مگر مجھے پروا کیوں ہو۔۔۔۔۔؟

میں کیا جانتی ہوں اس کو۔۔۔۔۔ مجھے اپنا کارنامہ سنا کر چلا گیا ہے۔ جیسے میں جمل ہی تو جاؤں گی۔ جلتی ہے میری جوتی۔۔۔۔۔؟

اور وہ کون سی حسن پریاں ہوتی ہیں۔ کمینی اور گھٹیا عورتیں۔۔۔۔۔

وہ اٹھ کر بے ارادہ باہر چلی گئی۔ ادھر ادھر گھوم پھر کر پھر اندر آ گئی۔ بے اختیار آئینے کے آگے کھڑی ہو گئی۔ بڑی حسرت سے اپنی صورت دیکھنے لگی۔ یوں لگا آج یہ صورت اجڑ گئی ہے۔

روپ کا پتھی اڑ گیا ہے۔۔۔۔۔

اونہ۔۔۔۔۔

اس نے زور سے پاؤں فرش پر مارا۔۔۔۔۔ آخر مجھے اس کی پروا کیوں ہو۔؟ کیوں کروں میں اس کی پروا۔۔۔۔۔ مجھے بتانا چاہتا ہے کہ

دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ حسین عورتیں ہیں۔ اور اسے میری ذرا بھی پروا نہیں ہے۔۔۔۔۔؟

وہ۔۔۔۔۔ وہ قابل ہی نہیں تھا۔ خواہ مخواہ میں نے اسے سر پر چڑھانے کی کوشش کی۔

منٹیں کیں۔ معافیاں مانگیں۔ بھلا ایسے بدنیت انسان سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔  
جو معاف کر دیتے ہیں۔ وہ کوئی بدلے لیتے ہیں۔ بدلہ لینا کیا اچھے انسانوں کا کام ہے۔

اونہہ۔۔۔۔۔

میں اسے فرشتہ سمجھ بیٹھی تھی۔ کیا فرشتے ایسے ہوتے ہیں۔ سب مرد ہر جائی ہوتے ہیں اور  
تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے رملی۔۔۔۔۔؟

آئیے نے پوچھا۔۔۔۔۔

تم نے کیا کیا۔۔۔۔۔ تمہیں کچھ یاد ہے؟

ایک کراہ کے ساتھ رملی شیشے کے آگے سے ہٹ گئی۔ اور پھر معاذ کی اسٹڈی روم میں چلی گئی  
یونہی ایک ایک کاغذ کو اٹھا کر دیکھتی رہی۔ ان پر زوں کو دیکھنے کا کیا فائدہ ہے رملی اصل بات تو وہ  
تجھے بتا گیا ہے۔ ہاں اس بات کا تو غصہ ہے۔ بھلا اصل بات بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور بھی  
مرد بدویا نیتاں کرتے ہوں گے تو کیا اپنی بیویوں کو بتا کر جاتے ہوں گے۔۔۔۔۔؟ بتا کر  
جانے کا مطلب تو یہ ہے کہ بیوی اس آگ میں مسلسل جلتی رہے اچھا اب وہ مجھے جلا جلا کر مارنا  
چاہتا ہے۔۔۔۔۔ مگر میں کیوں جلوں۔۔۔۔۔؟ میں ہرگز نہیں جلوں گی۔ جلتی تو وہ  
بیویاں ہیں جو اپنے شوہر پر مرتی ہیں۔ میں کیوں مروں گی ایسے خبیث انسان پر۔۔۔۔۔ اچھا  
ہے میں نے تو اسے کبھی پسند ہی نہیں کیا۔۔۔۔۔  
غصے سے بل کھا کر وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل آئی۔

بھلا مجھے پروا کیوں ہو۔۔۔۔۔؟ جو مرضی ہو جائے۔۔۔۔۔ میں نے پہلے کبھی

اس کے دن رات کا حساب رکھا ہے جو آج پروا کروں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں پہلے کہاں کہاں جاتا ہوگا  
کیا بھروسہ ایسے مردوں کا۔۔۔۔۔ بیویوں کے سامنے اپنی پارسائی کے قصے  
سناتے ہیں اور کر تو ت یہ ہیں۔۔۔۔۔ اونہہ۔۔۔۔۔  
آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بستر پر بیٹھی رہی۔۔۔۔۔ پھر لیٹ گئی۔۔۔۔۔ سیدھی پت۔۔۔۔۔ چھت پر  
نظریں جمائیں تو تکیے میں سے معاذ کی خوشبو نکل آئی او آ کر احساس۔۔۔۔۔ پت گئی۔

کیا فائدہ ایسے گھٹیا آدمی کے بارے میں سوچنے سے۔۔۔۔۔  
اب وہ کسی گندی عورت کی خوشامد کر رہا ہوگا۔ اس کی جھوٹی تعریف کر رہا ہوگا۔

وہ کم بختیں تو پیسے کی پیہر ہوتی ہیں۔ پیسے ہتھیا نے کے لئے کوئی کتیا اس کی جھوٹی خوشامد کر  
رہی ہوگی۔ ہر روز سینکڑوں بے وقوف آتے ہیں ان کے پاس۔۔۔۔۔ کتنوں کو بھگتا تی ہیں  
وہ چڑیلیں۔۔۔۔۔ اور مرد تو روز اول سے بے وقوف بنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔

بیوی کے ہاتھوں نہیں دوسری عورتوں کے ہاتھوں۔۔۔۔۔ میں طوائف نہیں ہوں۔  
میں جھوٹ نہیں بول سکتی، ہاں۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔

پھر اس نے جھلا کر کروٹ بدل لی۔۔۔۔۔

تو تکیے میں سے دوسرا جھونکا نکل آیا۔۔۔۔۔ پتہ نہیں معاذ کی خوشبو تکیوں میں کیوں بس گئی تھی۔  
جب وہ اس کے دل میں نہیں بس سکا تھا تو تکیوں میں کیوں بس گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی  
اسے اپنی شادی کی کچھ ابتدائی راتیں بھی یاد آ گئیں۔ معاذ قریب آ کر بیٹھتا تو یوں لگتا آگ کا  
ایک الاؤ قریب آ گیا ہے۔ پتہ نہیں اس میں اتنی تپش کیوں تھی؟ یہ تپش عشق کی علامت تھی بے  
خودی کی یا اس کے گرم جذباتوں کی۔۔۔۔۔

اس کے ہاتھ بہت گرم اور بہت بے تاب ہوتے تھے۔ ہاں کئی بار اس نے سوچا تھا۔ معاذ  
کی ابتدائی پرورش چونکہ گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ شہری مردوں کی نسبت بہت توانا اور  
مضبوط تھا۔ اس کے ہاتھ تو لوہے کے ہاتھ لگتے تھے۔ معاذ کی سانسوں میں سے ہمیشہ ایک ہیجان  
انگیز مہک نکلا کرتی تھی۔ اس مہک کو کسی بچے کی سانس کی مہک سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ مگر نہ  
جانے اس کی سانسوں میں سچائی کیوں بولتی تھی۔

وہ جب سو رہا ہوتا تب بھی اس کی خوشبودار سچ بولتی ہوئی سانسوں کی پھوار رملی کو بے چین کر  
دیتی۔۔۔۔۔ وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی مگر آنکھیں کھولتے ہی اس کی نظر اس کے بد  
صورت چہرے پر جا پڑتی اور وہ ٹوٹ پھوٹ جانے کی کیفیت ایک دم زائل ہو جاتی۔ پھر وہ دل  
موسس کر ایک دم کروٹ بدل لیتی۔ اٹھتے بیٹھتے ہوئے۔۔۔۔۔ چلتے پھرتے ہوئے۔۔۔۔۔

معاذ ایک فولادی آدمی لگتا تھا۔ چھا جائے والا۔۔۔۔۔  
ابھی ابھی۔۔۔۔۔ تو اسے ان سب باتوں کی سمجھ آئی تھی۔۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ تو اسے پتہ چلا تھا کہ مرد کی اصل کیا ہے۔

اور اس نے اپنی اصلیت دکھا بھی دی تھی۔

اچھا ہے وہ اور زیادہ نہیں جھکی تھی۔ اس کے آگے سر نہیں پٹکا تھا۔ وہ اس قابل تھا ہی نہیں۔

افوہ \_\_\_\_\_  
اس نے سر کو ادھر ادھر جھٹکا۔ وہ مسلسل معاذ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔  
اگر مجھے اس کی پروا نہیں \_\_\_\_\_ مجھے اس کے اس طرح چلے جانے کا قلق نہیں  
\_\_\_\_\_ میں اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتی تو مسلسل اس کے بارے میں کیوں سوچے جا رہی  
ہوں۔؟ \_\_\_\_\_

مجھے واقعی اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے \_\_\_\_\_  
بلا سے وہ جہاں بھی جائے۔ گندگی میں منہ مارے یا غلاظت سونگھتا پھرے \_\_\_\_\_  
لعنت بھیجو اس کے ہر خیال پر \_\_\_\_\_  
مگر اس نے کیا جرم کیا ہے \_\_\_\_\_؟ رملی کے ضمیر نے کچوکا لگایا۔  
تسبی نے ہر طریقے سے اسے بتایا ہے کہ تم اسے ناپسند کرتی ہو۔ کوئی مرد اپنی باہر کی  
کاروائیاں اپنی بیوی کو نہیں بتاتا۔ دیکھو \_\_\_\_\_ معاذ کتنا مختلف مرد ہے \_\_\_\_\_؟ وہ یہ سب  
ضرورت سے مجبور ہو کر رہا ہے \_\_\_\_\_ اگر طبعاً عیاش ہوتا تو کیا تمہیں بتا کر جاتا۔۔۔۔۔  
نہیں بتایا تو اس نے اس لئے ہے کہ میں اذیت میں مبتلا رہوں \_\_\_\_\_  
تو تم کیوں ہوتی ہو اذیت میں مبتلا \_\_\_\_\_ لعنت بھیجو اس کے ہر خیال پر اور سکون سے  
سوجاؤ \_\_\_\_\_

سوجاؤں \_\_\_\_\_  
ہاں ہاں سوجاؤ اور یوں سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں \_\_\_\_\_  
مگر نیند بھی تو آئے \_\_\_\_\_  
نیند کہاں چلی گئی آج \_\_\_\_\_  
پتہ نہیں وہ کہاں بیٹھا ہو گا \_\_\_\_\_؟ کیسی عورت ہو گی وہ کہینی \_\_\_\_\_ اونہ  
۔۔۔۔۔ اسے ایک دم ہسپتال کا زمانہ یاد آ گیا۔ جب نرس آ کر اسے معاذ کی دیوانگی کے بارے  
میں بتایا کرتی تھی۔ اور وہ چاہتی تھی نرس سے کہہ دے۔ تم لے لو میرے شوہر کو۔۔۔۔۔!  
نہیں رملی۔! اپنا شوہر کسی کو سونپا نہیں جاسکتا۔ اپنا شوہر تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔  
یہ بڑی دکھ کا کام ہے \_\_\_\_\_  
حالانکہ تجھے اس کی پروا نہیں \_\_\_\_\_ تو اس سے ہمیشہ نفرت کرتی رہی ہے۔

مگر یہ جوشو ہر بیوی کا رشتہ ہے نا؟ بس \_\_\_\_\_ ہے بڑا ذلیل رشتہ \_\_\_\_\_ اس کی  
کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ دور رہ کر قریب ہوتے ہیں \_\_\_\_\_ قریب ہوں تو دوریاں ہی  
دوریاں ہوتی ہیں۔

اف میں کیا کروں \_\_\_\_\_؟  
کیا تو نے کبھی اسے اپنا شوہر سمجھا \_\_\_\_\_؟  
اب تو سمجھنے لگی تھی \_\_\_\_\_؟  
تو اس کے لئے کیا کیا تو نے \_\_\_\_\_ اپنی انا تک تو بھینٹ نہیں چڑھائی اسے منانے  
کے لئے کیا کیا \_\_\_\_\_؟  
کیا کرتی میں \_\_\_\_\_ میں ایک عورت ہوں۔ اور اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہوں  
\_\_\_\_\_؟  
ہاں تو سب کر سکتی ہے \_\_\_\_\_ وہ سب جو اس وقت ایک عورت معاذ کے ساتھ کر رہی  
ہو گی \_\_\_\_\_

تو نے سنا نہیں شاعر کہتا ہے \_\_\_\_\_  
میںوں کنجری بننا عیب نہیں  
میںوں کنج کے ڈھول مناؤں دے  
اپنے سا جن کو پرچانا عیب نہیں \_\_\_\_\_  
نہیں میں یہ سب نہیں کر سکتی \_\_\_\_\_ اس نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔  
گھڑی پر نظر چلی گئی۔ دو بج رہے تھے اور وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور مسلسل اس کے  
بارے میں سوچ رہی تھی۔ جس کی اسے پروا نہیں تھی۔  
اب نہیں سوچوں گی اس کے بارے میں \_\_\_\_\_ اس نے ہاتھ بڑھا کے بتی گل کر دی۔  
اور آنکھیں موند لیں۔

وہ تو کہیں صبح اپنا مکروہ چہرہ لے کر آئے گا \_\_\_\_\_  
پھر میں کس کے بارے میں سوچوں \_\_\_\_\_  
اندھیرا ہوتے ہی اچانک اسے شان بھائی یاد آ گئے۔ شان بھائی دیکھنے میں کتنے شاندار مرد  
تھے۔ مگر ان کا باطن کتنا بد صورت تھا۔ اف کچھ باجی بیجاری۔۔۔۔۔ ایسے بدطیعت آدمی کے

ابھی پلک لگی تھی۔ ابھی موجو کے رونے سے آنکھ کھل گئی۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ باورچی خانے میں گئی۔ بوتل بنا کے اس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ جسے موجو نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل کر ساتھ والے کمرے میں معاذ سوراہا تھا۔ یہ کب آیا؟ اس نے فوراً دیوار گیر کلاک کے طرف دیکھا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ شاید صبح ہونے سے پہلے آ گیا۔ اس نے غور سے سوئے ہوئے معاذ کو دیکھا۔ اب اس نے کپڑے بھی بدلے ہوئے تھے۔ رات کا کرتا اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔

یہ کپڑے کس وقت بدل لیے؟ رملی کو حیرت ہونے لگی۔ صبح تین بجے تک تو وہ کروٹیں بدلتی رہی تھی اور کراہتی رہی تھی۔ ذرا کی ذرا ایسا سوئی کہ کسی کے آنے جانے کی۔ سدھ نہ رہی۔

کیسا بے سدھ سوراہا ہے؟  
رملی کو غصہ آنے لگا۔ جیسے بے دم ہو کر آیا ہو۔ اس کا دل چاہا کہ معاذ کو بالوں سے پکڑ کر جگا دے۔ اس کا گریبان پھاڑ ڈالے۔ اور اس کے منہ پر خوب تھپڑ لگائے۔  
گھبرا کر وہ صحن میں نکل گئی۔

نومو لو دی صبح طلوع ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ دن کا آغاز ہو رہا تھا۔ ہر نظارہ کروٹ لے کر جو ان ہو رہا تھا۔

باہر بالکل نیا موسم تھا۔  
جس طرح اس کے اندر ایک بالکل نیا موسم جنم لے چکا تھا۔  
وہ تمام شب جلتی کڑھتی رہی تھی۔ مگر اب تھکی تھکی بے دم نہیں تھی۔ بلکہ اس کے اندر عجیب سا دلولہ اور جذبہ جنم لے رہا تھا۔  
اب معاذ پر ایک عجیب سا غصہ آ رہا تھا۔

ساتھ گزارہ کر رہی ہیں۔

خوبصورت تو

وہ لرز گئی

یاور بھی۔ مگر اندر سے کتنا گھناؤنا؟

تھو۔۔۔۔۔ یاور گندہ آدمی تھا۔ جس طرح طوائف گندی ہوتی ہے۔

اور رملی دنیا میں اچھا کون ہے؟

کون ہے اچھا؟

اپنے خیالی تخت سے نیچے اتر آؤ۔ اتنی ٹھوکریں کھائیں اور زندگی کا قرینہ نہ سیکھا۔

اچھا یا برا پندل ہوتا ہے رملی

اور جودل کے قریب بیٹھے ہوں ان کو دل کی لگیوں میں تلاش کر لیتے ہیں۔ اچھائیاں تلاش

کرنے سے ملتی ہیں۔ انسانوں کو کھو جتنا پڑتا ہے۔ دینے بڑی محنت سے تلاش کئے

جاتے ہیں۔

اور اچھائی کا بیج پہلے اپنے من میں پھونتا ہے

محبت وہ سورج ہے جس کی شعاع پہلے اپنے تن سے نکلتی ہے۔ اور معاذ تم تو

اتنے اچھے تھے۔

بے جی کے پیارے بیٹے تھے

تمہاری سانسوں میں آسمانی خوشبو آتی تھی

اور معاذ اب تو میں ہر رات اس خوشبو میں جھولا جھولتی سو جاتی تھی

اچھا معاذ تم نے اتنی گندی حرکت کیوں کی؟

رملی تکیے کو پینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مگر یہ سب کیوں \_\_\_\_\_ یہ سب کیوں \_\_\_\_\_  
دور دور چھپاتے ہوئے پرندے اس سے سوال کر رہے تھے۔

مجھے تو اس کی پروا ہی نہیں۔ ایسے بد صورت اور بد کردار آدمی سے میرا کیا ناتا؟ میں اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھوں گی۔ نظر اٹھا کے اس کی طرف دیکھوں گی بھی نہیں \_\_\_\_\_ بات بھی نہیں کروں گی۔ اسے بتا دوں گی۔ اگر وہ میری بیج پر انگارے بچھا سکتا ہے تو میں بھی اس کے بغیر رہ سکتی ہوں۔

بھلا مجھے کیوں پروا ہو \_\_\_\_\_  
جلتی کر رہتی وہ پھر اندر آ گئی۔

معاذ اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ پکڑ کے اسے سیدھا کر دے۔ شاید اس طرح سویا سویا تھک گیا ہوگا۔

(مگر میں کیوں اس کی اتنی پروا کر رہی ہوں)

رملی کا دل چاہا اس کے قریب بیٹھ جائے۔ اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لے اور پھر اس کا سر پکڑ کے اپنے زانو پر رکھ لے اور کہے اب دیکھتی ہوں میرا حلقہ توڑ کے تم کہاں جا سکتے ہو

(افوہ! اسے پھر غصہ آیا ایسے گندے آدمی کے لئے وہ کیسی اچھی اچھی باتیں سوچ رہی تھی)  
اسی وقت اچانک اسے بے جی کی باتیں یاد آ گئیں \_\_\_\_\_  
ایک روز ایک خاتون بے جی کے پاس رونا روئے آئی تھی کہ اس کا شوہر رات کو بہت دیر سے آتا ہے۔

تو بے جی نے کہا تھا۔

دیر سے آنے کی وجہ اس سے دریافت نہ کیا کرو۔ اپنے آپ سے پوچھو \_\_\_\_\_  
عورت وہی اچھی ہوتی ہے جو رات کو اپنے شوہر کو پرچالے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے گھر کو بہت سجا بنا کر رکھا ہے۔ بچوں کا بھی دھیان رکھتی ہو۔ گھر میں اللہ کا دیاسب کچھ ہے۔ مرد جتنا زیادہ کماتا ہے۔ اتنے زیادہ اس کے ناز اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ کمانے والے مرد اور بے تحاشا آسائش مہیا کرنے والے شوہر اپنی بیویوں سے بے پناہ توقعات رکھتے ہیں۔ زمانے کے مطابق رہنا ہی ضروری نہیں اپنے شوہر کی توقعات اور مطالبات کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔

بے جی میں سارا دن کی تھکی ہاری ہوتی ہوں اس عورت نے بسور کر کہا۔ میرا دل چاہتا ہے شام کو جب شوہر گھر آئے تو میرے ناز اٹھائے مجھے کہیں لے کر جائے۔ سینما دکھائے دوستوں کے ہاں گپ شپ کرنے جائیں۔ مگر وہ تو باہر سے ہی اپنا موڈ خراب کر کے گھر آتا ہے پھر ذرا سی بات پر آگ بگولہ ہو کر باہر نکل جاتا ہے اور کہیں رات گئے آتا ہے \_\_\_\_\_  
اپنی رات اپنے شوہر کو دو \_\_\_\_\_ بے جی نے آہستہ سے کہا۔

دن کے کام کم کر دو۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ صاف ستھرا خوبصورت گھر مرد کو آسودگی دیتا ہے۔ مگر مرد کو زندگی میں ایک تھکی ہوئی عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بہت تھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے باہر کی عورتوں کی طرف دوڑتا ہے۔ تم رات کو اس کو ایک تازہ دم خوش مزاج اور خوش لباس عورت کی طرح ملا کرو۔ زندگی کے معمول سے ہٹ کر باتیں کیا کرو ایک رات میں اسے تازہ دم اور ہلکا پھلکا کر دیا کرو۔ پھر وہ اپنی جنت اپنے بیدروم میں آباد کرنے لگ جائے گا۔

عورتیں زندگی کی دوڑ میں مردوں سے پہلے تھک جاتی ہیں اس لئے مرد باہر کا رخ کرتے ہیں \_\_\_\_\_

مگر میں تھکی ہوئی عورت نہیں ہوں۔ رملی نے سوچا \_\_\_\_\_  
تو ایک بیزار عورت ہے۔ اور بے زار عورت کے قرب سے مرد بھاگ جاتا ہے۔  
رملی پھر باہر نکل گی۔ اور جا کر باورچی خانے کا کام کرنے لگی۔ پتہ نہیں بے جی یہاں ہوتیں تو اس صورت حال کا کیا اثر لیتیں۔ آج اس نے شکر کیا کہ بے جی یہاں نہیں تھیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں تو معاذ کبھی رات کو باہر رہنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ گھر میں ایک بزرگ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ ایسا بزرگ جس کا احترام شوہر کرتا ہو۔

بزرگ گھر کا حجاب ہوتے ہیں \_\_\_\_\_

گھر کا پردہ رکھ لیتے ہیں \_\_\_\_\_

ہمارے لوگ کتنے بھی کمینے ہو جائیں۔ بزرگ کے سامنے نگاہ جھکا لیتے ہیں۔  
اگر بے جی یہاں ہوتیں تو معاذ کو کبھی کہیں جانے کی جرات نہ ہوتی۔ رات کو سونے سے پہلے معاذ بے جی کے پاس ضرور بیٹھتا تھا۔ کبھی ان کی ٹانگیں دبا دیتا۔ سرد بادی تاد خواہ مع کرتی رہیں۔ مگر معاذ سونے سے پہلے اپنی ماں کے کمرے میں ضرور جایا کرتا تھا۔ عام بیویوں کی طرح رملی کو اس بات سے غصہ نہیں آتا تھا۔ نہ ہی حسد محسوس ہوتا تھا۔ ہاں اسے یہ بات عجیب ضرور لگتی



کئی دنوں تک رملی کا موڈ معاذ کے ساتھ بگڑا رہا۔ نہ اس کے ساتھ سیدھے منہ بات کرتی نہ  
 ہنگ سے اس کی کسی بات کا جواب دیتی۔ اس کا ہر کام منہ پھلا کے کرتی جیسے احسان کر رہی ہو  
 کئی بار اس کے سامنے اس نے موجد کو پھینک دیا۔ مگر معاذ پر کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا  
 تھا وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور مطمئن تھا۔ جھٹ موجد کو پکڑ کے سینے سے لگا لیتا۔ اور سہلانے لگتا  
 کبھی پلٹ کر یہ نہ کہتا رملی تم نے بے قصور کیوں مار دیا کس کے بدلے لے رہی ہو۔  
 گھر کا ہر کام معمول کے مطابق جاری تھا مگر رملی کبھی کبھی بڑبڑ کر دیتی اس کا دل چاہتا  
 معاذ کو کوئی بات بری لگے وہ رملی کے ساتھ الجھ پڑے پھر رملی کو بھی اپنے دل کا غصہ نکالنے کا موقع  
 مل جائے رملی کے اندر بہت گھٹن رہی۔ وہ اس گھٹن کو کسی بہانے نکالنا چاہتی تھی وہ معاذ کے ساتھ  
 لڑنا چاہتی تھی بالکل بیویوں والے انداز میں  
 ایک بار معاذ نے کہا تھا نا کہ تم لڑ جھگڑ کے اپنی بات منوایا کرو جب بیویاں جیتی چلاتی ہیں اور  
 شوہروں کو برا بھلا کہتی ہیں تو دراصل وہ اپنے استحقاق کو اور مضبوط کرتی ہیں لڑنا جھگڑنا بیویوں کا  
 اظہار محبت ہوتا ہے  
 اچھا میں لڑ جھگڑ کر اظہار محبت کروں؟  
 خود ہی اپنے دل سے پوچھتی ایسے گندے آدمی کے ساتھ جواب باہر رہنے لگا ہے۔  
 اس کو گندہ آدمی کس نے بنایا؟  
 کس نے اس کے اعتماد کو مجروح کیا؟  
 کس نے اسے بد صورتی کا احساس دلایا؟  
 کون اس سے کھینچا کھنچا رہتا ہے؟  
 اب میں عورت ذات ہو کر اس کے آگے جھکوں اور اپنے منہ سے کہوں۔۔۔۔۔  
 اور لڑ جھگڑ کے اس کو بتاؤں کہ میں اس کی پروا کرتی ہوں

اس نے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گیا۔  
 آج رملی نے جواب میں خدا حافظ بالکل نہیں کہا۔ منہ پھلائے کھڑی رہی۔ اور آہستہ  
 آہستہ میز پر سے برتن سمیٹنے لگی۔  
 کار اشارت ہونے کی آواز آئی اور پھر کار گھر سے نکل گئی۔ اس وقت رملی کو چھ جوں رونا

آیا

جیسے آج اس نے پہلی بار معاذ کو کھو دیا ہو۔  
 پگلی تو نے اسے پایا ہی کب تھا وہ تیرا فریب نظر تھا  
 کیا اپنانے کے ڈھنگ ایسے ہوتے ہیں؟  
 اور آج جو تو نے اس کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس کے بعد وہ تیری کیا پروا کرے گا؟  
 شوہر کے ساتھ بے اعتنائی برتی جائے تو وہ اور بھی دور چلا جاتا ہے۔ اس کے سامنے بہت  
 سے راستے ہوتے ہیں۔ ایک نہ سہی دوسرا سہی شوہر صبر نہیں کرتا۔ انتظار نہیں کرتا۔  
 وقت ضائع نہیں کرتا اس کی زندگی روزمرہ کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں کل  
 نہیں ہوتا وہ آج بھر پورا انداز میں اپنی مسرتوں کے ساتھ جینا چاہتا  
 ہے۔ ہر آج اس کا اپنا آج ہوتا ہے  
 تو کس کل کے انتظار میں ہے؟  
 تیرا کل نہ آیا تو کیا ہوگا؟

شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے تھوڑی سی بے غیرتی کی بھی ضرورت ہوتی ہے  
 بہت سی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے بار بار اپنے آپ کو زمین سے اٹھانا پڑتا ہے۔  
 اور تیرا شوہر تو اتنا اچھا تھا۔ اس نے ایک بار بھی تمہیں زمین پر نہیں گرایا تھا۔ آج تیری  
 زندگی میں پہلی بار آیا ہے اس آج کا فیصلہ آج ہی کر لے یوں تن کر  
 رہے گی تو وہ تجھے بھی نہیں منائے گا۔ اور تو کس مان پر اکر رہی ہے تو تو خود عیبوں بھری  
 ہے لدی ہوئی شاخ کی طرح پیا کے آگے جھک جا

آج تجھے اس کو مان لینا چاہیے تھا  
 کل کی رات کے بعد ایسی رات نہ آنی چاہیے تھی  
 آنکھیں کھول اب اور کیا گنونا چاہتی ہے؟

اور لڑنے جھگڑنے پر تم تلی بیٹھی ہو۔۔۔۔۔

رملی کا دل چاہتا وہ معاذ کا گریبان پھاڑ ڈالے ایک زوردار لڑائی کرے یہ جو مطلع ابر آلود  
ساتھا۔ کئی دنوں سے زمین کے آسمان پر کالی کالی گھٹائیں تلی کھڑی تھیں۔ ان سے رملی بوجھل ہو گئی  
تھی۔ وہ چاہتی تھی یہ گھٹائیں کھل کے برس جائیں مطلع پھر صاف ہو جائے۔ ساری کدورت اپنے  
آپ نکل جائے۔

تب اسے احساس ہوتا۔ ازدواجی زندگی میں کبھی کبھار لڑنا کتنا صحت مند عمل ہے۔ بلکہ نفرت  
کا غصہ آخر نکال لینا چاہیے۔ دل میں زہر لے کر پھرنا اور لوگوں کو ہنس ہنس کر دکھانا اچھا فعل نہیں  
اور اگر میاں بیوی اپنا زہر نہ نکالتے رہیں تو یہ رشتہ کتنا زہریلا ہو جائے۔

رملی اپنا زہر نہ نکالنا چاہتی تھی۔ بیویوں والے انداز میں معاذ سے لڑنا چاہتی تھی اونچی اونچی بول  
کے چیخ چلا کے اپنی تقدیر کو کوس کے اپنے آپ کو بھنڈا کرنا چاہتی تھی۔ دل کے اند آگ سی لگی ہوئی تھی۔  
اور یہ ظالم موقع ہی نہ دے رہا تھا۔

کیسا مطمئن تھا۔ جیسے اسے اب رملی سے کوئی شکوہ نہیں؟

کیوں شکوہ نہیں؟

رملی کا دل گھبرا اٹھا۔ جب گلے شکوے کی حاجت نہیں رہتی۔ تب دلوں سے محبت اٹھ جاتی ہے۔  
کیا واقعی اب معاذ کو رملی کی پروا نہیں ہے۔ اسی پروا کو جاننے کے لئے وہ ایک بھر پورا انداز  
میں اس سے لڑنا چاہتی تھی اور وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی بے حسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔  
لڑائی کر کے اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتی تھی۔

اب وہ معاذ کی ہر بات پر شک کرنے لگی تھی۔ پہلے بھی کئی بار اسے دفتر میں دیر ہو جاتی تھی۔  
تب وہ اس تاخیر پر بہت خوش ہوتی تھی۔ معاذ تھکا ہارا گھر کے اندر داخل ہوتا تو رملی سے کسی روایتی  
جملے کی تمنا کرتا۔

یعنی

اتنی دیر کہاں لگا دی؟

کہاں رہ گئے تھے۔ میں انتظار کر کے تھک گئی تھی۔ آپ کو معلوم نہیں تھا آج  
میں نے اپنی امی جان کے ہاں جانا تھا۔

مگر رملی تو کچھ بھی نہیں کہتی تھی۔ بس ایک سرودی نگاہ اس پہ ڈال کے منہ بند کر لیتی تب وہ

دیہی کہنے لگتا۔

آج دفتر میں ایک غیر ملکی ٹیم آگئی تھی۔

یا مہینے کے اختتام پر کام ذرا بڑھ جاتا ہے۔

یا آج اتنا زیادہ کام کرنا پڑا کہ میں تھک گیا ہوں۔

وہ کہتا رہتا اور رملی سستی رہتی۔ لیکن اب جب معاذ کو دفتر میں دیر ہو جاتی رملی کا دل گھبرانے  
لگتا۔ سو طرح کے وسوسے ستاتے۔ بار بار گھڑی کو دیکھتی۔ بار بار دروازے کی طرف  
دیکھتی۔ کوئی موٹر سڑک سے گزر جاتی تو اس کا دل دھڑک اٹھتا۔ شام ہوتی تو اسے بیلکھ کی بیماری  
مک جاتی۔ اس کا دل چاہتا کہ معاذ جلدی سے گھر آ جائے اور جس روز جلدی سے گھر نہیں آتا تھا  
اس روز وہ کھولتی رہی۔۔۔۔۔

اب تو کبھی کبھی معاذ راتوں کو بھی دیر سے آنے لگا تھا۔ وہ کھانا سامنے رکھے انتظار میں بیٹھی  
رہتی۔۔۔۔۔ موجو سو جاتا۔ سارے گھر پر سناٹا چھا جاتا۔ نوکر چاکر سب اپنے کوارٹروں میں چلے  
جاتے۔۔۔۔۔ سارے گھر سے اسے وحشت ہونے لگتی۔ بے جی یہاں تھیں۔ تو وہ سارا دن ان  
کے ساتھ باتیں کرتی رہتی تھی۔ اسے کبھی معاذ کے ساتھ بے شمار باتیں کرنے کا خیال نہیں آتا تھا۔  
اب بے جی بھی نہیں تھیں۔ تو رات کو اس کا دل گھبرانے لگتا کسی سے بے شمار باتیں کرنے کی تمنا دل  
میں جاگ اٹھتی۔ معاذ بھی تو اب زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا۔ اگر وقت پر گھر آ جاتا تو تھوڑی دیر  
موجو کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ پھر کھانا کھا کے اسٹیڈی میں چلا جاتا۔ یا بس کوئی ادھر ادھر کی بات اس  
سے کر لیتا۔ مگر گھر میں ہوتا تو گھر بھر ابھرا لگتا۔ اسے بھی تسلی سی رہتی۔

لیکن جس روز وہ رات کو دیر سے آتا رملی کی جان پر بن جاتی۔ سوچتی پتہ نہیں کہاں چلا گیا  
ہوگا۔۔۔۔۔؟

پتہ نہیں کس کے پاس چلا گیا ہوگا۔۔۔۔۔؟

پتہ نہیں کیا کر رہا ہوگا۔۔۔۔۔؟

پھر اپنے آپ سے کہتی۔۔۔۔۔ تجھے اس کا اتنا فکر کیوں ہے۔۔۔۔۔؟ جہاں بھی

جائے۔۔۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

ایسے بد صورت آدمی کے لئے تو اتنی پریشان کیوں ہوتی ہے۔۔۔۔۔؟

مگر وہ میرا خاوند ہے۔۔۔۔۔



اور یہی تعلق کیا کم ہے \_\_\_\_\_؟

تو اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ خاوند خاوند ہی ہوتا ہے۔ بد صورت ہو یا خوب صورت اس کے ساتھ ایک ظالم سا تعلق ہوتا ہے۔

جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا \_\_\_\_\_

اس کی عدم موجودگی میں بڑے بڑے منصوبے بناتی کہ اب وہ آئے گا تو خوب لڑے گی یہ

کہے گی \_\_\_\_\_ وہ کہے گی \_\_\_\_\_

کھلتی رہتی۔ فقرے ترتیب دیتی رہتی۔

لیکن جب وہ آ جاتا اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا۔ پھر بڑی شفقت سے پاس بیٹھ جاتا اور بس کر کہتا۔

آئی ایم ساری جان \_\_\_\_\_ آج واقعی دیر ہو گئی تھی۔ کچھ پرانے دوست مل گئے تھے۔ وہ زبردستی ہوٹل میں لے گئے۔

پھر وہاں باتوں باتوں میں اتنی دیر ہو گئی کہ \_\_\_\_\_؟

تو وہ بس اسے دیکھتی رہ جاتی۔

ٹھنڈی آہ بھر کر چپ کر جاتی۔

وہ پوچھتا \_\_\_\_\_

تم نے کھانا کھا لیا ہے۔

نہیں \_\_\_\_\_ وہ آہستہ سے کہتی۔

اوہو رومو جان! تم میرے انتظار میں بھوکے نہ رہا کرو۔ پلیز کھانا کھا لیا کرو افوہ \_\_\_\_\_

اٹھو جلدی سے کھانا کھاؤ۔ لاؤ میں سالن گرم کر کے لا دوں۔

وہ جلدی سے کھڑا ہو جاتا۔

تب رملی کو غصہ آنے لگتا۔ پتہ نہیں وہ اس کے سامنے اتنی بودی کیوں ثابت ہوتی تھی۔

صاف صاف کہہ دیتی کہ اس طرح باتیں نہ بناؤ سیدھے سیدھے بتاؤ اتنی دیر کہاں لگا کے آئے ہو \_\_\_\_\_؟

مگر اے لڑنے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ معاذ دو چار ادھر ادھر کی باتیں کر کے اٹھ کر چلا جاتا۔ اور وہ جلتی کڑھتی وہیں بیٹھی رہ جاتی۔

کئی دنوں سے اس کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ اس نے منہ پھلا رکھا تھا۔ مگر معاذ کو نظر ہی نہیں آتا تھا۔

کسی روز پوچھ ہی لیتا کہ بھی تمہیں کیا ہوا ہے \_\_\_\_\_؟ پوچھنے کی بجائے اس نے

دہ تر باہر ہنا شروع کر دیا تھا۔

زندگی میں کتنے دکھ ہیں۔ رملی سوچا کرتی۔ جب اس کی شادی ہوئی تھی تو وہ اپنے آپ کو

کی بد قسمت ترین عورت سمجھنے لگی تھی۔ کیونکہ اس کا شوہر بد صورت تھا۔ اور اسے ساری دنیا ہی

بورت نظر آرہی تھی۔ مگر اب جب اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں تو وہ سوچ رہی تھی۔ زندگی صرف

مسئلے کا نام نہیں \_\_\_\_\_ کتنی عجیب بات ہے \_\_\_\_\_ کہ شوہر بد صورت بھی ہو اور پروا

نہ نہ کرتا ہو۔ اپنا زیادہ وقت باہر کے لوگوں میں گزارنا شروع کر دے اور کتنی بڑی بد قسمتی ہے۔

یک دن آرام سے اپنی بیوی کی نفی کر دے \_\_\_\_\_؟

کیا کہیں ایسا ہوا ہے \_\_\_\_\_؟

بیوی بھی ایسی جو چاندی کے تاروں سے گندھی ہوئی ہو \_\_\_\_\_؟

تب رملی کو اس مہاورے کا مطلب سمجھ میں آتا \_\_\_\_\_ وہ جو کہتے ہیں سہاگن وہی

سے پیا چاہے۔ عورت کا حسن صورت خاک میں مل جاتا ہے۔ اگر شوہر اسے نہ چاہے وہ معاذ کے

س میں اپنی پرانی چاہت جگانا چاہتی تھی۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ کہاں پر تیر خطا ہو

لیا \_\_\_\_\_ کہاں پر نشانہ چوک گیا \_\_\_\_\_

گذرے وقت کو ہاتھ جوڑ کے بلاتی تھی۔ اور وہ وقت پاس نہیں آتا تھا۔ پھر وہ اپنے ہی دل

لوتی \_\_\_\_\_ اور کہتی تو پہلے جیسا ہو جا \_\_\_\_\_ تو دل صاف انکار کر دیتا۔ شاید اس

بل کو بد صورت آدمی بھا گیا تھا۔ اور کیسی بد نصیبی تھی کہ اب اس بد صورت آدمی کو وہ نظر ہی نہ آتی

تھی۔ گھر میں بڑی ایک فالتو چیز کی طرح وہ اسے دیکھ کر اور کبھی جھاڑ پونچھ کر گزر جاتا تھا۔

پچھلے دو چار ہفتوں سے کبھی کبھی ایک عورت معاذ کو فون کر دیتی تھی۔ معاذ کو پہلے بھی کئی

فون آئے تھے۔ کبھی بے جی اٹھا لیتیں اور کبھی رملی۔ کاروبار کے سلسلے میں

\_\_\_\_\_ یا دفتری معلومات کے لئے کئی عورتیں فون کر لیتی تھیں۔ مگر رملی کو کبھی برا محسوس نہیں

ہوتا تھا۔ اب اگر کسی عورت کا فون آتا تو وہ کرید کرید کر اس کا نام اور اتہ پتہ پوچھتی۔ اور یہ بھی

پوچھتی کہ اسے معاذ سے کیا کام ہے۔ رملی چھپ چھپ کے معاذ کے فون بھی سنا کرتی وہ کسی کو فون

کرتا ہے اور کس کے ساتھ کیا بات کرتا ہے \_\_\_\_\_ وہ اس کے کپڑے لٹکاتے ہوئے اس کی

جیبیں ٹٹولا کرتی۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کی دفتر کی میز پر جا کر تمام کاغذات الٹ پلٹ کر کے دیکھا کرتی۔ اسے کبھی کہیں سے معاذ کی کسی رومانوی کاروائی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ اس کے باوجود وہ ہر وقت سلگتی رہتی۔ تڑپتی رہتی۔۔۔۔۔

اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس نے اپنی مٹھی میں ایک جگنو پکڑا ہوا تھا۔ ایک دن غلطی سے مٹھی کھول بیٹھی اوہ جگنو اڑ گیا۔ اب اس ننھی سی روشنی کو وہ دیوانہ وار ڈھونڈتی پھرتی تھی۔

ایک دن معاذ کو دو پہر کا کھانا کھلاتے ہوئے بڑے لاچار سے انداز میں رملی ایک دم بولی۔ یہ رخسانہ کون ہے؟

پوچھنے کے بعد رملی کو حیرت ہوئی۔ اس کا انداز بالکل بیویوں والا تھا۔ وہی لب ولہجہ وہی کاٹ۔

معاذ نے نوالہ منہ میں ڈالا۔ اور نظر اٹھا کے دیکھا۔  
تو جلدی سے بولی۔

اکثر آپ کو فون کرتی ہے اور آپ کے معمولات کے بارے میں پوچھتی رہتی ہے۔  
ہے ایک عورت۔۔۔۔۔

معاذ نے دوسرا نوالہ توڑتے ہوئے جواب میں کہا۔  
کیسی عورت ہے؟

یہ پوچھتے ہوئے رملی کا لہجہ غصے سے کچھ اور تن گیا۔

معاذ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیئے بغیر نوالہ منہ میں ڈال لیا۔  
اس عورت کو آپ کب سے جانتے ہیں؟

اب رملی باقاعدہ لڑنے پر آمادہ نظر آتی تھی۔

کیسے لایعنی سوال کر رہی ہو۔ معاذ بولا۔ کاروباری دنیا میں ہزاروں عورتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر کوئی فون کرتا ہے تو ظاہر ہے اپنے کام کے لیے کرتا ہے؟

وہ آپ کو بہت پوچھتی ہے۔

معاذ مسکرا نے لگا۔ تم اتنا فکر کیوں کرتی ہو۔ تمہارا شوہر ایک بد صورت آدمی ہے۔ اس میں بھلا کون دلچسپی لے سکتا ہے۔ معاذ کے لہجے میں طنز تھا۔ مگر رملی کے اندر اپنی ہی آگ لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کی بات سمجھنے بغیر بولی۔

کیا یہ بہت خوبصورت عورت ہے؟  
معاذ نے نظریں جھکا لیں اور منہ ہی منہ میں مسکرا نے لگا۔ مسکراتا جاتا اور کھانا کھاتا جاتا۔  
اس کے اس طرح بے نیازی کے ساتھ کھانا کھانے پر رملی کو بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ معاذ کالب و لہجہ ترش نہیں ہو رہا تھا اس لئے وہ اپنے لب ولہجہ کی نجی اس پر ظاہر نہ کر سکتی تھی۔  
معاذ نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔ پھر پلیٹیں ایک طرف سرکا دیں۔ اور کہنیاں میز پر ٹکا کر رملی کی آنکھوں کی سیدھ میں دیکھتا ہوا بولا۔

کیا عورت کی صرف یہی خوبی ہے کہ وہ خوبصورت ہو؟  
رملی نے اس کی آنکھوں کی تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ شرمندگی کی ایک لہر دل سے اٹھی اور دماغ تک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے معاذ نے اس کے منہ پر پتھر مار دیا ہو۔

رملی اپنے لمبے ناخنوں سے میز کا کونا کریدنے لگی۔ معاذ نے ایک کینو اٹھایا اور اسے چھیل کر کھانے لگا۔

تم عورتوں کا خیال ہے کہ مرد صرف خوبصورت عورت پر مرتا ہے تم لوگ سوچتی ہو کہ صرف چہرے مرد کی کمزوری ہوتے ہیں؟ اور بس۔

رملی سن ہو گئی۔  
اس نے آرام سے سارا کینو کھایا۔ ہاتھ صاف کیے پھر کھڑا ہو گیا اور اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اور بڑے انداز سے مسکرا کر بولا۔

رمو جان! خوبصورت وہ عورت ہوتی ہے جسے اپنانے کا ڈھنگ آتا ہے۔ اور پھر باہر نکل گیا۔

اس نے لیٹے لیٹے سوچا یوں زندگی نہیں گزرے گی۔ اپنے سامنے اپنے شوہر کو جاتا ہوا دیکھوں اور روک نہ سکوں۔ اپنے سامنے اسے لٹتا ہوا دیکھوں۔ اسے ٹوٹتا پھوٹتا اور بکھرتا ہوا دیکھوں۔

اور کچھ نہ کر سکوں؟

مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟

تو سب کر سکتی ہے۔

کس طرح سے کروں؟

بس ذرا عقل کی ضرورت ہے۔

کہاں سے لاؤں عقل۔۔۔۔۔ کہاں سے لاؤں عقل؟

عقل کا پودا دکھ کے بیج سے نکلتا ہے اور کرب کی ہوا اس کی نمو کرتی ہے آندھیاں اسے پروان چڑھاتی ہیں اور اسے محرومیوں کی چھایا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اتنی دیر سے گنجلک راستوں سے گزری چلی آ رہی ہے۔ تار تار دامن کو بار بار چھڑا رہی ہے۔

اور ابھی پوچھتی ہے۔ عقل کہاں سے آئے گی؟

رملی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

بیوی بن جاؤ۔

تو کیا میں بیوی نہیں ہوں۔

بیویاں ایسی نہیں ہوتیں۔ اتنی کھردری۔۔۔۔۔ اتنی دور۔۔۔۔۔ اتنی اجنبی۔۔۔۔۔ اتنی گم صم۔۔۔۔۔

میں شرعاً اس کی بیوی ہوں۔ اس کو اس بات کا خیال ہونا چاہیے۔

مرد کو مجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو دن رات اس سے کہہ سکے۔ میں تم پر مرتی ہوں۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم مرے لئے دنیا کے خوبصورت ترین مرد ہو۔

اف تو یہ۔۔۔۔۔ یہ فلموں والے جیسے بھلا کوئی شریف زادی کہہ سکتی ہے۔

تو پھر شریف زادی فلموں کی ہیروئن کی طرح بار بار روتی کیوں ہے؟

میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ رملی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں پھر نر واکڑوا

بہت دنوں کے بعد آج پھر معاذ آئینے کے آگے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔

مرد کی تیاری اس کے ارادے کی مظہر ہوتی ہے۔ رملی اپنا دل پکڑ کے باہر نکل گئی۔ اور جا کر بے جی۔۔۔ کمرے میں ان کے بستر پر سیدھی چت لیٹ گئی۔ دکھ کی اس بھٹی سے وہ ایک بار پہلے بھی نکل چکی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا تھا اور سوچ لیا تھا کہ اب اس کے اندر حسد اور محرومی کی آندھیاں نہیں اٹھیں گی۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

اس کا دل کوئی چٹکیوں سے مسل رہا تھا۔ اور وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ کہ زندگی کے معاملے بھی عجیب ہیں۔ اور پھر زندگی کے پلو میں افسوس کی کوئی نہ کوئی گرہ تو لگی رہتی ہے۔ کبھی یہ دل تاسف سے خالی نہ ہوا۔ کبھی پچھتاوے۔ کبھی افسوس۔۔۔۔۔ یہ دونوں سائے آگے پیچھے چلتے ہیں۔ ان کے سحر سے زندگی نکلتی ہے یا نہیں۔

اس کا دل چاہا اس آجیل کو آگ لگا دے۔ جس میں اتنی گرہیں ہیں۔ ایک گرہ کھولتی ہے تو دوسری پڑ جاتی ہے۔

پچھلے کتنے دنوں سے زندگی کتنی ویران اور بیکل رہی۔

اور اپنی بیکلی کسی سے کہہ بھی نہ سکی۔

بس دلوں کی اداسیاں دلوں کی محرم ہوتی ہیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا دل مسلسل اداسیوں کی تہہ میں کیوں دبا جا رہا تھا۔

اس نے شروع میں اپنے شوہر کی پروا نہیں کی تھی۔ اب وہ بھی اس کی پروا نہیں کر رہا۔ جس طرح اس نے چور دروازے بنا لئے تھے۔ اسی طرح آج وہ بھی خارجی دروازہ بنا بیٹھا تھا۔ چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی۔ نہ بھی اتری تو

زندگی گزر رہی جائے گی۔

مگر نہیں۔

پھر دل کے آس پاس ٹھنڈی برف گرنے لگی۔

رملی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ کبھی کبھی جھانک کر تیار ہوتے ہوئے معاذ کو دیکھ لیتی اور جب دل رنج و الم میں ڈوب جاتا تو آ کر دروازے کا پٹ تھام کر کھڑی ہو جاتی۔

تو میں کیا کروں \_\_\_\_\_؟

تو میں کیا کروں \_\_\_\_\_

کس طرح۔۔۔۔۔ کس طرح۔۔۔۔۔ رملی نے اپنی پیشانی دروازے کے ساتھ ٹکادی۔

سب سے بڑی افیت کیا ہے \_\_\_\_\_؟

میں اتنی بہادر نہیں ہوں کہ یہ سب باتیں کہہ سکوں۔۔۔؟

یہ سب باتیں زبان سے کہنے کی نہیں ہیں۔۔۔۔۔

تو

رملی نے کھبرا کر چاروں طرف دیکھا \_\_\_\_\_

—

سارے دروازے اور کھڑکیاں زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ تو اتنی ہی نادان ہے اتنی ہی

بے وقوف ہے \_\_\_\_\_ احمق ہے یا بد نصیب \_\_\_\_\_

خدا یا میری مدد کر!

پل بل گذر رہا ہے \_\_\_\_\_ چم چم کرتی رات تیرے ٹھنھے ازار ہی ہے رات پھر جا  
گے گی۔ دل جلائے گی \_\_\_\_\_ سولی پہ لٹکے گی۔ ایک انا کا ناگ نہیں مارا جاتا \_\_\_\_\_  
\_\_\_\_\_ پر میں کیا کروں \_\_\_\_\_

جاؤ اس کا بازو تھام لو \_\_\_\_\_ روک دو اپنے ساجن کو \_\_\_\_\_ اس کے راستے  
میں پھولوں کی طرح بچھ جاؤ \_\_\_\_\_

دروازے دھڑ دھڑ بجنے لگے۔ وہ گھبرا کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔  
 حلیمی اور انکساری عورت کے زیور ہیں۔ میاں بیوی کے بیچ کوئی انا کی دلدل نہیں ہوتی۔

آج اس کے گلے میں بانہیں ڈال دو \_\_\_\_\_ کھرکی نے پتے کی بات کہی \_\_\_\_\_ میں \_\_\_\_\_

ہاں تم \_\_\_\_\_ آج میں کی ندی پار کر لوں۔ اور اس سے کہہ دو مجھے تمہارے باطن کا  
حسن نظر آ گیا ہے \_\_\_\_\_

میں۔۔۔ یعنی میں۔۔۔۔۔

اتنی گرجاؤں؟

یہ گونا نہیں ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوانے کہا۔ محبوب کے قدموں میں رہنا گونا نہیں ہے۔

اس کے دل میں جگہ پانا ہے

مگر میں نے کیا برا کیا ہے۔۔۔۔۔؟ مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔

اسے سزا کیوں بہتی ہو۔ اگر سہہ سکتی ہو تو اسے ایک رویہ جانو \_\_\_\_\_ ایسا رویہ جو تم نے پہلے پہل اپنے شوہر کے ساتھ اختیار کیا تھا۔

اس سے کہہ دو تم نے جو مجھے سکھانا تھا۔ سکھا دیا۔

میں نے جو ٹھوکر کھانا بھی کھالی

اُو \_\_\_\_\_ ابل کر چلیں \_\_\_\_\_ اس طرح کہ میں تمہارا سایا بن کے پیچھے رہوں۔

فتوبہ

س آدی سے۔

اور کیا اس آدمی کے بغیر رہ سکتی ہے تو \_\_\_\_\_ ذرا غور سے دیکھ اس آدمی کو رملی چل

کے آئی۔ کوریڈور میں کھڑے ہو کر دیکھا۔ معاذ ج دھج کے کھڑا اپنا جائزہ لے رہا تھا۔  
اگر یہ بد صورت آدمی ہے تو پھر اسے دنیا کے میلے میں گنوا دے۔ یہ اپنے پلوں میں افسوس کی  
گرہ کیوں لگائے پھرتی ہے۔

\_\_\_\_\_ نہیں  
رملی پھر تڑپ اٹھی۔ اسے گوانے کے خیال سے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے۔ اور دم گھٹنے لگتا ہے۔  
پھر اعتراف کر لے \_\_\_\_\_  
کس بات کا \_\_\_\_\_؟

محبت کا \_\_\_\_\_  
محبت۔۔۔۔۔؟

ہاں یہی محبت ہے۔ اسی خلش کا نام محبت ہے۔ اسی دکھن کو تعلق کہتے ہیں اسی روگ کو رفاقت  
کہتے ہیں اور یہ محبت عجیب ہے۔ کسی وقت بس اپنے آپ چپ چاپ ہو جاتی ہے۔  
دیکھو نا کتنا بد صورت آدمی ہے۔ مگر تمہارے دل میں گھر کیے بیٹھا ہے۔ تم تو اس کے چہرے  
کی طرف دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ آج اس کے بازوؤں میں مچلنے کو بے تاب نظر آتی ہو۔

محبت کی زبان نہیں ہوتی \_\_\_\_\_  
اور اظہار محبت کے لئے کسی زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ تو خاک بن کر راہوں میں بچھ سکتی ہے \_\_\_\_\_ یا نہیں؟  
رملی نے لپک کر کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ معاذ نے اپنے اوپر اتنی خوشبوئیں  
چھڑک لی تھیں کہ لپٹیں باہر تک آرہی تھیں وہ چپ چاپ چلتی ہوئی معاذ کے قریب گئی اور وہاں  
جا کر کھڑی ہو گئی۔ معاذ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا \_\_\_\_\_ اور پھر اپنا آپ درست  
کرنے لگ گیا۔ اف اس کے انداز میں میں کتنی بے باکی اور کتنی سفاکی تھی۔ مرد کا یہ روپ بھی ہوتا  
ہے یہ سوچ کر رملی تھرا گئی۔

اس نے پلنگ پر سوئے ہوئے موجود دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اور پھر ایک قہر کی رات  
اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

رملی نے بڑھ کر اپنے کپڑوں کی الماری کھولی۔ ایک خوب صورت سا سوٹ نکالا اور غسل  
خانے میں چلی گئی۔ بڑی سرعت سے کپڑے بدل کر باہر نکلی تو دیکھا معاذ اپنی جیب سے کچھ

کاغذات نکال کے انہیں اپنی اسٹیڈی میں رکھنے جا رہا تھا۔ گویا وہ اب بالکل تیار تھا اور باہر جانے  
والا تھا۔

رملی آئینے کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے بال کھول دیئے اور کنگھی سے انہیں سلجھا  
کے شانوں پر ڈال لیا۔ پھر معاذ کی خوشبو اٹھا کے اپنے اوپر چھڑک لی \_\_\_\_\_  
ایک گہری سوچ نے اس کے بپوئے بوجھل کر دیئے تھے مگر پھر بھی وہ ایک فیصلہ کن انداز  
میں معاذ کے پیچھے اسٹیڈی میں چلی گئی۔

معاذ فائل میں اپنے کاغذ لگا رہا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا اور پھر بے  
پروائی سے اپنا کام کرنے لگ گیا۔ رملی دروازے میں کھڑی رہی۔ معاذ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں  
لیا۔ رملی کے دل میں غصے کی ایک لہر اٹھی \_\_\_\_\_

اس نے کمرے کے اندر قدم رکھ لئے اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔ معاذ نے کام ختم کر  
کے پھر رملی کی طرف دیکھا۔ رملی نہ جانے کن جذبوں سے تلی کھڑی تھی۔ مگر معاذ نے اس کی  
طرف دیکھ کر زیادہ غور کرنا مناسب نہ سمجھا \_\_\_\_\_ بلکہ اپنے ہاتھوں کے کف لنگ ٹھیک کرنے  
لگا۔ رملی کو امید تھی وہ اس سے اس کے آنے کی وجہ دریافت کرے گا۔ پھر دروازہ بند کرنے کی وجہ  
معلوم کرنا چاہے گا۔ مگر وہ تو رملی کو نظر انداز کیے اپنے اوپر خوشبوئیں چھڑکے بڑا بے نیاز بنا کھڑا  
تھا \_\_\_\_\_

رملی بھی اسے دیکھتی رہی۔ بالآخر وہ گھبرا کے رملی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا \_\_\_\_\_  
اس کی آنکھیں جذبوں سے خالی تھیں اور اس کی کالی رنگت میں کوئی جلتا ہوا پیغام نہ تھا \_\_\_\_\_  
رملی اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی قریب آ گئی۔ قریب آ کے  
بڑے آرام سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سفید کوٹ کے دونوں کالر پکڑ لیے۔۔۔۔۔  
ساحل بر سکون سے پہلے ایک طفیانی آتی ہے۔

لہریں اچھل اچھل کر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ غصے سے جھاگ جھاگ ہو جاتی ہیں۔  
طیش میں آ کر سمندر کے منہ پر زور زور سے پھیر مارنے لگتی ہیں \_\_\_\_\_

چھینٹے شور مچاتے ہیں \_\_\_\_\_  
لہریں اور سمندر آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔  
بس ایک پل کا ہوتا ہے یہ منظر \_\_\_\_\_

پھر دوسرے پھروں میں ایک خاموش سمجھوتہ ہو جاتا ہے۔ لہریں سمندر کے سینے سے لپٹ جاتی ہیں۔ لوٹ لوٹ ہو جاتی ہیں۔ سما جاتی ہیں۔ اس طرح کہ دوئی کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ سمندر بانہیں پھیلا دیتا ہے۔ اور لہر سڑیک دیتی ہے۔  
محبت کا یہی چلن رہا ہے۔

طفیانی کے بعد سکون

اور دکھ کے بعد سکھ

رملی کی جب آنکھ کھلی تو اس نے شرما تے شرما تے نظر اٹھائی معاذ اپنی مست آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رملی نے پہلی بار ان آنکھوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا۔ سیاہ کالی آنکھیں \_\_\_\_\_  
مزی ہوئی پلکیں \_\_\_\_\_ اور ان آنکھوں میں بے پناہ شرارت \_\_\_\_\_ اس کے ساتھ  
جیت لینے والا سارا غرور \_\_\_\_\_

وہ آنکھیں کہہ رہی تھیں تم بہت چالاک عورت ہو \_\_\_\_\_ اپنے حقوق کی حفاظت کرنا  
جان گئی ہو۔

رملی نے شرما کر اپنا رخسار معاذ کے ہاتھ پر رکھ دیا \_\_\_\_\_ جو انگارے کی طرح تپ رہا  
تھا \_\_\_\_\_

افوہ!

رملی نے گہری سانس لی۔ زندگی تو ان آنکھوں کے ساتھ بھی گزر سکتی تھی۔ ان انگارہ صفت  
ہاتھوں کے ساتھ بھی گزر سکتی تھی \_\_\_\_\_

مگر اس لمحے بغیر نہیں \_\_\_\_\_

یہ لمحہ جس میں ہار کر میں خوبصورت ہوئی اور معاذ جیت کر خوبصورت ہوا۔

آج رملی نے نیا جنم لیا تھا۔ آج کی صبح رملی کے گھر میں نئی طلوع ہوئی تھی۔ اس صبح کو اس  
نے اپنی ادراک کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ زندگی کے سارے اندھیرے آپ ہی آپ دور ہو گئے  
تھے۔ رملی ایک نئے نویلے نشے سے مدہوش ہو کر بستر سے نکل آئی۔ میا لے رنگ کی صبح میں رنگ  
برنگی چڑیاں چچہا رہی تھیں۔ گویا اسے بدھائی دے رہی تھیں۔

سہاگن مبارک ہو \_\_\_\_\_

بیج مبارک ہو \_\_\_\_\_

دولہا مبارک ہو \_\_\_\_\_

تو جنم جنم رہے شاد کام \_\_\_\_\_ تیری نظر اتارے آسمان \_\_\_\_\_  
رملی ایک دم کھلکھلا کر بنس پڑی۔ اس کا دل چاہا مسکراتی گنگناتی چڑیوں کو لپک کر پکڑ لے  
پھر ایک ایک کو چوم کر رہا کر دے۔

اس نے لمبی سے انگڑائی لی تو بدن کا ایک ایک عضو مسکرایا۔

پھر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ آج معاذ کا ناشتہ بناتے ہوئے عجیب طرح کی لذت  
محسوس ہوئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کھانے کی چیزوں میں وہ اپنا دل پروس رہی ہے۔  
ہائے قرب کا نشہ کیسا دو آتشہ ہوتا ہے۔

معاذ تیار ہو کر میز پر آ گیا تو وہ ناشتہ لگانے لگی۔ مارے شرم کے معاذ کی طرف دیکھنے کا  
حوصلہ نہ ہوا تو محض اسے ایک شرمیلی اور کم گولڑی سمجھتا تھا وہ کیا جانتا تھا کہ یہ چپ چاپ سی لڑکی  
جذبوں کا سمندر ہے اور محبت کی اتھاہ کو جان چکی ہے۔

شرمائے شرمائے انداز میں اس کے آگے کھن اندا تو سر رکھتی چلی گئی۔ مگر ابھی ابھی کن  
آنکھوں سے اس کو بھی دیکھ لیتی۔

اف آج معاذ کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا۔

اچھا پھر کوشش کر کے جلدی آجائیے گا \_\_\_\_\_ ؟  
ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ معاذ نے بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا \_\_\_\_\_

والی بیویاں اپنے ساجنوں کی راہ دکھا کرتی ہیں۔ آج اس کے جی میں بہت اچھی اچھی باتیں تھیں۔ آج وہ صرف معاذ کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی۔ اور آج ہی تو تقدیر کے دروازے اس پر کھلے تھے۔

اور بے جی تو خود اس کی ہمد تھیں۔ بے جی نے ہی تو یہ سارا موقع دیا تھا۔ افوہ \_\_\_\_\_  
بے جی کو تو ہر بات کا پتہ تھا۔ پتہ نہیں اب کیا ہوگا \_\_\_\_\_؟

اپنے خیالوں سے الجھتی رملی نے چائے بنائی اور ٹرائی پر رکھ کے لے آئی۔ بے جی باہر تخت پر نہیں تھیں۔ جانے کہاں اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔ دیکھا تو بے جی ہر ایک کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ غسل خانے تک دیکھے۔ شاید موجود کو ڈھونڈ رہی ہوں گی۔

موجود تو باہر ہے بے جی \_\_\_\_\_

اتنے میں موجود ہی دوڑتا ہوا آیا اور آ کے بے جی کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ بے جی اس کے لئے بے شمار کھلونے اور گاؤں کی سوغاتیں لائی تھیں۔ کھول کھول کر دیئے لگیں۔ ایک پولی میں ستو تھے، ایک میں شکر اور ایک میں گڑ \_\_\_\_\_ رملی نے جلدی جلدی یہ چیزیں پکڑیں اور اندر جا کر خالی کنستروں میں ڈال دیں۔ بے جی جو چیز بھی دیتیں اسے احتیاط سے پکڑ لیتی۔ پھر اندر جا کر رکھ آتی۔

بے جی چائے پی کر لیٹ گئیں۔ رملی جلدی سے ان کی پائنتی کی طرف جا بیٹھی۔

کیا تم کہیں جا رہی تھیں دوہٹی \_\_\_\_\_

بے جی نے رملی کا سنگھار دیکھ کر پوچھا \_\_\_\_\_

نہیں بے جی رملی شرمائی۔ یونہی \_\_\_\_\_ بس \_\_\_\_\_ شام کو کوئی آ جاتا ہے۔

تو تیار ہو جاتی ہوں۔

کوئی بات نہیں بے جی نے کہا \_\_\_\_\_ اگر تم دونوں کا کہیں جانے کا پروگرام ہو تو

ضرور چلے جانا۔

رملی بے جی کے قریب کھسک آئی اور ان کے پاؤں اٹھا کے اپنی گود میں رکھ لئے اور دبائے لگی۔

بے جی آپ کی وہ سہیلی آئی تھی مسز بیگ \_\_\_\_\_؟

اچھا \_\_\_\_\_ کیا کہتی تھی۔

جج پر جا رہی تھی۔ آپ سے ملنے آئی تھی۔

اب تو جا چکی ہوگی۔

ہے ان کو زیادہ وقت دیتا ہے۔ اور اتنے دنوں بعد وہ آئی ہیں تو پھر زیادہ تر ان کے ساتھ ہی رہے گا \_\_\_\_\_

ان سب باتوں نے رملی پر یوں اچانک حملہ کر دیا کہ وہ برآمدے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ نہ حسب عادت آگے بڑھ کر بے جی کی پیشوائی کی زبان کے ہاتھ سے سامان پکڑا۔  
بے جی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئیں۔

اور بڑی حیرت سے بولیں۔

دوہٹی! کیا حال ہے تمہارا \_\_\_\_\_

تب رملی ایک دم چونک اٹھی۔ آگے بڑھ کر بے جی کے گلے سے لگ گئی اور کافی دیر گلے سے چسپی رہی۔

پھر کہنے لگی \_\_\_\_\_

بے جی اس طرح اچانک آ کے آپ نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ سچ مچ خوشی کے مارے میرے منہ سے بات بھی نہیں نکل رہی۔

لیکن آنا تو مجھے اسی طرح تھا دوہٹی۔ میں نے معاذ سے کہلوادیا تھا کہ اس ہفتے بکری دن آ جاؤں گی۔

اچھا! انہوں نے مجھے نہیں بتایا تھا۔ ویسے بہت اچھا ہوا آپ آ گئیں \_\_\_\_\_ ہم سب آپ کے لئے بہت اداس تھے۔

موجود کہاں ہے \_\_\_\_\_؟ بے جی نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

پچھواڑے نوکروں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوگا۔ بلا لاؤں \_\_\_\_\_؟

نہیں وہ خود ہی آ جائے گا۔ بے جی ٹانگیں اوپر کر کے تخت پر بیٹھ گئیں۔ اور ان کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمودار ہوئے۔

رملی نے بے جی کا سارا سامان اٹھا کر ان کے کمرے میں لگا دیا۔ اور پھر بولی۔ آپ کے لئے گرم گرم چائے بنا لاؤں۔

بے جی چپ رہیں۔

وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر اس نے اپنے خوبصورت کپڑوں کی طرف دیکھا۔ آج وہ ایک خاص انداز سے معاذ کا استقبال کرنا چاہتی تھی۔ جس طرح محبت کرنے



بے جی تھوڑی دیر چپ بیٹھی اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر اپنا ہاتھ اس کے زانو پر رکھا۔ زانو کو تھپتھپایا اور بولیں۔

پترا چپ کر جا \_\_\_\_\_ کیوں روتی ہے۔ اب تیرے رونے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں تو جب سے آئی ہوں۔ حیران ہو رہی ہوں۔ تجھے شاید معلوم نہیں میں جان بوجھ کر تجھے تنہا اپنے گھر میں چھوڑ کر گئی تھی۔ کیونکہ جب سے تو آئی تھی اس گھر کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر رہی تھی۔ اور یہ سب میرا قصور تھا۔ میں تجھے کچھ کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ پھر میں جان بوجھ کر کچھ عرصے کے لئے گاؤں رک گئی۔ تاکہ تجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑے اور تجھے پتہ چلے کہ شادی کیا ہوتی ہے \_\_\_\_\_ آج تمہارا گھر دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ سب کمرے چم چم کر رہے ہیں۔ میلے کپڑے جا بجا ڈھیر نہیں۔ باورچی خانے سے بونہیں آ رہی \_\_\_\_\_ بچہ بھی صاف ستھرا ہے۔ سارے محلے سے تم ملتی رہی ہو \_\_\_\_\_ ادھر ادھر کی خبریں رکھتی ہو اور یقیناً تم نے معاذ کا دل بھی جیت لیا ہوگا۔

اس فقرے پر رملی نے اپنا سر بے حد جھکا لیا۔

کچھ شرمندگی کے مارے \_\_\_\_\_  
کچھ فطری شرم کے مارے۔

بے جی نے اپنا ہاتھ رملی کے سر پر رکھ دیا۔ اور بولیں۔

زندگی تو سب کی ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ کوئی عقلمندی سے اسے جنت بنالیتا ہے۔ اور کوئی بے وقوفی سے اسے دوزخ بنالیتا ہے۔ اللہ نے جتنی نعمتیں دے رکھی ہوں۔ ان کی قدر کرنی چاہیے۔ اور اللہ کی طرف سے جو نہیں ملا اس کا بھی گلا نہیں کرنا چاہیے۔ پترا مجھے یہ دیکھ کر اب خوشی ہوئی ہے کہ تو سیانی ہو گئی ہے جب تیری شادی ہوئی تھی اور ہم تجھے اس گھر میں لے کے آئے تھے۔ تو سب لوگ آ آ کے مجھے مبارکباد دیتے تھے اور سب کہتے تھے ماشاء اللہ آپ کی بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ تیری حقیقت اس وقت تھی بھی چاند کے ٹکڑے جیسی \_\_\_\_\_ جس طرح پتھر کا ٹکڑا بے حس اور فضول ہوتا ہے۔ لیکن جب اسی پتھر کے ٹکڑے کو تراش خراش کے اس کی مورتی بنالی جائے تو کس قدر خوبصورت ہوتا ہے یہ فطرت کا علم ہے اس کے بغیر انسان ادھورے ہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے آپ کو خوبصورت بنالیں۔ چاہیں تو بد صورتوں میں شامل ہو جائیں۔ آج میں تجھے جس حالت میں دیکھ

جی ہاں کہتی تھی وہاں جا کر خط لکھوں گی۔

وہ ہیں نامنر مسعود ان کے ہاں پوتا ہوا ہے۔ انہوں نے بڑا شاندار عقیقہ کیا تھا۔ آپ تو یہاں تھیں نہیں۔  
میں ہو آئی تھی۔

بہت اچھا۔ بے جی نے کہا۔

اور بے جی وہ جو سامنے فلیٹ میں ایک خاتون رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ آپ کا پوچھنے آیا کرتی تھی۔ پھر رملی نے رفتہ رفتہ بے جی کو سارے محلے کی چیدہ چیدہ خبریں سنا دیں۔ کہ ان کی عدم موجودگی میں کیا کچھ ہوتا رہا۔

بے جی چپ چاپ سنتی رہیں۔ کبھی کبھی بس ہوں ہاں کر دیتیں۔ رملی نے محسوس کیا بے جی کے چہرے پر بہت سنجیدگی تھی۔ ایسی سنجیدگی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس لے دل ہی دل میں ڈر رہی تھی اور اللہ سے دعائیں بھی مانگ رہی تھی کہ اب کوئی اور افتاد نہ پڑ جائے اس نے تو اپنی انا کو کچل کے اپنے ساجن کو مٹالیا تھا۔ اس نے تو سر جھکا کے جینے کا ایک انداز اپنا لیا تھا۔ پتہ نہیں بے جی کیوں اتنی خاموش اور سنجیدہ تھیں۔ ان کو تو سارے واقعے کا علم ہے۔

کہیں۔۔۔۔۔ کہیں۔۔۔۔۔ پھر اسے جھر جھری آ جاتی اور وہ بے جی کے سوکھے پاؤں اپنے نرم نرم ہاتھوں سے دبانے لگی۔۔۔۔۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرتی \_\_\_\_\_ اپنے کپڑوں کو دیکھنے لگتی \_\_\_\_\_ اور اپنے چہرے کا دھیان کرتی جسے اس نے معاذ کے لئے سجایا تھا۔

حقیقی معنوں میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہی اس کے من مندر کا دیوتا ہے \_\_\_\_\_ کہ اوپر سے بے جی آ گئیں۔

پتہ نہیں اب بے جی کیا کریں گی \_\_\_\_\_

پتہ نہیں اب معاذ کے آنے تک کیا ہوگا \_\_\_\_\_

وہ ابھی بیٹھی اپنے آپ سے الجھ رہی تھی کہ بے جی نے اس کی گود میں سے پاؤں یوں کھینچے جیسے چھڑائے ہوں۔ اس پر رملی ایک دم چونک اٹھی۔ بے جی کی طرف حیرت سے دیکھا ان کے چہرے پر کھٹکتی تھی۔

رملی بے بسی کے عالم میں رونے لگی۔

بے جی اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو پلیز معاف کر دیں۔

رہی ہوں تو دل سے دعا نکل رہی ہے۔

آج تو میری نظر میں دنیا کی خوبصورت ترین عورت ہے۔ وہ عورت جو اپنے شوہر کو اپنا گرویدہ کر لے۔ گھر کو جنت کی طرح رکھے اور بچوں کے ساتھ جان مارتی رہے۔ بلاشبہ خوبصورت عورت ہوتی ہے۔

شدت جذبات سے رملی کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ایک دم زمین پر بیٹھ گئی۔ اور بے اختیار اس نے اپنا سر بے جی کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اس وقت ہنستا ہوا معاذ موجو کی انگلی پکڑے گھر میں یوں داخل ہوا جیسے گھپ بادلوں کی گچھا چیر کر اچانک سورج نکل آئے اور ہر شے کی اصل نظر آنے لگے۔